مادر ملت، محسنہ ملت

از

شاہد رشید

☆

فہرست

تاریخی پسِ منظر

ملت کے بطلِ جلیل قائداعظم محمد علی جناحؒ ان کی ہمشیرہ اور معتمد خصوصی مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کی سیاسی زندگیوں کا تجزیہ کرنے سے قبل یہ دیکھنا ہوگا کہ اس وقت متحدہ ہندوستان کے سیاسی حالات کیا تھے۔ ہندو مسلم مسئلے کی کیا شکل تھی۔ انگریز حاکم جو ابتدا میں محض تجارت کرنے کے لئے اس ملک میں آیا تھا اس نے کس طرح سازشوں کا تانا بانا تیار کر کے پورے ملک پر قبضہ جما لیا تھا۔ ہندو اکثریت کے سامنے مسلمان اقلیت کی حیثیت کیا تھی۔ انگریز حاکموں کے کاسہ لیس ضمیر فروشی کر کے اور اپنوں پر ظلم ڈھا کر کس طرح اپنے آقاؤں سے انعامات و مراعات حاصل کر رہے تھے۔ مسلم معاشرے کو کس طرح تباہ برباد کیا گیا تھا۔ اور انگلستان کی صنعت پارچہ بافی کو ہندوستانی مسلمانوں کے تیار کردہ پارجات سے محفوظ رکھنے کے لئے کس طرح مسلمان کاریگروں کے انگوٹھے کٹوائے گئے تھے تاکہ وہ پارچہ بافی کے قابل ہی نہ رہیں۔ ان سوالوں کا جواب اس لئے ضروری ہے کہ آج کی نسل کو یہ علم ہو سکے کہ انہیں یہ وطن کسی نے تھالی میں رکھ کر نہیں پیش نہیں کیا تھا بلکہ اس کے حصول کے لئے اس قوم کو آگ اور خون کا سمندر پار کرنا پڑا تھا۔ اس وطن کی خاطر ہزاروں بے گناہ مسلمان شہید ہوئے۔ ہزاروں مسلمان خواتین کی بے حرمتی ہوئی۔ لاتعداد خواتین اغوا کر لی گئیں۔ لاکھوں مسلمانوں کو گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔ قتل و غارت کے واقعات تو ہر انقلاب میں پیش آیا کرتے ہیں مگر ان واقعات کی انفرادیت اس لئے ہے کہ لٹنے پٹنے والوں کو یہ سزا محض اس لئے دی گئی کہ وہ ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک کتاب کے ماننے والے تھے۔ تاجروں کے بھیس میں آنے والے انگریزوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا اس لئے انہیں ہر وقت یہی خطرہ لاحق رہتا تھا کہ ان کے توسیع پسندانہ عزائم میں اگر کبھی کوئی رکاوٹ

پڑی تو اس کی ذمہ دار مسلمان قوم ہی ہو گی جس کا خمیر غلامی کو قبول نہیں کرتا چنانچہ فرنگیوں نے ہندو نوازی کی جو پالیسی روز اول سے اپنائی تھی وہ روز آخر تک قائم رہی اور جب مسلمانوں نے علیحدہ آزاد وطن کا نعرہ لگایا تو اسے ناکام بنانے کے لئے ہندو اکثریت اور انگریز حاکم دونوں متحد ہو گئے۔

انگلستان کے تاجر سترہویں صدی کے آغاز میں ہندوستان آئے تھے۔ اٹھارویں صدی میں ان کی تجارت نقطۂ عروج پر پہنچ گئی۔ انگلستان میں ہندوستان کا سوتی کپڑا کالیکو کہلاتا تھا۔ سوتی کے علاوہ ہندوستان کا ریشمی کپڑا بھی یورپ بھیجا جاتا تھا۔ ریشمی رومال، بانات کی بنی ہوئی ٹوپیاں، چینی کے برتن، کھلونے اور تصویریں بھی انگلستان بھیجی جاتی تھیں۔ یہ اور دیگر مال کمپنی کے ذریعہ برآمد ہوتا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان ہندوستانی مال کی منڈی بن گیا۔ انگلستان چاہتا تھا کہ اس کا بھی اونی کپڑا ہندوستان میں فروخت کیا جائے لیکن کمپنی نے کہا کہ یہ مال فروخت نہیں ہو سکتا۔ یہ مال آیا تو گوداموں میں خراب ہوتا رہے گا یا اسے مفت تقسیم کرنا پڑے گا۔ اس طرح کمپنی کے ڈائریکٹروں نے تو خوب نفع کمایا لیکن بحیثیت ملک انگلستان کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ انگلستان کے صناع تباہ ہونے لگے تو انہوں نے حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ اس مسئلے کا حل تلاش کرے۔ دوسری طرف انگلستان میں سودیشی مال استعمال کرنے کی تحریک زور پکڑ گئی۔ ہندوستان کا بنا ہوا مال زیادہ تر خواتین پسند کرتی تھیں انہیں ترغیب دی جانے لگی کہ وہ صرف اپنے ملک میں بنی ہوئی اشیا استعمال کریں۔ معاملہ اتنا بڑھا کہ حکومت کو مداخلت کرنی پڑی۔ برطانوی پارلیمنٹ کے ایک رکن نے کہا کہ اگر ہندوستان کا مال یونہی انگلستان پہنچتا رہا تو ہندوستان مالدار اور انگلستان مفلس ہو جائے گا۔ اس نے کہا کہ ہندوستان کے کالیکو (سوتی کپڑے) نے ہماری کپڑے کی صنعت کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ دوسرے ممبروں نے بھی پارلیمنٹ میں اسی قسم کی تقریریں کیں۔ ان دنوں برطانیہ، اٹلی اور

فرانس سے بھی ریشمی کپڑا درآمد کرتا تھا لیکن ہندوستانی کپڑے کے مقابلے میں یہ بہت مہنگا ہوتا تھا اس لئے انگلستان میں اس کی درآمد بند ہوگئی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دور میں ہندوستان کس قدر خوشحال تھا اور یہاں کا مال انگلستان اور دوسرے ملکوں میں کس قدر پسند کیا جاتا تھا۔ بالآخر 1700ء میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد یکسر ختم کردی گئی۔ یہی نہیں بلکہ اس رجحان کو موثر بنانے کے لئے انگلستان کے عوام کے لئے ہندوستانی کپڑے کا استعمال ممنوع قرار دیدیا گیا۔ یہ پابندی نرم کی گئی تو ہندوستانی کپڑے پر اتنی بھاری ڈیوٹی لگا دی گئی کہ انگلستان میں اس کی فروخت ناممکن ہوگئی۔ حالات بدل گئے۔ کمپنی نے تیار کی بجائے خام مال انگلستان بھیجنا شروع کردیا۔ اس طرح سرمایہ انگلستان منتقل ہونا شروع ہوگیا اور آگے چل کر یہی سرمایہ انگلستان میں صنعتی انقلاب کا سبب بنا۔ سرولیم ڈربی لکھتے ہیں ''انگلستان کا صنعتی انقلاب اس لئے برپا ہوا کہ انگلستان کو کرناٹک اور بنگال کے خزانے استعمال کرنے کا موقع مل گیا ورنہ اس سے قبل ہماری صنعت نہ ہونے کے برابر تھی اسے ہندوستانی سرمائے سے تقویت ملی۔''

اٹھارویں صدی عیسوی کو انقلاب کی صدی کہنا چاہیے۔ اس صدی میں برطانیہ میں صنعتی انقلاب آیا۔ اسی صدی میں امریکہ کا اعلانِ آزادی ہوا اور فرانس کا انقلاب بھی اسی صدی میں رونما ہوا۔ اس وقت کا ہندوستان اگرچہ امریکہ اور یورپ سے دور تھا لیکن کمپنی کے عمل دخل کی وجہ سے وہ بھی ان انقلابوں سے متاثر ہوا۔ 1215ء میں انگلستان کے ''نوابوں'' نے اس وقت کے بادشاہ جان کے خلاف بغاوت کردی جس کے نتیجے میں ایک فرمان کے ذریعہ انگلستان کو ایک آئینی مملکت بنا دیا گیا۔ پارلیمنٹ کے اختیارات میں اضافہ ہوا اور بادشاہ کے اختیارات کم ہو گئے۔ یہ وہ دور تھا جب پورا یورپ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے جھگڑوں میں الجھا ہوا تھا۔ خونیں ہنگامے ہو رہے تھے اور ملک میں سیاسی کشمکش جاری تھی۔ طویل خانہ جنگی

کے بعد چارلس اول کو غداری کا مجرم ٹھہرا کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس کے بیٹے کو چارلس دوم کے لقب سے بادشاہ بنایا گیا۔ اس نے فرانس کے لوئی چہاردہم سے ایک خفیہ معاہدہ کر لیا جس کی رو سے انگلستان کی خارجہ پالیسی ایک لاکھ پونڈ سالانہ کے عوض اس کے ہاتھ فروخت کر دی گئی۔ انگلستان خانہ جنگی اور مذہبی چپقلش کا شکار رہا۔ 1685ء تک یہی حالت رہی۔ تاہم ملکہ این کے انتقال کے بعد انگریزی سے نابلد ایک جرمن شہزادے کو تخت پر بٹھا دیا گیا جو جارج اول کہلایا اس کے دور میں ایوانِ عام کی آزادی سلب کر لی گئی اس کے بعد جارج دوم اور جارج سوم یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے۔ 1688ء میں پھر انقلاب آیا جس میں انگلستان کی پارلیمنٹ کامیاب رہی۔ یہ پارلیمنٹ جاگیرداروں پر مشتمل تھی اس لئے طاقت کا توازن ان کی طرف منتقل ہو گیا۔ پارلیمنٹ میں بڑے تاجر تو شامل ہو سکتے تھے لیکن ادنیٰ طبقے کے لئے اس میں کوئی گنجائش نہ تھی جب چھوٹے کسان، جاگیرداروں کی بھینٹ چڑھنے لگے تو ملک کی معاشی حالت بری طرح متاثر ہوئی۔ انگلستان میں صنعتی ترقی تو ہوتی رہی لیکن اس کے ثمرات چند خاندانوں تک ہی محدود تھے۔ بھوکوں مرتے عوام نے ان حالات کے خلاف مظاہرے شروع کر دیے۔ دوسرے یورپی ملکوں میں مذہبی فسادات جاری تھے اور ان ملکوں کے صناع فرار ہو کر انگلستان میں پناہ لے رہے تھے اس طرح یہ ایک صنعتی ملک بن گیا اور جو چیزیں پہلے اسے درآمد کرنی پڑتی تھیں اب خود تیار کرنے لگا۔ 1765ء میں جب جیمز واٹ نے بھاپ سے چلنے والا انجن تیار کر لیا تو انگلستان زرعی ملک نہ رہا۔ جاگیرداروں کے اختیارات کارخانے داروں کو منتقل ہو گئے اور کسان جو خود کو کبھی آزاد سمجھتے تھے اب کارخانوں کے مزدور بن کر رہ گئے۔ یہ اٹھارویں صدی کا وسط تھا اس دور میں انگریز کینیڈا اور ہندوستان میں جنگیں لڑ رہے تھے۔ یہ پس منظر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آج کی نسل کو معلوم ہو سکے کہ انگریز کس طرح چالبازی سے ہندوستان کے

حکمران بن گئے تھے۔اگر چہ ان کا اپنا ملک خانہ جنگی اور سیاسی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا اس کے باوجود اس قوم نے ہمت نہ ہاری اور بالآخر ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک پر قابض ہوکر رہی۔کہا جا سکتا ہے کہ یہ غلبہ انگریزوں کی سازشوں کا نتیجہ تھا لیکن یہ سازشیں بھی تو ہندوستان ہی کے ضمیر فروشوں کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچیں۔جعفرو صادق انگریز نہیں اسی ملک کے باشندے تھے۔کیا ان کی غداری کے بغیر سات سمندر پار سے آنے والے انگریزوں کو ہندوستان کا اقتدار مل سکتا تھا؟ انگریزوں نے اگر سازشیں کیں تو یہ ان کے معاشرتی مزاج کے عین مطابق تھیں۔وہ انہیں معیوب نہیں سمجھتے تھے لیکن ہندوستان کے حکمرانوں کا مزاج تو ان سے قطعاً مختلف تھا۔ان کا دین انہیں غلامی قبول کرنے سے روکتا تھا پھر انہوں نے غلامی کا پٹا اپنے ہاتھوں سے کیوں اپنے گلے میں ڈال لیا؟ مسلمانوں نے ہندوستان پر کئی سو سال تک حکومت کی اس سارے عرصے میں انہوں نے اپنی قوم کے لئے کیا کیا؟ اس غفلت کا ثبوت 1947ء میں تقسیم ہند کے وقت ملا جب ہندوستان پر سینکڑوں سال حکومت کرنے والے مسلمان دس کروڑ اور غیر مسلم تیس کروڑ نکلے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کو سارے غیر مسلموں کو تہہ تیغ کر دینا چاہئے تھا لیکن تبلیغ کے ذریعہ اپنا دین پھیلانے کا تو انہیں حق حاصل تھا۔مگر انہوں نے اپنے دین کی تو کیا خدمت کرنی تھی اپنی نا اہلی کے باعث وہ اپنی حکمرانی بھی قائم نہ رکھ سکے اور اس قوم کی غلامی پر قناعت کر لی جو خود اپنے ملک میں شدید پریشانیوں اور مشکلات کا شکار تھی۔ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ جما کر ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں سے کبھی انصاف نہیں کیا اور اس کی لاتعداد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔بے انصافی غلامی کا دوسرا نام ہے جب بھی مسلمان قوم عدل و انصاف سے ہٹے گی قوانین خداوندی اپنا اثر ضرور دکھائیں گے اور ہماری ماضی قریب کی تاریخ اسی قسم کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ہم انگریزوں کو سازشی

ہونے کا طعنہ دیکر سازشوں کے نتائج سے نہیں بچ سکتے تھے چنانچہ طویل مدت تک ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ یہ بات تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غلام بنانے والوں اور غلام بننے والوں کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ انگریزوں نے ہندوستان کی معیشت کو تباہ کرنے کے لئے جو کچھ کیا اس کا ذکر ولیم بوسٹس (1772) یوں کرتے ہیں ''ہندوستان کی داخلی تجارت اور کمپنی کا ایک خاص طریقے سے ہندوستان میں سرمایہ کاری کرنا مظالم کے تسلسل کا ایک ایسا منظر ہے جس کے منفی اثرات کو ہندوستان کا ہر پارچہ باف محسوس کر رہا ہے۔ ہندوستان کے لوگ جو سامان تیار کرتے ہیں وہ خود بخود کمپنی کی ملکیت بن جاتا ہے پھر انگریز اپنے گماشوں کے ذریعہ یہ طے کرتے ہیں کہ کوئی کاریگر کمپنی کو کتنا مال کس قیمت پر دے گا۔ جب ہندوستانی پارچہ باف انگریزوں سے پیشگی رقوم لینے سے انکار کرتے ہیں تو انگریز یہ رقم زبردستی ان کی پیٹھ پر بندھوا دیتے ہیں اور حکم عدولی کے الزام میں انہیں کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اس قسم کی بدمعاشیاں کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ کمپنی کے گماشتے مال کی جو قیمت مقرر کرتے ہیں وہ بازار کے نرخ سے چالیس فیصد کم ہوتی ہے۔ ریشم کاتنے والے بہت سے کاریگروں نے ان تکالیف سے نجات پانے کے لئے اپنے انگوٹھے کاٹ ڈالے ان تمام مظالم کے باوجود ہندوستان کا مال انگلستان پہنچ کر انگلستان میں بننے والے کپڑے سے کم نرخ پر فروخت ہوتا تھا۔ اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے ہندوستانی کپڑے پر پچاس سے پچاسی فیصد تک محصول لگا دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی نے دم توڑ دیا اب انگلستان سے کپڑا ہندوستان آنے لگا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ہندوستان کی برآمدی تجارت عروج پر تھی تو مال بردار جہاز بھی ہندوستان میں ہی بنائے جاتے تھے جب یہ جہاز مال لیکر انگلستان کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے لگے تو انگلستان کے جہاز سازوں میں صف ماتم بچھ گئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہندوستانی جہازوں کو نہ

روکا گیا تو انگلستان کی یہ صنعت بھی تباہ ہو جائے گی۔ایک بھارتی مصنف جے سی کمار لکھتا ہے کہ ”برطانوی راج قائم ہونے سے پہلے ہندوستان اس قدر خوشحال تھا کہ اس کے حکمرانوں کو کبھی قرضہ لینے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور اگر کوئی حکمران قرضہ لیتا بھی تھا تو اسے اس کا ذاتی فعل سمجھا جاتا تھا۔رعایا کا اس قرضہ سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔“ کمپنی بھی اپنا کام منافع وصول کر کے چلاتی تھی لیکن اس دور میں انگلستان کی مالی حالت بے حد خراب تھی۔1750ء تک انگلستان کی صنعت فولاد کو استحکام حاصل نہ ہو سکا تھا۔لوہے کی تین چوتھائی ضرورت سویڈن سے پوری کی جاتی تھی۔لارڈ میکالے لکھتا ہے کہ کمپنی اور اس کے ملازمین پر دولت کی وہ بارش ہوئی کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔جنگ پلاسی کے بعد آٹھ لاکھ پونڈ مرشد آباد سے کلکتہ منتقل کئے گئے۔لارڈ کلائیو کی دولت کا کچھ شمار نہ تھا۔اس نے یہاں کی دولت کو انگلستان منتقل کرنا شروع کر دیا۔اس طرح برطانوی ایجادات میں سرمائے کی جو کمی محسوس کی جارہی تھی وہ پوری ہو گئی اور ترقی کی رفتار میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ 1750ء میں انگلستان کے مہاجنوں کی بارہ کوٹھیاں بھی نہ تھیں لیکن صرف 40 سال بعد ہر بازار میں بینک کھل گئے۔اس طرح شاطر انگریز نے ہندوستان کی اقتصادی حالت کو برباد کر دیا۔ظاہر ہے کہ جب کوئی قوم اپنی اقتصادی آزادی کھو بیٹھتی ہے تو پھر اغیار کو اس کی سیاسی آزادی ختم کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ہندوستان کی دولت لندن منتقل ہونے سے مفلوک الحال انگلستان تو خوشحال ہو گیا لیکن ہندوستان والے دو وقت کی روٹی کے بھی محتاج ہو گئے۔دنیا میں سونے کی چڑیا کہلانے والا ہندوستان کمپنی کی لوٹ کھسوٹ کے سبب مٹی کی چڑیا کہلانے کے بھی قابل نہ رہا۔کمپنی ایک طرف تو ہندوستان کو اقتصادی طور پر دیوالیہ بنانے میں لگی رہی دوسری طرف اس نے بھوکے ہندوستانیوں پر مشتمل اپنی فوج کھڑی کر لی۔انگریز دستے بھی تھے جن میں انگلستان کے بے روزگار نوجوانوں کو معقول تنخواہ

پر بھرتی کیا گیا لیکن فوج کی زیادہ تعداد ہندوستانیوں پر ہی مشتمل تھی۔ کمپنی نے ہندوستان کے راجوں مہاراجوں اور نوابوں کو سازشوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے لڑایا اور ان جنگوں میں جو جیتا اس سے کمپنی نے اتنا بھاری ''معاوضہ'' وصول کیا کہ اس کی فتح بھی غلامی کا پھندا بن کر رہ گئی۔ ہندو قوم نے بھانپ لیا تھا کہ اس ملک سے برطانوی راج کو اکھاڑنا آسان کام نہیں اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ ان نووارد حکمرانوں سے بنا کر رکھی جائے چنانچہ انہوں نے انگریزوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا اور ان کی مخالفت کا رخ مسلمانوں کی طرف پھیر دیا۔ ملک کی اقتصادیات کی تباہی میں سب سے زیادہ نقصان بھی مسلمانوں ہی کو اٹھانا پڑا تھا۔ یہ درست ہے کہ آزادی کی خاطر مسلمان قوم کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتی لیکن ایک جابر حکمران سے نجات پانے کے لئے بہر حال وسائل کی ضرورت تھی اور ان وسائل پر انگریزوں کے بعد ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ مسلمانوں کی قیادت مخلص ضرور تھی لیکن وہ حالات کا تجزیہ نہیں کر سکتی تھی اس لئے قیادت خلوص کے باوجود وسائل کے بغیر مثبت نتائج پیدا کرنے سے قاصر تھی۔ ہندو نے انگریزی سامراج سے مفادات و مراعات حاصل کرنے کے لئے انگریزی تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی اور یوں وہ برطانوی سامراج کی انتظامیہ میں کسی حد تک شریک ہو گئے لیکن مسلمانوں کے قائدین نے انگریزی تعلیم کے حصول کو کفر قرار دیدیا۔ اس معاملے میں اس وقت کی قیادت کی نیت پر تو شک نہیں کیا جا سکتا لیکن اس پالیسی کے نتیجے میں ہندو قوم مسلمانوں سے بہت آگے نکل گئی اور مسلمانوں پر جمود طاری ہو گیا۔ ان حالات میں سر سید احمد خان نے قوم کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اس دور میں انہیں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ ان پر کفر کے فتوے لگے اور اپنے کہلانے والوں نے ہی ان کے مشن کی ناکامی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ تاہم وہ اپنے مشن میں کامیاب رہے۔ کام چونکہ بے حد تاخیر سے شروع ہوا تھا اور

نتائج برآمد ہونے میں بھی دیر لگی پھر بھی انگریز کی انتظامیہ میں خال خال مسلمان بھی نظر آنے لگے اور یوں آزادی کی جدوجہد کے لئے وسائل کی کچھ امید نظر آنے لگی۔ 1857ء کی جنگ آزادی جب اپنوں کی بے تدبیری، غداروں کی سازشوں اور حاکموں کے وحشیانہ ظلم وستم کے سبب دم توڑ گئی تو مسلمانوں کے لئے ایک بار پھر دنیا تاریک ہوگئی اگرچہ اس جنگ آزادی میں غیر مسلم بھی شامل تھے لیکن اس کی ناکامی پر ہندو نے ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی۔ اس نازک موقع پر بھی سرسید احمد خان ہی آڑے آئے اور انہوں نے ''اسباب بغاوتِ ہند'' کے نام سے کتاب لکھ کر انگریزوں کی غلطیوں کو اجاگر کیا۔ جو ان کے خیال میں بغاوت کا سبب بنیں۔ یہ وہ دور تھا جب انگریز حاکم کے خلاف سچ بات کہنا بھی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا چنانچہ جب سرسید احمد خان نے اپنی کتاب برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان کو بھیجنے کا فیصلہ کیا تو ان کے بہی خواہوں نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی اور کہا کیوں خود اپنی موت کو دعوت دے رہے ہیں لیکن سرسید احمد خان کا جواب تھا کہ جب قوم مشکل میں ہو تو فرد کی کوئی حقیقت نہیں ہوا کرتی۔ انہوں نے یہ کتاب انگلستان بھیجی اور نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو گئے تاہم خود انگریزوں میں ایسے لوگ نکل آئے جنہوں نے سرسید احمد خان کے خیالات کو بغاوت کی بجائے خیر خواہی پر محمول کیا اس طرح یہ مصیبت ٹل گئی اور مسلمانوں کو بھی کسی حد تک سکون کا سانس لینے کا موقع ملا۔ اگرچہ وقتی طور پر تو خطرہ ٹل گیا لیکن انگریزوں کا دل مسلمانوں کی طرف سے کبھی صاف نہ ہوا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہندوستان سے رخصت ہوتے وقت بھی آخری لمحے تک یہی کوشش کی کہ ہندوستان تقسیم نہ ہو اور پاکستان بننے نہ پائے۔ لیکن مسلمان اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگت چکے تھے۔ قدرت کو ان پر رحم آگیا اور انہیں قائداعظم محمد علی جناحؒ کی شکل میں ایسی قیادت میسر آ گئی جس نے قوم کی بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی کو پاکستان کی شکل میں پار لگا دیا۔ اس دور میں مفکر

اسلام حکیم الامت علامہ اقبالؒ کا کردار بھی نمایاں رہا۔ انہوں نے قائداعظمؒ کو ترغیب دی کہ وہ ہندوستان واپس آ کر ملت کی قیادت سنبھالیں ۔ یہ اقبالؒ ہی تھے جنہوں نے 1930 میں اپنے مشہور خطبہ الہ آباد میں پاکستان کا تصور دیا جو آگے چل کر قوم کے دل کی آواز بن گیا۔ قائداعظمؒ کو اس راہ میں کن کن حالات سے دوچار ہونا پڑا اور ان کی ہمشیرہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اس کامیابی میں کیا کردار ادا کیا اس کی تفصیلات آگے آئیں گی۔ جس سے موجودہ اور آنے والی نسلوں کو یہ اندازہ کرنے میں آسانی رہے گی کہ پاکستان کیوں اور کیسے حاصل کیا گیا اور اگر خدانخواستہ یہ ملک معرض وجود میں نہ آتا تو اس خطہ کے مسلمانوں پر کیا گذرتی ۔ اس تفصیل کی روشنی میں وہ حضرات قائداعظمؒ اور مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کے قومی کردار کا بھی تعین کرسکیں گے۔

مِلّت کے تابندہ ستارے

انسانی معاشرہ مرد اور عورت کے گرد گھومتا ہے ان دونوں کے حقوق وفرائض کا تعین اسی وقت ہو گیا تھا جب اللہ رب العزت نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو پیدا کیا تھا۔ پھر خالقِ کائنات نے تخلیق کائنات کے فیصلے کو ان دونوں کے ذریعہ آگے بڑھایا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں مرد کو تلاش معاش کی ذمہ داری سونپی وہاں عورت کو اس کے قوائے مضمحل کو نئی زندگی اور تازگی بخشنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ تاریخ عالم اٹھا کر دیکھ لیجئے آپ کو اس ربانی فیصلے کی تفاسیر قدم قدم پر مل جائیں گی۔ اسلام نے جس طرح عورت کے مقام کو اجاگر کیا ہے اس کی مثال دیگر مذاہب میں نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے نیکوکاروں سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور نظام الٰہیہ میں یہ سب سے بڑا انعام ہے جس کا وعدہ نیکی کرنے والوں سے کیا گیا ہے۔ یعنی نیکوکاروں کے لئے اللہ کا سب سے بڑا انعام جنت ہے۔ اب نظام الٰہیہ کی مصلحتوں کو دیکھئے کہ اس سب سے بڑے انعام، جنت کو عورت کے قدموں میں ڈال دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جنت ماں کے قدموں تلے ہے''۔ اللہ اکبر اسلام کی شان دیکھئے کہ اس نے عورت کو کس ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا کہ اپنے سب سے بڑے انعام جنت کو بھی اس کے پاؤں میں رکھ دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد زندگی میں اگر تلوار مرد کے ہاتھ میں تھمائی تو اس تلوار کے انعام کو عورت کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس طرح زندگی کی جدوجہد میں مرد اور عورت لازم وملزوم بن گئے۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ اور محمد علی جناحؒ کی شخصیتیں اسی فلسفہ خداوندی کی عملی تفسیر ہیں۔ ایک نے اگر فرعونیت اور قارونیت کے انسانیت کش اتحاد کو پارہ پارہ کر کے دنیا کے نقشے پر

ایک نیا اسلامی ملک قائم کر دکھایا تو دوسری نے حصول مقصد کے مشن کو زندہ تابندہ رکھنے کے لئے ہر کٹھن مرحلے پر آبِ حیات کا کام دیا۔ زیرِ نظر کتاب میں ہم اسی مقتدر ہستی کے کارہائے نمایاں کا جائزہ لیں گے جسے امت مسلمہ فاطمہ جناحؒ کے نام سے جانتی ہے اور اہل پاکستان جسے مادرِ ملت کا درجہ دیتے ہیں۔

امتِ مسلمہ کی تاریخ ایسی خواتین کی مدبرانہ اور سرفروشانہ جدوجہد سے بھری پڑی ہے جنھوں نے اپنے کارناموں سے نہ صرف خود حیات جاوید حاصل کر لی بلکہ افرادامت کے لئے ایسی راہیں متعین کر دیں جن پر چل کر وہ بھی مقصد حیات پا سکتے ہیں۔ جہاں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مشعل اسلام کی روشنی میں تاریک راہوں کو منور کیا وہاں ان کی جانثار معاون اور اسلام سے رہنمائی حاصل کرنے والی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اس مشعل کو تھامے رکھنے والے نحیف ونزار بازوؤں کو اپنے فکر وعمل سے تقویت بخشی۔ بھائی کو اگر امت مسلمہ کی محرومی و غلامی بے چین کئے رکھتی تھی تو بہن اس عظیم بھائی کے بے چین دل کو سکون و راحت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی تھی۔ تاریخِ ملت میں اگر حضرت خدیجہؓ پہلی خاتون ہیں جن کا مال تبلیغ وحدانیت کے کام آیا تو حضرت سمیہؓ (عمار بن یاسرؓ کی والدہ) پہلی خاتون ہیں جن کی جان راہ خدا میں قربان ہوئی۔ ان عظیم اور بے مثال ہستیوں سے رہنمائی حاصل کرنے والی فاطمہ (جناحؒ) آخر کیسے ناکام رہ سکتی تھیں۔ بہن بھائی کی اس نادرِ روزگار رفاقت کی راہ میں اغیار کی سازشیں اور اپنوں کی رکاوٹیں حائل نہ ہو سکیں اور یہ دونوں بھائی بہن اس ارفع و اعلیٰ مقام کی طرف بڑھتے چلے گئے جو انہوں نے اپنی قوم کے لئے متعین کیا تھا۔ امتِ مسلمہ کی تاریخ بعید میں اگر حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمتہ الزہرہؓ جیسی ہستیوں کے نام دکھائی دیتے ہیں جن کی راہ خدا میں خدمات پر خود اسلام کو فخر ہے وہاں ماضی قریب بھی ایسے ناموں سے محروم نہیں جنہیں لوگ تا قیامت فراموش نہ کر سکیں گے۔ ان میں احمد نگر کی چاند بی بی

، ملکہ نور جہاں، بی اماں (والدہ علی برادران) اور امجدی بانو (زوجہ مولانا محمد علی جوہر) کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ قرون اولیٰ میں اگر زینبؓ بنت علیؓ کربلا کے لٹے پٹے قافلے کی سالار نظر آتی ہیں تو دور حاضر میں ''بی اماں'' کے وہ الفاظ ملت کے خون کو حرارت بخشتے رہیں گے جو انہوں نے اپنے قابل فخر بیٹوں مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر کے نام ایک خط میں لکھے تھے۔ ملت کے یہ دونوں سپوت فرنگی حاکم کی جیل میں تھے۔ متعصب ہندوؤں نے افواہ پھیلا دی کہ یہ دونوں حضرات اپنی رہائی کے لئے انگریز حکومت سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کا وفد بی اماں سے ملا۔ بی اماں نے اسی وقت ان دونوں سپوتوں کو خط لکھا جس کا ایک فقرہ یہ تھا ''اگر تم نے اپنی رہائی کے لئے انگریزوں سے معافی مانگی تو قیامت کے روز دودھ نہیں بخشوں گی'' بعد ازاں یہ افواہ اپنی موت آپ مر گئی۔

مردوں میں مولانا محمد علی جوہر کی ان کاوشوں سے کون منکر ہو سکتا ہے جو انہوں نے تحریکِ آزادی کے دوران انجام دیں۔ یہی وہ ہستی تھی جس نے علالت کے باوجود انگریز کی طلب کردہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی اور لندن میں منعقدہ اس کانفرنس میں پر عزم لہجے میں انگریز حاکموں کو للکارتے ہوئے فرمایا ''محمد علی غلام ہندوستان میں نہیں جائے گا۔ تمہیں یا تو آزادی کا پروانہ دینا ہوگا یا پھر میری قبر کے لئے دو گز زمین مخصوص کرنی ہوگی''۔ محمد علی جوہر کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی دعائیں افلاک کو چیر کر عرش اعظم تک جا پہنچتی ہیں۔ یہ الفاظ ان کے منہ سے ایسے وقت میں نکلے جسے ''قبولیت کا وقت'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بیمار محمد علی نے لندن کی سرزمین پر ہی جان خدا کے سپرد کر دی اور غلام ہندوستان کی بجائے بیت المقدس میں دفن ہوئے۔ یہ تھا کردار ایک مرد مومن کا اور جب ان کی اہلیہ امجدی بیگم نے وفات پائی تو قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ان کی قومی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا ''مسلم لیگ انتہائی نازک دور سے گزر رہی ہے۔ یہاں تک کہ

اس کی مجلس عاملہ بھی شایانِ شان فیصلے نہ کر سکی یہ صرف بیگم محمد علی تھیں جن کی ہمت و جرأت نے ماحول کو بدل ڈالا اور مجلس عاملہ کوئی کمزور فیصلہ کرنے سے بچ گئی۔ مجھ پر ان کی عزم و استقلال سے پُر شخصیت کا اتنا اثر ہے کہ انہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔'' تحریکِ آزادی کے ایک اور ہیرو مولانا حسرت موہانی کو کون نہیں جانتا۔ انہوں نے قوم کو غلامی کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں جبکہ ان کی اہلیہ نشاط النساء بیگم نہ صرف گھریلو کام کاج کرتیں بلکہ شوہر کے مقدمات کی پیروی کرنا بھی انہی کے ذمے تھا۔ سیاسی معاملات میں وہ ہمیشہ شوہر کی معاونت کرتی رہیں۔ مولانا حسرت موہانی کے سیاسی کردار کی تشکیل میں ان کا ہاتھ نمایاں تھا۔ افسوس کہ آج قوم اپنے ان تابندہ ستاروں کی یاد سے محروم ہو گئی یا دیدہ دانستہ محروم کر دی گئی ہے تاکہ جہدِ مسلسل کا تصور ہی ختم ہو جائے جو کسی قوم کو بامِ عروج تک پہنچانے میں مدد و معاون ہوا کرتا ہے۔

تیسرا باب

ننھی فاطمہ

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کوئی قوم اپنے مرکز سے جدا ہوئی تو وہ تباہ و برباد ہو گئی۔ امتِ مسلمہ کا دبدبہ اس وقت تک قائم رہا جب تک یہ اپنے مرکز (خلافت) سے وابستہ رہی۔ اگرچہ خلافت کے ادوار میں بھی مشکلات تو پیش آتی رہیں لیکن ان ادوار میں ایسی ہستیاں بھی سامنے آتی رہیں جو ان مشکلات سے نمٹنا جانتی تھیں۔ آخری دور میں خلافت ترکی کے ہاتھ میں تھی۔ اس دور میں بھی مسلمانوں کا دبدبہ ایک جگہ نہیں تو دوسری جگہ ضرور قائم تھا۔ پھر ایسا وقت آیا جب ترک خلیفہ نے امت کی عزت و آبرو، آزادی اور خودمختاری اپنے اقتدار پر قربان کر دی۔ اگرچہ اس دور میں خلافت عملاً دم توڑ چکی تھی اور محض بھرم باقی رہ گیا تھا پھر بھی روئے زمین پر پھیلی ہوئی اسلامی مملکتیں خلافت سے پروانہ حکمرانی کے حصول کو اپنی سلطنت کے استحکام کی بنیاد تصور کرتی تھیں۔ متحدہ ہندوستان میں مغلوں کی حکومت تھی جو اپنے طور پر خودمختار تھے لیکن انہوں نے بھی خلافت کا تقدس برقرار رکھا۔ دربار خلافت سے اگر کوئی پیغام پہنچتا تھا تو بادشاہ وقت دارالحکومت سے باہر نکل کر پیغام لانے والے کا خیر مقدم کرتا تھا۔ وہ پیغام خلافت کو آنکھوں سے لگاتا اور پھر اسے سر پر رکھ کر پیدل اپنے محل تک پہنچتا لیکن جب اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا کو حالات نے مجبور کر دیا تو اس نے سرے سے خلافت کا ہی خاتمہ کر دیا۔ ترکی کی حد تک تو اتاترک کے اس اقدام کو درست قرار دیا جا سکتا ہے لیکن پوری ملت کے لئے خلافت کا خاتمہ فال بد ثابت ہوا۔ ملت کی رہنمائی کے لئے جب کوئی مرکز نہ رہا تو انتشار کو مزید ہوا ملی اور اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ کے مقولے پر عمل ہونے لگا جب انگریز تاجر ہندوستان میں آئے تو انہیں یہاں نفسا نفسی کا عالم نظر آیا۔ ہوشیار قوم تھی اس کے

شاطر ذہن نے تجارت کے ساتھ ساتھ پورے **ملک** پر قبضہ جمانے کے منصوبے بنانے شروع کردیئے۔ اس وقت ہندوستان میں فرانس اور ہالینڈ والے بھی موجود تھے لیکن یہ محض تاجر تھے۔ انگریزوں نے ان سب کو نکال باہر کیا اور رفتہ رفتہ خود **ملک** کے مالک بن بیٹھے۔ یہاں سے بھی یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ قومی ارتقا کے لئے مرکز سے وابستگی اشد ضروری ہوا کرتی ہے۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کی زبان میں مسلمان شکوہ **ملک** ودیں کی بجائے ہجوم مومنیں بن کر رہ گئے تھے ان کا کوئی مرکز نہ رہا تھا جہاں سے وہ ہدایات اور رہنمائی حاصل کر سکتے جبکہ انگریز تاجر (ایسٹ انڈیا کمپنی جو دسمبر 1799ء میں لندن میں قائم ہوئی تھی) اپنے مرکز (لندن) سے رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ مسلمان قوم کے خمیر میں غلامی کا سرے سے کوئی وجود نہیں اس لئے ملت کے عزائم خاک ہوجانے کے باوجود ان کی راکھ میں سلگنے والی کچھ چنگاریاں انگریزوں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود سرد نہ ہوسکیں۔ 1857ء میں یہ چنگاریاں یک لخت بھڑک کر شعلہ بن گئیں لیکن مضبوط مرکز کے عدم وجود کے سبب یہ شعلہ جلد بجھ گیا۔ ہندوستان کا نظم ونسق انگریز تاجروں کی بجائے حکومت برطانیہ نے براہ راست خود سنبھال لیا۔ پھر وہی کچھ ہوا جو ایک فاتح اپنے مفتوح کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ مسلمان مرکز سے عدم وابستگی کے سبب نئے حاکم سے بری طرح پٹتے رہے۔ رہی اس **ملک** کی ہندو قوم سو اس کا سرے سے کوئی مرکز تھا ہی نہیں اس لئے یہ قوم ہماری بحث سے خارج ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں پر غلامی کا جو عذاب مسلط ہوا تھا اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو بیدار کرنا چاہتا تھا اور اس کے ہاتھوں پاکستان کی شکل میں دنیا کے نقشے پر ایک نیا اسلامی **ملک** قائم کرانا چاہتا تھا۔ ایک طرف 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے باوجود کسی نہ کسی شکل میں غلامی کے خلاف جہد وجہد ہوتی رہی دوسری طرف قدرت بھارتی صوبے کاٹھیاواڑ کی ریاست گونڈل کو تاریخ میں نمایاں مقام دلانے

والی تھی۔اس ریاست کے ایک گاؤں کا نام تھا پانیلی ۔اس چھوٹے سے گاؤں میں ایک شخص پونجا نامی بھی رہتا تھا۔ان کے تین بیٹے تھے والجی بھائی نتھو بھائی اور جناح بھائی ۔ بیٹی صرف ایک تھی جس کا نام مان بی تھا۔شیریں جناح کے مطابق جناح بھائی سب سے چھوٹے تھے ۔چھریرا بدن ، چھوٹا قد غالباً اسی لئے جینا کہلاتے تھے جس کے معنی ہیں (دبلا ، پتلا) جینا کو جناح انہوں نے خود بنایا یا یہ اصلاح سسرال والوں نے کی یہ بات تحقیق طلب ہے۔ جناح کے معنی ہیں بازو۔بہر حال بعد ازاں پونجا کو پونجاہ اور جینا کو جناح لکھا جانے لگا۔پونجا کھڈی کے کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔انہوں نے جناح کو بھی اسی کام میں لگا دیا۔ جناحؒ کاروبار کو موضع پانیلی تک محدود رکھنے کے خلاف تھے اور اسے گوندل جیسے بڑے شہر تک وسعت دینا چاہتے تھے۔ایک مرتبہ والد نے جناحؒ کو کچھ رقم دیکر کہا کہ اسے کسی نفع بخش کام میں لگاؤ۔ جناحؒ نے ایسا ہی کیا اور معقول منافع کمایا۔باپ نے خوش ہوکر جناحؒ کے لئے اپنی اسماعیلی خوجہ برادری میں لڑکی تلاش کرنی شروع کر دی بالآخر نواحی گاؤں ڈھرنا کا اسماعیلی خاندان پسند آ گیا اور اس کی لڑکی میٹھی (شیریں) بائی کی شادی جناحؒ سے کر دی گئی ۔ یہ 1874 کا واقعہ ہے ۔شادی کے بعد جب تجارت کو فروغ حاصل ہوا تو جناح خاندان کراچی آ گیا۔ یہاں آ کر نیو نہام روڈ (کھارادر) پر ایک عمارت کا کچھ حصہ کرایہ پر حاصل کرلیا گیا۔ جناحؒ بھائی نے کراچی میں مشکلات پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ تجارت میں کافی رقم جمع کر لی ۔ کراچی میں اس وقت انگریزوں نے کچھ کمپنیاں قائم کر رکھی تھیں جو درآمد اور برآمد کا کام کرتی تھیں ان میں ایک فرم گراہم سن شپنگ اینڈ ٹریڈنگ کمپنی تھی اس کے جنرل مینیجر فریڈرک لیہہ کے ساتھ جناحؒ بھائی کے مراسم استوار ہوئے تو ان کی وساطت سے انگلستان اور ہانگ کانگ کے بعض تاجروں کے ساتھ بھی تجارتی تعلقات قائم ہو گئے ۔جو افغان تاجر قندھار (افغانستان) سے کراچی آتے تھے ان سے جناحؒ بھائی نے فارسی

زبان سیکھی۔ انگریزی میں انہوں نے پہلے ہی کچھ شدبد حاصل کر لی تھی اگر چہ جناح خاندان گجراتی زبان بولتا تھا تاہم کراچی میں قیام کے دوران انہوں نے سندھی کے علاوہ کچھ اور زبانوں پر بھی عبور حاصل کر لیا جناحؒ بھائی کی زوجہ میٹھی بائی امید سے تھیں 25 دسمبر 1876ء کو ان کے ہاں لڑکا تولد ہوا جس کا نام محمد علی رکھا گیا۔ بعد ازاں دو بیٹیاں رحمت اور مریم پھر احمد علی اور بعد ازاں شیریں پیدا ہوئیں 31 جولائی 1893ء کو میٹھی بائی کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام فاطمہ رکھا گیا۔ یہ وہ دور تھا جب جناح پونجا کے بیٹے محمد علی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلستان میں تھے۔

فاطمہ جناحؒ کے بعد مٹھی بائی کے ہاں صرف ایک ولادت ہوئی اس بچے کا نام بندے علی رکھا گیا اس ولادت کے بعد میٹھی بائی وفات پا گئیں۔ والدہ کی وفات کے وقت فاطمہ کی عمر دو سال تھی چنانچہ بڑی بہن مریم فاطمہ کی پرورش کرنے لگیں اس طرح فاطمہ اوائل عمر میں ہی ماں کی ممتا سے محروم ہو گئیں۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو انگلستان میں تعلیم پانے والے بھائی کے بارے میں باتیں سُن سُن کر ان سے ملنے کو دل تڑپنے لگا۔ وہ بھائی کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتی تھیں بالآخر محمد علی انگلستان سے واپس آئے تو وہ بھی چار سالہ بہن فاطمہ کی دل کو موہ لینے والی باتیں سن سن کر بے حد محظوظ ہوتے تھے۔ اس وقت محمد علی کے والد کی تجارت رو بہ زوال ہو چکی تھی چنانچہ 1897ء میں محمد علی نے بمبئی جا کر پریکٹس شروع کر دی اور وکلا کے حلقے میں جلد ہی ان کا نام مشہور ہو گیا۔ 1900ء میں محمد علی کو مجسٹریٹ مقرر کیا گیا یہ آسامی عارضی تھی اس لئے انہوں نے اپنے خاندان کو بھی کراچی سے بمبئی بلا لیا۔ فاطمہ جناحؒ اپنی کتاب ''میرا بھائی'' میں لکھتی ہیں ''جناحؒ بھائی کی رفیقۂ حیات ان کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں کاروبار تباہ ہو چکا تھا اس لئے والد نے محمد علی کی بات مانتے ہوئے کراچی کی سکونت ترک کر دی اور بمبئی پہنچ گئے'' جب خاندان بمبئی آ گیا تو فاطمہ 8 سال کی ہو

چکی تھیں چنانچہ گھر پر ہی ان کی تعلیم کا بندوبست کر دیا گیا۔ محمد علی معصوم بہن کی باتیں سُن سُن کر بہت محظوظ ہوتے تھے۔ بہن بھائی میں ایسی محبت تھی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے اور ان کی یہی محبت آگے چل کر دائمی شکل اختیار کر گئی۔ بھائی نے بہن کی پرورش کا ذمہ لے لیا اور بہن نے بھائی کے ارمانوں کی تکمیل کی ذمہ داری قبول کر لی اور دونوں ہی اپنے اپنے مشن کو مکمل کرنے میں لگ گئے۔ قدرت نے جن ہستیوں سے عظیم کام لینا ہوتا ہے وہ ان کی رہنمائی بھی خود کرتی ہے۔ بچپن میں لڑکیوں کو گڑیوں کا کھیل بہت پسند ہوا کرتا ہے لیکن فاطمہ کو اس کھیل سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ بچپن سے ہی مطالعہ کی عادی تھیں انہیں کھانے پینے کا قطعاً شوق نہ تھا۔ صرف چاکلیٹ شوق سے کھاتیں اور پورا دن چاکلیٹ کھا کر ہی گزار دیتیں۔ انہیں سائیکل کی سواری بہت پسند تھی فرصت کے اوقات وہ سائیکل چلا کر گزارتیں۔ بچپن سے ہی انہیں سادہ لیکن صاف ستھرا لباس پسند تھا۔ زیورات سے دور بھاگتی تھیں البتہ کسی زیور میں اگر موتی جڑے ہوئے ہوتے تو اسے پہننا پسند کرتی تھیں۔ جناح بھائی کی وفات (1901) کے بعد محمد علی جناحؒ خود بہن کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے لگے۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں میں لڑکیوں کو تعلیم دلوانا انتہائی معیوب سمجھا جاتا تھا اور انگریزی تعلیم دلوانا تو گناہ عظیم قرار پایا تھا۔ فرنگی کے سائے سے بھی بچنے کو ثواب سمجھا جاتا تھا۔ انگریزی تعلیم حاصل کرنے والوں کو معاشرے میں نہایت حقیر سمجھا جاتا تھا اسی ماحول سے متاثر ہو کر اپنے تجربات کی روشنی میں سر سید احمد خان نے آگے چل کر قوم کے لئے انگریزی کی تعلیم کو ترقی کی بنیاد قرار دیا اور ان کی انتھک کوششوں سے علی گڑھ یونیورسٹی معرض وجود میں آئی۔ محمد علی نے فاطمہ کو سکول میں داخل کرانے کا فیصلہ کیا تو توقع کے مطابق خاندان میں مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا لیکن محمد علیؒ اپنے فیصلے پر اڑے رہے۔ خاندان والوں میں مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا لیکن محمد علی اپنے فیصلے پر اڑے رہے۔ خاندان والوں نے محمد علی کی طرف

سے مایوس ہو کر فاطمہ کو ورغلانا شروع کر دیا کہ وہ خود ہی سکول میں داخل ہونے سے انکار کر دے لیکن محمد علی نے فاطمہ سے کہا کہ ''فاطمہ وہی انسان کامیاب ہوا کرتے ہیں جو کوئی فیصلہ کرنے کے بعد اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں'' ۔ آٹھ سال فاطمہ نے عظیم بھائی کا یہ قول پلے باندھ لیا قائد اعظمؒ خود بھی زندگی بھر اس اصول پر کاربند رہے کہ انسان کو فیصلہ کرنے سے قبل سوچ بچار کر لینا چاہئے اور جب وہ کوئی فیصلہ کر لے تو پھر اس پر ڈٹ جانا چاہئے ۔ یہی وہ بنیادی اصول تھا جس پر عمل کر کے انہوں نے پاکستان قائم کر دکھایا۔ انگریز حاکموں اور ہندو سرمایہ داروں نے انہیں اس راہ سے ہٹانے کے لئے بڑے پاپڑ بیلے ۔ لالچ اور دھمکیاں دیں یہاں تک کہ تحریک آزادی کے آخری ایام میں گاندھی نے یہ پیشکش کر دی کہ وہ متحدہ ہندوستان کے خود وزیر اعظم بن جائیں لیکن پاکستان کا مطالبہ ترک کر دیں۔ قائد اعظمؒ نے یہ پیشکش شکریے کے ساتھ ٹھکرا دی اور فرمایا ''میری قوم کا مفاد قیام پاکستان میں ہے اس لئے پاکستان ضرور قائم ہوگا۔'' ننھی فاطمہ نے بھی بھائی سے یہ اصول سیکھا اور پھر زندگی بھر اس پر قائم رہیں۔ قائد اعظمؒ نے جوان دونوں صرف محمد علی جناحؒ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ 1902ء میں فاطمہ کو باندرہ کے کانونیٹ سکول میں داخل کرا دیا۔ فاطمہ کو تعلیم سے رغبت دلانے کے لئے قائد اعظمؒ نے جو طریقہ اختیار کیا وہ بھی عجیب وغریب دکھائی دیتا ہے۔ خاندان کی شدید مخالفت کے باوجود فاطمہ بھائی کے فیصلے کو قبول کر چکی تھیں لیکن تعلیم کے لئے ایک نئی جگہ (سکول) جاتے ہوئے انہیں کچھ پریشانی محسوس ہوتی تھی۔ قائد اعظمؒ نے ان کی اس پریشانی کو بھانپ لیا۔ ایک دن بگھی میں فاطمہ کو بٹھا کر باندرہ کے اس سکول میں لے گئے جہاں انہیں داخل کرانا مقصود تھا۔ فاطمہ کو مختلف کلاسیں دکھاتے رہے اور جب فاطمہ نے تھکن کی شکایت کی تو واپس گھر لے آئے۔ انہوں نے چند مرتبہ اس عمل کو دہرایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فاطمہ سکول کے در و دیوار سے مانوس ہو گئیں اور وہ کسی گھبراہٹ

کے بغیر ہنسی خوشی سکول جانے لگیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائداعظمؒ محض سیاست دان ہی نہ تھے بلکہ وہ نفسیات کو بھی خوب سمجھتے تھے۔چنانچہ وہ وقت کی مناسبت سے جب قوم سے مخاطب ہوتے تھےتو ان کی ایک ایک بات افرادِ ملت کے دلوں میں اتر جاتی تھی چونکہ باندرہ کا یہ سکول رہائش گاہ سے کافی فاصلے پر تھا اس لئے فاطمہ کی رہائش کا انتظام بھی سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں کر دیا گیا۔فاطمہ تعلیم میں گہری دلچسپی لینے لگیں سکول کا ماحول انہیں بے حد اچھا لگا۔صاف ستھرا رہنا انہیں پہلے ہی مرغوب تھا سکول کے ماحول نے اس میں اور جاذبیت پیدا کر دی۔وہ پڑھائی میں ہمیشہ اپنی کلاس میں اول آتیں۔سکول کی استانیاں ان سے بے حد خوش تھیں۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فاطمہ کبھی جھوٹ نہ بولتی تھیں۔1906ء میں بھائی نے بہن کو سینٹ پیٹرک سکول کھنڈالا میں داخل کرا دیا۔یہاں 1910ء میں فاطمہ نے میٹرک کا امتحان نمایاں طور پر پاس کیا۔سکول کی تعلیم سے فارغ ہوکر فاطمہ بھائی کے پاس آ گئیں۔ان دنوں محمد علی جناحؒ عدالتی امور میں بے حد مصروف رہتے تھے پھر بھی وہ فاطمہ کی دلجوئی کے لئے کچھ وقت نکال لیا کرتے تھے۔محمد علی جناحؒ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ فاطمہ ان کی عدم موجودگی میں تنہائی کے احساس سے بددل نہ ہو جائے چنانچہ جب وہ عدالت جانے لگتے تو فاطمہ کو بھی اپنے ہمراہ بگھی میں بٹھا لیتے۔راستے میں ان کی ہمشیرہ بیگم پیر بھائی کا گھر پڑتا تھا وہ فاطمہ کو وہاں اتار دیتے اور فاطمہ یہاں اپنی بڑی بہن اور پھوپھی کے بچوں کے ہمراہ وقت گزارتیں۔واپسی پر محمد علی جناحؒ فاطمہ کو اپنے ہمراہ گھر لے آتے کھانا کھاتے اور اکٹھے سیر کو نکل جاتے۔اسی دوران فاطمہ سینئر کیمبرج کے امتحان کی تیاری کرتی رہیں۔1913ء میں انہوں نے یہ امتحان بھی پاس کرلیا۔یہ قائداعظمؒ کی تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ فاطمہ شستہ اور بامحاورہ انگریزی بولنے لگیں۔انہوں نے اپنی گھریلو لائبریری سے استفادہ کیا جہاں مختلف علوم کی نادر کتابیں موجود تھیں اس طرح

واقفیت عامہ میں بھی انہیں مہارت حاصل ہوگئی۔

سیاست سے دلچسپی

وکالت اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہوا کرتا ہے۔ قائداعظمؒ ایک نامور وکیل تھے وہ سیاست میں داخل ہو گئے۔ مادرِ ملت قائد کے ہمراہ رہتی تھیں وہ بھی اپنے عظیم بھائی کے زیر سایہ سیاست میں دلچسپی لینے لگیں چنانچہ بائیس تیئس سال کی عمر میں وہ ملکی اور غیر ملکی حالات کا تجزیہ کرنے لگیں۔ بہن بھائی کے درمیان کبھی کبھار ہلکی سی چپقلش بھی ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ فاطمہ بھائی کے کمرے میں بیٹھی تھیں انہوں نے ہوا کے لئے کھڑکی کھول لی۔ قائداعظمؒ نے کہا فاطمہ میرے کمرے کی کھڑکی کھولنے سے قبل تمہیں مجھ سے اجازت لینی چاہیے تھی۔ فاطمہ اس اعتراض پر ناراض ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئیں لیکن جب کھانے کی میز پر بہن بھائی جمع ہوئے تو دونوں بھول گئے کہ وہ آپس میں ناراض ہوئے تھے۔ اگر فاطمہ کبھی واقعی ناراض ہو جاتیں تو قائداعظمؒ خود ان کے کمرے میں چلے جاتے اور انہیں "فاطی" کہہ کر پکارتے۔ یہ پیار بھرا نام سنتے ہی فاطمہ کھلکھلا کر ہنس پڑتیں اور سارا غصہ جاتا رہتا۔ قدرت کے کام بھی نیارے ہوا کرتے ہیں۔ کون جانتا ہے کہ اگر فاطمہ یتیم نہ ہوتیں تو ان کی زندگی کس طرح گزرتی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی خاندان کا اثر قبول کر کے تعلیم سے بے بہرہ رہ جاتیں اور انہیں بھائی کا مشفقانہ سلوک میسر ہی نہ آتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں فرماتا ہے "ہوسکتا ہے کہ ایک بات تمہیں پسند نہ آئے لیکن وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک بات جسے تم پسند کرتے ہو وہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو"۔ جو لوگ قدرت کی مصلحتوں کو سطحی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے اس لئے پریشانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ مشیت خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں خدا ان کی رہنمائی خود فرماتا ہے اور انہیں اس دنیا میں بھی اس کا بیش قیمت صلہ عطا فرما دیا کرتا ہے۔ فاطمہ جناحؒ کی

حیات اس کا عملی ثبوت پیش کرتی ہے۔

بھائی بہن کی رفاقت میں رخنہ

فاطمہ کے شب و روز ہنسی خوشی گزر رہے تھے۔ یہاں تک کہ 1918ء کا آغاز ہو گیا اس سال قائداعظمؒ نے ایک لڑکی (رتن بائی) سے شادی کر لی۔ لڑکی کے والد کا نام سر ڈنشا پٹیٹ تھا۔ شادی سے قبل انہوں نے رتن بائی کو دائرہ اسلام میں داخل کر لیا اور ان کا اسلامی نام ''مریم جناح'' رکھا جس سے ان کی اسلام سے محبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس شادی کے نتیجے میں بھائی بہن کے درمیان عارضی طور پر رفاقت ختم ہو گئی جو قریباً اٹھارہ سال سے جاری تھی۔ فاطمہ اپنی بڑی بہن کے ہاں منتقل ہو گئیں۔ بھائی کے ساتھ ملاقات اب ہر اتوار کو ہونے لگی۔ اس دن بہن بھائی اکٹھے کھانا کھاتے۔ اسی اثنا میں فاطمہ کے دل میں کالج میں داخلہ لینے کا خیال آیا۔ ایک اتوار کو انہوں نے اس بارے میں بھائی محمد علی جناحؒ سے مشورہ کیا۔ قائداعظمؒ نے یہ سوچ کر کہ اس طرح فاطمہ کی تنہائی دور ہو جائے گی انہیں احمد ڈینٹل کالج کلکتہ میں داخل کرا دیا۔ اس دور میں ہندوستان بھر میں دانتوں کا یہ واحد کالج تھا اگرچہ بڑی بہن مریم بھی کلکتہ میں رہائش پذیر تھیں لیکن فاطمہ نے ہوسٹل میں رہنے کو ترجیح دی۔ 1922ء میں انہوں نے اس کالج سے ڈینٹسٹ کی ڈگری حاصل کر لی اور بمبئی واپس آ گئیں۔

عملی زندگی کا آغاز

1923ء میں فاطمہ نے بمبئی کی عبدالرحمٰن سٹریٹ میں اپنا ڈینٹل کلینک قائم کر لیا یہ ان کی عملی زندگی کی ابتدا تھی۔ فاطمہ اس کلینک کے ذریعہ قریباً سات سال تک عوام کی خدمت کرتی رہیں۔ اسی دوران وہ ایک میونسپل کلینک میں بھی جاتیں جو دھوبی تلاؤ پر واقع تھا وہاں وہ غریبوں کا علاج مفت کیا کرتیں۔ 1928ء میں محمد علی جناحؒ اپنی بیگم مریم جناح کے ہمراہ انگلستان چلے گئے اور اپنی بیٹی دینا کو پھوپھی

فاطمہ کے پاس چھوڑ گئے۔ دینا کی عمر اس وقت نو سال تھی۔ قائداعظمؒ کی انگلستان سے واپسی پر دینا والد کے پاس واپس چلی گئی۔ ان دنوں قائداعظمؒ کانگرس کے پلیٹ فارم سے سیاست میں حصہ لے رہے تھے۔ سیاسی رہنما قائداعظمؒ سے ملنے کے لئے ان کے مکان پر آتے جہاں فاطمہ بھی موجود ہوتیں وہ سیاسی رہنماؤں کی باتیں بڑے غور سے سنا کرتیں۔ اس طرح سیاست سے انکی دلچسپی بڑھتی چلی گئی۔

تحریک خلافت

1920ء میں متحدہ ہندوستان میں سیاسی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ یہی وہ دور ہے جب تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون شروع بھی ہوئیں اور ختم بھی۔ ہندو مسلم مفاہمت اس دور کی سیاست میں بری طرح مجروح ہوئی۔ تحریک خلافت میں مسلمان لیڈروں نے جذبات میں آ کر ہندوستانی مسلمانوں کو ترک سکونت کی ترغیب دی۔ ترغیب دینے والوں میں جید علما اور سیاسی رہنما شامل تھے جن کی نیت پر شک نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کے جذباتی فیصلوں نے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ مسلمانوں نے سکولوں اور کالجوں کی تعلیم ترک کر دی۔ ہجرت کے شوق میں اپنی جائیدادیں بھی کوڑیوں کے دام فروخت کر ڈالیں جو سرمایہ دار ہندوؤں نے خریدیں۔ گاندھی نے تحریک ہجرت کی حمایت کی لیکن اس کے پس پردہ اسلام دشمنی کام کر رہی تھی۔ مسلمانوں نے تو پورے خلوص کے ساتھ تحریک کے تمام فیصلوں کی پابندی کی لیکن جب ان فیصلوں کی زد ہندو درس گاہوں پر پڑنے لگی تو گاندھی نے پوپلے منہ سے کہہ دیا کہ ہندو لیڈر نہیں مانتے۔ ہندو کی یہی سیاسی منافقت مولانا محمد علی جوہر جیسے رہنماؤں کی کانگرس سے علیحدگی کا سبب بنی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس تحریک کے نقصانات کو بھانپ لیا تھا اسی لئے وہ اس سے الگ رہے۔ وہ مسلمانوں کو اس کی تباہ کاریوں سے بچانا چاہتے تھے لیکن فضا اس قدر جذباتی ہو چکی تھی کہ قائداعظمؒ نے خاموشی میں ہی مصلحت سمجھی۔ بہر حال جب یہ تحریک ختم ہوئی تو

لاتعداد مسلمان گھرانے تباہ ہو چکے تھے۔ قائداعظمؒ نے اپنی سیاسی بصیرت کے سبب اس تحریک کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

یہ دور سیاسی تحریکوں کا دور تھا اور ایک سیاسی رہنما ہونے کے ناطے قائداعظمؒ بے حد مصروف رہا کرتے تھے۔ 20 فروری 1929ء کو مریم جناح کا انتقال ہو گیا۔ اہلیہ کی موت نے قائداعظمؒ پر گہرا اثر ڈالا۔ یہی وہ وقت تھا جب انہیں ایک ساتھی کی ضرورت تھی جو انہیں حوصلہ بخشتا۔ بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر حساس بہن فاطمہ بے چین ہو گئیں۔ انہوں نے اپنی ساری سرگرمیاں ترک کر دیں۔ مریم جناح کی وفات جہاں قائداعظمؒ اور خاندان کے دیگر افراد کے لئے رنج والم کا باعث بنی وہاں قدرت نے بہن بھائی کو ایک بار پھر اکٹھا کر دیا۔ قائداعظمؒ کے خانگی امور فاطمہ جناح نے سنبھال لئے اور بھائی کو موقع دیا کہ وہ سیاسی میدان میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے گھریلو ذمہ داریوں کو اس طرح سنبھالا کہ قائداعظمؒ اس طرف سے بالکل بے نیاز ہو گئے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے صرف گھر کی ذمہ داریاں ہی نہیں سنبھالیں بلکہ قائداعظمؒ کی صحت کا بھی خیال رکھا۔ وہ کھانا اپنے سامنے تیار کراتیں اور بھائی کو اپنے سامنے کھلاتیں۔ ڈینٹل کلینک ختم کر دیا گیا۔ اور بھائی کی خدمت اور دل جوئی کو مقصد حیات بنا لیا گیا۔ قائداعظمؒ کا نظام الاوقات وہ خود مرتب کرتیں۔ یہ نظام اس قدر مضبوط ہوتا تھا کہ بعض اوقات خود قائداعظمؒ کو بہن سے دلفریب احتجاج کرنا پڑتا۔ بہن سمجھ چکی تھیں کہ قدرت ان کے عظیم بھائی سے عظیم کام لینا چاہتی ہے اس لئے قوم کے اجتماعی مفاد کی خاطر ان کا صحت مند رہنا اشد ضروری ہے۔

مادرِ ملّتؒ اور قائداعظمؒ

تحریک پاکستان میں یوں تو قائداعظمؒ کے ہم رکاب اور بھی متعدد قد آور شخصیات تھیں اور وہ سب قائداعظمؒ سے والہانہ لگاؤ رکھتی تھیں مگر محترمہ فاطمہ جناحؒ کی قائداعظمؒ سے محبت وعقیدت اپنی مثال آپ تھی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو قائداعظمؒ سے جس قدر قلبی لگاؤ تھا اتنا کسی بہن کو بھائی کے ساتھ اور کسی کارکن کو اپنے لیڈر کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ نے جہاں سیاسی میدان میں قائداعظمؒ کا خلوص دل اور خلوصِ نیت کے ساتھ بھرپور ساتھ دیا وہاں ایک شفیق و دانا بہن بن کر ان کی نجی زندگی کو بھی خوشگوار اور آسودہ بنائے رکھا۔ اپنے اس دوہرے کردار اور دوہری ذمہ داری کی بنا پر انہیں تحرک آزادی وطن میں حصہ لینے والے دوسرے قائدین پر فوقیت حاصل تھی۔ 1938ء میں جب محترمہ فاطمہ جناحؒ نے سیاست میں قدم رکھا اس وقت سے لے کر 1947ء یعنی قیام پاکستان تک محترمہ فاطمہ جناحؒ کی نجی اور سیاسی زندگی برصغیر کی آزادی کی تحریک میں زریں حروف سے نقش ہے۔

وہ نہ صرف گھر سے باہر مسلم لیگ کی پرجوش سیاسی کارکن تھیں بلکہ گھر کے اندر بھی مسلم لیگ کی مستعد اور متحرک ورکر تھیں۔ قائداعظمؒ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ مسلم لیگ کی تعمیر وتشکیل کے لئے وقف کر رکھا تھا اس لئے ان کے گھر کے ذرے ذرے میں سیاست رچی ہوئی تھی جس کی نگہداشت اور پرداخت محترمہ فاطمہ جناحؒ کو کرنا پڑتی تھی اور وہ ہمہ وقت سیاستدانوں اور ورکروں میں گھری رہتی تھیں۔ جو سیاسی کارکن اور مسلم لیگ عہدیدار قائداعظمؒ سے ملاقات نہیں کر پاتے تھے انہیں مادرِ ملت اپنے مشوروں سے نوازتی تھیں۔

اس طرح بمبئی میں مالا بار ہل کی کوٹھی ہوتی یا دہلی کا جناحؒ پیلس، آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ ہوتا یا قراردادِ لاہور کا اجلاس، شملہ کانفرنس ہوتی یا لندن کانفرنس قائداعظمؒ کے بعد محترمہ فاطمہ جناحؒ کا نام ہی ریڈیو اور اخبارات کی زینت بنتا۔

ان کی جدوجہد اور پاکستان میں دلچسپی نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ تحریک پاکستان کی تاریخ کا انہیں ایک ایک لفظ یاد تھا بلکہ تاریخ پاکستان کا ایک ایک لمحہ ان کی آنکھوں کے سامنے رقم ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ تاریخ پاکستان تھیں۔، ہندوستان کے محکوم مسلمان اگر ان دنوں کسی کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے تھے تو وہ قائداعظمؒ اور ان کی قابلِ اعتماد بہن فاطمہ جناحؒ تھیں۔

قائداعظمؒ کی اہلیہ کے انتقال کے بعد محترمہ فاطمہ جناحؒ کو بھائی کا گھر اجڑنے سے فکر لاحق ہوگئی چنانچہ انہوں نے اپنی تمام دیگر مصروفیات ترک کر دیں اور بھائی کا گھر سنبھال لیا۔ اب ان کے سامنے دو راستے تھے پہلا یہ کہ وہ اپنی سرگرمیوں کو گھریلو امور تک محدود کر دیں اور دوسرا یہ کہ وہ سیاسی میدان میں بھی بھائی کا ہاتھ بٹائیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ ایک انتھک خاتون تھیں انہوں نے دونوں ذمہ داریاں سنبھال لیں اور بھائی کی وفات حسرت آیات تک انہیں جس خوش اسلوبی سے نبھایا اس کی مثال مشکل سے ہی مل سکے گی۔ سیاست میں بھائی کا ہاتھ بٹانے کا فیصلہ انہوں نے اس لئے کیا کہ قائداعظمؒ کے ساتھ رہ کر سیاست سے کنارہ کشی کرنا ان کے لئے ناممکن ہو چکا تھا۔ پھر محترمہ فاطمہ جناحؒ کو خود بھی سیاست سے بے حد دلچسپی تھی اور ان کی سیاسی سوچ اور مدبرانہ ذہن کو دیکھتے ہوئے ہی قائداعظمؒ نے ان کو اپنا سیاسی مشیر بنالیا تھا۔ وہ بہن کے ساتھ اس سیاسی رشتے کو خونیں رشتے پر ترجیح دیتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب قائداعظمؒ سیاست میں حصہ تو لے رہے تھے لیکن ان کے پاس سٹاف نہ تھا اس دور میں محترمہ فاطمہ جناحؒ ہی ان کی پرائیویٹ سیکرٹری، سیاسی مشیر اور معاون تھیں چنانچہ جب 1930ء میں لندن میں گول میز کانفرنس

منعقد ہوئی تو قائداعظمؒ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو بھی ساتھ لے گئے جنہوں نے سیکرٹری کی حیثیت سے کانفرنس میں شرکت کی۔ یہ کانفرنس ناکام رہی۔ قائداعظمؒ اس کے نتائج سے اس قدر مایوس ہوئے کہ انہوں نے ہندوستان واپسی کا ارادہ ترک کر دیا اور لندن میں ہی رہائش اختیار کر لی۔ اس وقت بھی محترمہ فاطمہ جناحؒ ہی تھیں جنہوں نے بھائی کو نا امیدی کے بھنور میں پھنسنے سے محفوظ رکھا۔ قائداعظمؒ انگریز حاکموں کی پالیسی سے دل برداشتہ ہوئے تھے لیکن وہ ہندوستان کے حالات سے کبھی بے خبر نہیں رہے۔ ہندوستان میں بھی اس وقت جو مسلمان رہنما تھے وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی کشتی کے ناخدا صرف محمد علی جناحؒ ہی بن سکتے ہیں۔ اس نظریہ کو آگے بڑھانے میں عبدالمتین چوہدری اور علامہ اقبالؒ پیش پیش تھے۔ عبدالمتین چوہدری اور علامہ اقبالؒ قائداعظمؒ سے مسلسل خط و کتابت کرتے رہے اس کا اندازہ قائداعظمؒ کے ایک خط سے ہوتا ہے جو 2 مارچ 1932ء کو انہوں نے عبدالمتین چوہدری کے نام لکھا۔ انہوں نے اس خط میں ملکی حالات سے باخبر رکھنے پر چوہدری عبدالمتین کا شکریہ ادا کیا تھا اور یہ بھی خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ آئندہ بھی انہیں ملکی حالات سے باخبر رکھیں۔ اس خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظمؒ دیارِ غیر میں رہ کر بھی ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے غافل نہیں تھے۔ 1933ء میں نوابزادہ لیاقت علی خان ہنی مون منانے لندن گئے تو وہ بھی قائداعظمؒ سے ملے اور ان سے وطن واپس آنے کی درخواست کی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی اپنے تدبر کے سبب یہ سمجھتی تھیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت کا سہرا بالآخر انکے عظیم بھائی کے سر ہی بندھے گا اس لئے وہ انہیں قدم قدم پر حوصلہ دلاتی رہیں جب قائداعظمؒ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے تو اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کے لئے انہیں ہندوستان آنا پڑا لیکن اس اجلاس میں شرکت کے بعد وہ پھر واپس لندن چلے گئے۔ جب نوابزادہ لیاقت علی خان نے قائداعظمؒ سے وطن واپسی

کی درخواست کی تھی تو قائداعظمؒ نے انہیں جواب دیا تھا کہ وہ واپس جا کر ملکی حالات کا جائزہ لیں اور پھر انہیں صورتحال سے آگاہ کریں چنانچہ انہوں نے وطن واپس آ کر ملک کے رہنماؤں سے مل کر ان کے خیالات معلوم کئے اور جب انہیں اطمینان ہو گیا تو انہوں نے قائداعظمؒ کو مطلع کیا کہ حالات سازگار ہیں آپ ضرور تشریف لے آئیں۔ چنانچہ 24 اکتوبر 1935ء کو قائداعظمؒ محترمہ فاطمہ جناحؒ سمیت وطن واپس آ گئے اور سیاست کو اس مقام سے آگے بڑھانے کی کوشش کرنے لگے جہاں سے چھوڑ کر وہ لندن گئے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ فرماتی ہیں ''1935ء میں ہم انگلستان سے واپس ہندوستان آ گئے۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمان کانگرس کے تعصب کی وجہ سے اس سے برگشتہ ہو چکے تھے۔ مسلم لیگ اگرچہ ابھی کوئی مضبوط جماعت نہ تھی لیکن قائداعظمؒ کی ذات پر قوم کو بھروسہ تھا چنانچہ اس نے قیادت کی باگ ڈور قائداعظمؒ کو سونپ دی۔ قائداعظمؒ نے یہ ذمہ داری قبول کر لی انہیں آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا گیا۔'' ایک طرف قائداعظمؒ نے مردوں کو منظم کرنا شروع کیا دوسری طرف محترمہ فاطمہ جناحؒ خواتین کی تنظیم میں مصروف ہو گئیں۔ بہن بھائی جب رات کے کھانے پر اکٹھے ہوتے تو تمام دن کی کارکردگی پر آپس میں صلاح مشورہ کرتے۔ کوئی مشکل پیش آتی تو محترمہ فاطمہ جناحؒ مفید مشورے دیتیں۔ قائداعظمؒ کی سرگرمیاں انگریز حاکم کے لئے مسئلہ بن چکی تھیں لیکن قائداعظمؒ کی قانون پسندی کے سبب وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ آزادی کی اس جنگ میں اپنے بھائی کے ہمراہ ایک سپاہی کی حیثیت سے شریک تھیں۔ 1937ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا تو قائداعظمؒ کے علاوہ محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی اس اجلاس میں شریک ہوئیں۔ وہ 1938ء میں بمبئی صوبائی مسلم لیگ کی رکن بنیں۔ مسلم لیگ کی طرف سے جو کمیٹیاں قائم کی جاتیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کا نام ان میں سرفہرست ہوتا تھا۔ 1939ء کے بعد وہ آل انڈیا

مسلم لیگ کونسل کی مستقل رکن رہیں۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ عالم اسلام کی وہ خوش نصیب خاتون تھیں جنہیں قائداعظمؒ جیسے عظیم بھائی کا چوبیس گھنٹے ساتھ نصیب ہوا۔ اس حوالے سے مشہور ادیب ابراہیم جلیس نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کی سیاسی جدوجہد کو سراہتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھا:

''کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قائداعظمؒ کی زندگی محترمہ فاطمہ جناح کی زندگی تھی۔ اور فاطمہ جناحؒ کی زندگی قائداعظمؒ کی زندگی۔ عمروں کے فرق اور فاصلے کے باوجود محترمہ فاطمہ جناحؒ کی زندگی حضرت قائداعظمؒ کی زندگی کے ساتھ اس قدر متوازی چلتی ہے کہ قائداعظمؒ کی زندگی ایک شخصیت کی نہیں دو شخصیتوں کی سوانح ہے۔''

قیام پاکستان میں انہوں نے قائداعظمؒ کی جس خلوص و دیانت اور تندہی سے معاونت کی اس کا اعتراف امریکہ اور برطانیہ کے اخبار نویسوں نے بھی کیا۔ انہوں نے لکھا کہ پاکستان ایک بھائی اور بہن کی کوششوں کا معجزہ ہے۔

گویا پاکستان کے نام کے ساتھ محترمہ فاطمہ جناحؒ کا نام اس کے ساتھ پاکستان کی وابستگی ایک شاعرانہ تخیل کو یوں پیش کرسکتی ہے کہ پاکستان اور فاطمہ جناحؒ لازم وملزوم نام ہیں۔

ایک غیر ملکی خاتون اخبار نویس مس مارفی نے محترمہ فاطمہ جناحؒ سے ملاقات کرنے کے بعد انہیں ان شاندار الفاظ سے یاد کیا تھا:

''کراچی میں اینگل روڈ پر ایک عالیشان کوٹھی ہے جس کا نام فلیگ سٹاف ہاؤس ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں پاکستان کی عظیم شخصیت رہائش پذیر رہی جسے ساری دنیا مس فاطمہ جناحؒ کے نام سے جانتی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں اس جگہ کو جس پر یہ کوٹھی تعمیر کی گئی ہے بڑی خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ پاکستانی سیاست کا دھارا

اسی جگہ سے پھوٹا تھا جس نے پاکستان کو سیراب کیا۔''

''کوٹھی کے بڑے دروازے پر دونوں طرف دو توپیں دھری ہوئی ہیں۔ کوٹھی کے اندر داخل ہوتے ہی ایک سجا سجایا ڈرائنگ روم ہے۔ جس میں سبز رنگ جو پاکستان کے سیاسی رنگ کا مظہر ہے کے کپڑوں کے نفیس قیمتی صوفہ سیٹ، نئ وضع کے میز، سٹول اور بک شیلف نہایت سلیقے سے سجے ہوئے ہیں۔ فرش پر ایک قیمتی قالین بچھا ہوا ہے۔ صاف شفاف دیواروں پر چاروں طرف قائداعظم محمد علی جناحؒ کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں ہیں۔ کمرے کی ہر شے دروازوں اور کھڑکیوں کے خوش رنگ پردوں سے لے کر گلدانوں میں رکھے ہوئے پھولوں تک صاحب خانہ کے نفاست پسند مزاج کی غمازی کررہی ہیں۔ سامنے صوفہ سیٹ پر صاحب خانہ تشریف فرما ہیں۔''

''سفید رنگ جس پر تقدس کے چمکیلے پن کے علاوہ شفقت کا گہرا سایہ ہے، سر پر چاندی کے تاروں جیسے چمک دار بال جن سے پختہ عمر کے علاوہ بزرگی اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ قدرے لمبا چہرہ جس کی پیشانی ایک اولوالعزم اور بلند ارادے والے انسان کا پتہ دیتی ہے۔ دبلا پتلا جسم جس میں زیادہ عمر کے باوجود کافی چستی اور پھرتیلا پن ہے۔ چہرے کی بشاشت سے اچھی اور خوش گوار صحت کا اظہار ہوتا ہے۔ لباس بے حد سادہ۔ سفید دھلی ہوئی شلوار، ہلکے کریم رنگ کی قمیض اور اسی رنگ کا دوپٹہ۔ پیروں میں سفید سبک سینڈل۔ یہ ہیں محترمہ فاطمہ جناحؒ جو اپنے عظیم سیاست دان بھائی کی مانند عظیم اور بہت زیادہ سیاسی بصیرت کی حامل خاتون ہیں۔''

ممتاز صحافی اور شاعر آغا شورش کاشمیری نے ان الفاظ میں مادرِ ملت کو خراج عقیدت پیش کیا تھا:

''وہ اپنے عظیم بھائی کی ہو بہو تصویر ہیں۔ بلند و بالا قد، بہتر برس کی عمر میں بھی کشیدہ قیامت، گلابی چہرہ، ستواں ناک، آنکھوں میں بلا کی چمک، ہر چیز کی ٹٹولتی ہوئی

نظریں، سفید بال، ماتھے پر جھریوں کی چنٹ، آواز میں جلال اور جمال، چال میں کمال، مزاج میں بڑے آدمیوں کا سا جلال، سرتا پا استقلال، رفتار گفتار میں سطوت، کردار میں عظمت، قائداعظمؒ کی شخصیت کا آئینہ، قائداعظمؒ کی معنوی صفات کے عکس، صبا اور سنبل کی طرح نرم، رعد کی طرح گرم، بانی پاکستان کی نشانی، ایک حصار جس کے قرب سے حشمت کا احساس ہوتا ہے جس کی دوری سے عقیدت نشوونما پاتی ہے۔ بھائی شہنشاہ بہن بے پناہ۔"

یہ تمام صفات محترمہ فاطمہ جناحؒ میں کیوں نہ پیدا ہوتیں جب کہ ان کی تربیت و پرداخت قائداعظمؒ جیسے بے مثال بھائی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب کوئی شخص خاتونِ پاکستان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو اسے یہی محسوس ہوتا تھا جیسے وہ قائداعظمؒ کے روبرو ہے۔ اور قائداعظمؒ سے ہم کلام ہے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کی گفتگو اور شکل وصورت سے تحریک پاکستان اور قائداعظمؒ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ وہ عزائم اور ملی ولولے جوان ہو جاتے تھے جو تحریک پاکستان کی جان تھے۔ قائداعظمؒ کی نظروں میں بھی مادر ملت نے اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔ اسی لئے 30 نومبر 1939ء کو جب قائداعظمؒ نے وصیت لکھوائی تو اس کے ذریعے اپنے تمام ورثے کا محترمہ فاطمہ جناحؒ کو مالک قرار دیا۔ قائداعظمؒ کا یہ صلہ محترمہ فاطمہ جناحؒ کی ان گراں قدر خدمات کے مقابلہ پر ہیچ تھا جو انہوں نے مسلمانانِ ہند اور بھائی کی دیکھ بھال کے لئے انجام دیں۔

وہ سیاسی بصیرت میں قائداعظمؒ کی حقیقی جانشیں تھیں۔ انہوں نے قائداعظمؒ کی عظمت کو برقرار رکھا۔ قائداعظمؒ نے اپنی زندگی مسلمانانِ ہند کی آزادی کے لئے وقف کر دی تھی اسی طرح ان کی بہن نے بھی اپنی زندگی بھائی کی خدمت اور تحریک آزادی کے لئے وقف کر دی۔ انہوں نے تمام عمر شادی نہ کی۔ اس سلسلے میں بیگم زلیخا مطلوب سید نے ان سے استفسار کیا تو محترمہ فاطمہ جناحؒ نے بات بدل کر

فرمایا:

''مجھے زندگی میں کوئی مناسب ساتھی نہ مل سکا''

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے بھائی اور پاکستان ہی کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا۔

3 جون 1947ء سے ہندوستان کی سیاست میں ایک فیصلہ کن انقلاب آیا۔ مسلم لیگ اور قائداعظمؒ کی راہنمائی و قیادت میں ہندوستان میں بسنے والی مسلمان قوم کا ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ عروج پر پہنچ گیا تھا جس کے نتیجہ میں ماؤنٹ بیٹن پلان کا سرکاری طور پر اعلان ہو گیا۔اس تاریخی پلان کے تحت جب ہندوستان کے ماتھے پر پاک وطن ابھرنے والا تھا قائداعظمؒ کا کام بہت بڑھ گیا۔

وہ ہمہ وقت اس پلان کے ایک ایک پہلو اور نکتے کا باریک نگاہی سے جائزہ لیتے۔اس وقت کاروانِ آزادی کے سالار کے پاس سوائے محترمہ فاطمہ جناحؒ کے اور کوئی نہ ہوتا تھا۔وہ نہ صرف ایک خدمت گزار بہن بلکہ ایک سیاسی مشیر اور دستوری صلاح کار کی حیثیت میں قائداعظمؒ کی معاونت کرتیں۔قائداعظمؒ کو تروتازہ رکھنے کے لئے ان کی چائے اور کھانے کا انتظام بھی آپ کرتیں اور ماؤنٹ بیٹن پلان کی گھتیاں سلجھانے اور افہام و تفہیم کے ضمن میں زیادہ تر تحریری کام بھی کرتیں۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ کے سامنے ان دنوں ہمیشہ کشمیر کا نقشہ پھیلا رہتا تھا اور وہ ایک ماہر جرنیل کی طرح ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بننے والی سرحدوں کے ایک ایک گاؤں ایک ایک آبادی اور ایک ایک شہر کی جغرافیائی ، تاریخی ، معاشی ، سیاسی اور معاشرتی اہمیت سے واقفیت حاصل کر رہی تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن پلان کا عرق ریزی کے ساتھ مطالعہ کرنے کے باعث محترمہ فاطمہ جناحؒ کو بنگال اور پنجاب کی سرحدوں کے ایک ایک بڑے شہر اور گاؤں کا نام زبانی یاد ہو گیا تھا۔

اس دن رات کی ذہنی اور جسمانی مصروفیت کی وجہ سے وہ کئی بار بخار میں مبتلا ہوئیں لیکن ان کا دماغ اور جسم چونکہ قوم کا دماغ اور جسم بن چکا تھا اس لئے وہ اپنی بیماری کی مطلق پرواہ نہ کرتی تھیں۔ وہ ایک سچے قومی رہنما کی مانند ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتی تھیں۔ قائداعظمؒ کی تقلید کرتے ہوئے وہ بھی مایوسی کو کفر سمجھتی تھیں اور کام کام کام پر یقین رکھتی تھیں۔ میاں منظر بشیر کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے اپنے مقاصد، نظریات اور اصولوں کے بارے میں بتایا:

''ایک مخلص سیاسی رہنما کے لئے مستقل مزاجی سے کام لینا اشد ضروری ہے۔ اسے نمود و نمائش سے نفرت ہوتی ہے۔ اس کی سیاسی زندگی میں ایسے مرحلے بھی آتے ہیں کہ وہ کچھ عرصہ تک گوشہ نشینی اختیار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن اپنے اصولوں کو ترک نہیں کرتا۔ جہاں عام صلاحیتیں رکھنے والے لوگ وقت کے دھارے کے ساتھ بہہ جاتے ہیں وہاں سچا اور صحیح رہنما اپنے اصولوں پر ڈٹا رہتا ہے۔''

''وہ ناموافق حالات سے کبھی دلبرداشتہ نہیں ہوتا بلکہ قومی خدمات کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کانگرسی رہنماؤں کے اندازِ فکر سے مایوس ہو کر قائداعظمؒ کو یقین ہو گیا تھا کانگریس ہندوستانی مسلمانوں سے انصاف نہیں کرنا چاہتی۔ وہ لندن چلے گئے پھر چند برس بعد جب مسلم لیگ کے رہنماؤں نے قائداعظمؒ سے بار بار درخواست کی کہ وہ وطن واپس آ کر مسلمانوں کی قیادت سنبھالیں ورنہ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل ہمیشہ کے لئے تاریک ہو جائے گا تو قائداعظم نے ان کی درخواست قبول کر لی اور پاکستان کا مطالبہ منوائے بغیر چین سے نہ بیٹھے۔ میں نے بھی ہمیشہ اپنے بھائی کے اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور مایوس کن سے مایوس کن حالات میں بھی اپنے اصول ترک نہیں کئے۔ سیاسی راستے کو تبدیل نہیں کیا۔''

وہ صبح سویرے بیدار ہو جاتی تھیں ۔ اخباروں کا مطالعہ کرتیں ۔ نہا دھو کر کپڑے بدلتیں ۔ ناشتہ کرتیں اور پھر اسکے بعد مختلف مشاغل میں مصروف ہو جاتیں ۔ ان سے ملاقات کرنے روزانہ کثیر تعداد میں ملاقاتی آتے تھے جن سے وہ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتی تھیں ۔

وہ آہستہ آہستہ گفتگو کرتی تھیں ۔ ہر بات کو اچھی طرح سمجھاتی تھیں ۔ جو بھی ان سے ایک بار مل لیتا تھا عمر بھر کے لئے ان کا مداح ہو جاتا تھا ۔

بیگم رفیعہ شریف الدین پیرزادہ نے لکھا ہے کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ حضرت قائداعظمؒ کی نہایت قابل اعتماد بہن تھیں ۔ قائداعظمؒ فاطمہ پر اس درجے اعتماد کرتے تھے کہ جب ان کے سیکرٹری کوئی مسودہ ٹائپ کرکے لاتے تو وہ انہیں کہتے اسے فل کونسل میں پڑھیں ۔ فل کونسل سے مراد قائداعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ تھیں ۔ اسی طرح قائداعظمؒ اپنے بیانات محترمہ فاطمہ جناحؒ کو پڑھائے بغیر جاری نہیں کرتے تھے ۔

بیگم جی اے خان نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ قائداعظمؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنا ہر اہم بیان جاری کرنے سے قبل فل کونسل یعنی اپنی بہن فاطمہ کو ضرور دکھاتا ہوں ۔ وہ میری اچھی مشیر بھی ہیں اور دوست بھی ۔

کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کو قائداعظمؒ کا دایاں بازو قرار دیا تھا ۔ انہوں نے بتایا کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ بھائی کی دلجوئی کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں مفید مشورے بھی دیتی تھیں ۔ بھائی کی لکھی ہوئی تحریر کا مطالعہ بھی کرتی تھیں اور اس کی حفاظت بھی کرتی تھیں ۔

مادرِ ملت جیسی ایثار پیشہ قیادت کسی قوم کو کم ہی نصیب ہوئی ہوگی ۔ وہ ایک ایسی محب وطن اور قوم پرست رہنما تھیں جنہوں نے زندگی کا ہر لمحہ اپنے بھائی کی مانند

مسلمانانِ برصغیر کی ترقی وخوشحالی کے لئے وقف کر دیا۔ انہیں پاکستان سے کس قدر محبت تھی اس کا اظہار ان کی اس تقریر کے ایک ایک لفظ سے ہوتا ہے جو انہوں نے قیام پاکستان کے بعد 14 مئی 1949ء کو کوہاٹ میں کی۔ انہوں نے اپنی اس طویل تقریر میں فرمایا:

''پاکستان کے ذرائع معاش قدرتی طور پر بے حد وسیع ہیں۔ اس کے گوشے گوشے میں قدرت نے انمول خزانے بکھیر رکھے ہیں۔ لیکن ابھی پاکستان میں اتنا شعور پیدا نہیں ہوا کہ وہ اطراف و اکناف میں پھیلی قدرت کی فیاضیوں سے استفادہ کرے۔ آپ کو اپنی قوت بازو پر بھروسہ کر کے ان بے بہا عنایات کو کام میں لانا ہوگا۔ تاکہ پاکستان نہ صرف اندرونی طور پر معاشی مشکلات پر قابو پا کر خوش حال ہو بلکہ تمام دنیا کی بہترین اور مشہور تجارت گاہ بن سکے۔

حمیت اور خودداری کا تقاضہ یہی ہے کہ اپنے مرکز سے ہرگز نہ ہٹنا۔ اغیار کے ہاتھوں میں کھلونا نہ بننا۔ آج ہم آزاد و خودمختار ملک کے باشندے ہیں۔ اس کی عظمت و وقار کو قائم رکھنے کے لئے اس کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارا ہر محکمہ اور ہر شعبہ زندگی خالص پاکستانی ہو۔ پاکستان کو مکمل آزادی اس وقت نصیب ہو سکتی ہے جب وہ اپنے پیروں پر کھڑا اور اپنی قوت بازو اور اپنی ہمت سے اپنا کام انجام دے سکے۔''

مادرِ ملتؒ کو اس خطۂ پاک سے بہت زیادہ پیار تھا۔ قائداعظمؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد انہوں نے پاکستان اور مسلم لیگ کی رکھوالی آخری سانس تک دل و جاں سے کی۔ ان کی وطن پرستی کا ایک واقعہ بیگم مطلوب الحسن سید اس طرح بیان کرتی ہیں کہ جب محترمہ فاطمہ جناحؒ کی صحت مسلسل خراب رہنے لگی تو ہم نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ یورپ جا کر اپنا علاج کرائیں لیکن انہوں نے جواب میں

ہمارا مشورہ مسترد کر دیا اور کہا:

''میں یورپ نہیں جاؤں گی بلکہ میں یہیں اپنے وطن میں اپنا علاج کرواؤں گی''

بیگم مطلوب الحسن سید کہتی ہیں کہ اپنی دگرگوں صحت کے بارے میں وہ ہماری باتیں نہایت توجہ سے سنتی تھیں مگر ملک سے باہر جانے والے مشورے کو ہمیشہ سختی سے رد کر دیتی تھیں۔ آخر رشتہ داروں کے اصرار پر وہ رضامند ہوئیں بھی تو چند ہفتے جرمنی میں قیام کر کے واپس آ گئیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غیر ملکی ڈاکٹروں پر ملکی ڈاکٹروں کو ترجیح دیتی تھیں۔

یہ دعویٰ تھا بھی حقیقت پر مبنی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے جس گلشن کے ایک ایک پھول ایک ایک کلی اور ایک ایک پتی کو اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا۔ اپنی زندگی کے ارمان، ولولے، خواب اور لمحے جس جنت پر نچھاور کر دیئے تھے وہ کسی طور پر بھی اس کی جان گداز فضاؤں سے دور ہونا گوارا نہیں کرتی تھیں۔

یہ ارض پاک یہ مملکت خداداد یہ سوہنا دیس ان کی اور ان کے عظیم بھائی کی لازوال جدوجہد اور قربانیوں کا ثمر تھا۔ وہ اسے چھوڑ کر کیوں جاتیں۔ ان کے بھائی قائداعظمؒ بھی علاج کروانے ملک سے کب باہر گئے تھے یہ تو خودغرض اور بونے سیاست دانوں کی فطرت ہوتی ہے کہ چھینک بھی آئے تو اس کا علاج کرانے ملک سے باہر بھاگ جاتے ہیں۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ نے حصول پاکستان کی تحریک کو تیز کرنے کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی اپنے حقوق اور فرائض سے آگاہ کیا۔ تحریک پاکستان کو تیز کرنے کے لئے انہیں قائداعظمؒ کے ہمراہ پورے ہندوستان کے دورے کرنا پڑے تھے ان دوروں میں انہوں نے ہزارہا جلسوں سے خطاب کیا اور اپنی تقریر میں مسلم لیگ اور پاکستان کے علاوہ خواتین کی اہلیت واہمیت ہی کو موضوع گفتگو بنایا۔ مثال کے طور پر 1943ء میں انہوں نے دہلی میں منعقد ہونے والی مسلم لیگ ویمن سب کمیٹی کے

اجلاس میں جو تقریر کی وہ ان الفاظ و خیالات پر مشتمل تھی:

''آج کا یہ اجتماع بجائے خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اپنی قومی جدوجہد کے لئے ہماری تحریک روز بروز زیادہ شہرت حاصل کر رہی ہے اور مضبوط سے مضبوط تر ہو رہی ہے۔ آپ مجھ سے اتفاق کریں گی کہ وہ تحریک اور وہ جدوجہد ضرور منزل پر پہنچ جاتی ہے جس میں اس قوم کی خواتین بھی شریک ہوں۔ ہم سب نہایت خوش ہیں کہ اب ہماری تحریک کو وہ تعاون حاصل ہو گیا ہے جس کی اسے ضرورت تھی۔''

یہ الفاظ اس امر کے غماز ہیں کہ مادرِ ملتؒ ہی کی کاوشوں سے برصغیر کی خواتین نے تحریک پاکستان میں منظم ہو کر فعال کردار ادا کرنا شروع کیا تھا اس لئے ارباب بست و کشاد پر لازم آتا ہے کہ وہ جہاں نوجوانوں کو قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ جیسا طرز حیات اپنانے پر آمادہ کرتے ہیں وہاں پاکستان کے طبقہ نسواں کے سامنے مادر ملتؒ کے افکار و کردار کو بھی متاثر انداز میں پیش کریں تاکہ خواتین کو بھی ان کا ایک آئیڈیل مل سکے۔ مادر ملت کی تقلید و تتبع کرنے والی لڑکیاں ملک کے لئے ایک پیش بہا سرمایہ ثابت ہوں گی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اپنی اس تقریر میں مزید فرمایا:

''جیسا کہ آپ جانتی ہیں اس ملک میں چار بڑی سیاسی جماعتیں ہیں۔ برطانوی حکومت کانگرس، امرا کا طبقہ اور مسلم لیگ۔ تین برس پہلے تک مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے مردہ تھے۔ اور باوجود اس کے کہ ہم سب اس بات کو محسوس کر چکے تھے کہ ہم روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں پھر بھی کسی شخص نے ہمارے عوام کی اجتماعیت اور اتحاد و استحکام کی طرف توجہ نہ دی۔ لہذا ہم مسلم لیگ کے ممنون ہیں کہ اس کی بدولت اس کمزوری پر قابو پا لیا گیا ہے۔ اس تین سال کی قلیل مدت میں ہم نے ایسی قوت اور عزت حاصل کی ہے کہ ہمارے سیاسی حریف بھی اس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ہم ایک عظیم سیاسی قوت ہیں۔''

ان خیالات کا اگر سطحی نظر سے بھی جائزہ لیا جائے تو محترمہ فاطمہ جناحؒ کی

سیاسی بصیرت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف قائداعظمؒ کی ہمشیرہ یا ہندوستان کی تعلیم سے بہرہ مند ایک خاتون ہی نہیں بلکہ صاحبِ نظر قومی رہنما تھیں۔ اس تقریر میں انہوں نے آگے چل کر ان خیالات کا اظہار کیا۔ اور ایک منجھی ہوئی سیاست دان ہونے کا ثبوت فراہم کیا:

''میں نے کانگرس کے فلسفہ سیاست سے آپ کو اس لئے آگاہ کیا ہے کہ بتادوں کی جو بازی ہم نے کھیلی ہے وہ کس درجے پیچیدہ ہے۔ اور اس کا کیا نقشہ ہے۔ کل ہند مسلم لیگ کی لاہور والی تاریخی قرارداد نے اس کی نسبت کوئی شبہ باقی نہیں رکھا کہ ہم شمالی مغربی اور مشرقی خطے میں اپنا وطن چاہتے ہیں جہاں ہم اکثریت میں ہیں۔ تاکہ ان علاقوں میں اپنی حکومت کے ذریعہ ہم آزادی اور اطمینان سے کم ازکم اپنے سات کروڑ ساتھیوں کی اقتصادی، تہذیبی، تعلیمی، سیاسی شعبہ ہائے حیات میں اپنی اسلامی روایات کے مطابق نشوونما کرسکیں۔ اور ہم ہندوستان کے آئندہ دستور کی گتھی کو تیزی سے سلجھا سکیں۔''

''اس عظیم جدوجہد کو دیکھ جس کا ہم کو اس وقت سامنا ہے اور جس سے ہم کو آئیندہ گزرنا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلم خواتین کو اس میں کیا حصہ لینا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ مسلم ہندوستان کے بنانے میں ہمارے آگے وسیع میدان موجود ہے اور ہم سب کا اس سے تعلق رکھنا اور اس میں اپنا حصہ ادا کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ یہ عورت ہی کا ہاتھ ہے جو عمدگی اور کامیابی کے ساتھ قومی ترقی کے ان شعبوں کو مستحکم کرسکتا ہے جن کا تعلق عوام کی تعلیمی، اقتصادی اور سماجی سرگرمیوں سے ہے۔ آئیں سیاسی طور پر ہم بھی کوشش کریں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کو تقویت پہنچائیں اور اسے مستحکم ومضبوط بنائیں۔ کیونکہ مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کا واحد مقتدر اور نمائندہ ادارہ ہے۔''

اس تقریر کا ایک ایک لفظ مادرِ ملتؒ مسلم لیگ اور مسلمانوں سے اٹوٹ محبت کو

ظاہر کرتا ہے۔انہوں نے کس چابک دستی، صاف نیت اور خلوص کے ساتھ خواتین کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا ہے وہ چاہتیں تو اپنے خطاب میں اپنی ملی خدمات اور اپنے بھائی کی شبانہ روز کی تگ و دو کا خوب ڈھنڈورا پیٹ سکتی تھیں لیکن انہوں نے سامع خواتین کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں احساس دلایا کہ آپ کی بھرپور شرکت کے بغیر منزل مراد میسر نہیں آسکے گی۔ایک سچے رہبر کی یہی پہچان ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی بجائے دوسروں کو اہمیت دیتا ہے۔خود کو وہ ہمیشہ قوم کا خادم قرار دیتا ہے۔ اس کی حتیٰ الامکان کوشش ہوتی ہے کہ وہ عہدوں اور اقتدار سے دور رہے۔مادرِ ملتؒ نے پاکستان کے قیام کے بعد بھی کبھی اپنی خدمات شمار کر کے قوم پر احسان نہیں جتایا تھا۔تشکیل پاکستان کے فوراً بعد 11 نومبر 1947ء کو جب انہیں لاہور کے لیڈی میکلیگن کالج میں مدعو کیا گیا تو انہوں نے اپنی تعریف و توصیف سن کر فرمایا:

''سب سے پہلے ڈاکٹر مس فیروز الدین اور پرنسپل لیڈی میکلیگن زنانہ ٹریننگ کالج کا ان کے خیر مقدمی کلمات پر شکریہ ادا کرتی ہوں۔آپ نے میری ان خدمات کی تعریف کی ہے جو میں نے قوم کی خاطر انجام دی ہیں۔حالانکہ میری رائے میں ہم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنی قوم کی بہتری و بہبود کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکے کام کریں۔اب جبکہ ہم نے پاکستان حاصل کر لیا ہے یہ ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم مقدور بھر محنت کریں تاکہ ہمارا یہ نوزائیدہ ملک مضبوطی کے ساتھ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے۔ہم کو چاہیئے کہ متحد ہو کر اعلیٰ درجہ کی کوشش اور محنت کریں اور اس طرح اپنے سہانے خواب کی تکمیل کریں۔''

مادرِ ملت کی یہ تقریر قیام پاکستان کے بعد کی ہے۔اس میں کسی مقام پر انہوں نے اپنی تگ و دو کے حوالے سے فخر و تعلی کا اظہار نہیں کیا جبکہ نمائش پسند اور مفاد پرست لوگ اپنی معمولی سی قربانی کو بھی اس قدر بڑھا چڑھا کر اور اہتمام کے ساتھ جگہ جگہ اچھالتے ہیں کہ اس سے گھن آنے لگتی ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد ایسی بیگمات کی کثیر تعداد سامنے آ گئی تھی جو اقتدار میں شامل ہونے کے لئے اپنی قربانیوں کا بڑی شدومد کے ساتھ ڈھنڈورا پیٹنے لگی تھیں حالانکہ انہوں نے تحریک پاکستان میں کوئی اہم اور موثر کردار ادا نہیں کیا تھا۔ بنگلوں اور کوٹھیوں میں رہنے والی بیگمات بجائے اس کے کہ خدمت خلق کو شعار بناتیں ۔گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ جا کر نا خواندہ خواتین کی تعلیم کا بندوبست کرتیں، غیر ہنر مند عورتوں کو ہنر مند بنانے کے لئے دستکاری کے مراکز قائم کرتیں انہوں نے سارے وسائل محض خود نمایاں ہونے اور مفادات حاصل کرنے پر صرف کر دیئے۔

افسوس کا مقام ہے کہ جس طرح قیام پاکستان کے بعد مردوں میں کوئی قائداعظمؒ ثانی سامنے نہیں آیا ایسے ہی عورتوں میں کوئی فاطمہ جناحؒ ثانی ثابت نہ ہوئی۔مقتدر و بارسوخ مرد بھی زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کے جنون میں مبتلا ہو گئے اور بیگمات بھی اس دوڑ میں پیچھے نہ رہیں۔مگر مادر ملتؒ نے اپنی روش تبدیل نہ کی۔انہوں نے قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں تعلیم نسواں کو عام کرنے کا بیڑا اٹھالیا اور اس میں ہمہ تن مصروف ہو گئیں۔

تحریک پاکستان کے دور میں انہوں نے خواتین ہند کو متحرک و بیدار کرنے کے لئے جہاں سینکڑوں تقاریر کیں وہاں مسلمان لڑکیوں کو ایک کاز ایک نظریے اور ایک مقصد پر متفق و متحد کرنے کی خاطر بے شمار کالجوں میں تنظیمیں قائم کرائیں۔ان کے ان اقدامات کا ثمر مسلمانوں کو یہ ملا کہ جب برطانوی حکومت نے برصغیر کی مختلف جماعتوں کو اقتدار میں شریک کرنے کے لئے انتخابات کرائے تو مسلمان خواتین کے جوش و خروش اور دلجمعی اور دلچسپی کے باعث مسلم لیگ نے زبردست کامیابی حاصل کی جس کا تذکرہ مادر ملتؒ نے ان الفاظ میں کیا:

''میں اپنی قوم کی بہنوں کو دلی مبارکباد دیتی ہوں کہ ابھی ابھی صوبہ پنجاب کے

انتخابات میں آپ نے نہایت شاندار اور لگن ومحنت سے کام کیا اور لاہور کی دونوں نشستیں اور ان کے ساتھ پنجاب اسمبلی کے مسلمانوں کی 79 نشستیں جیت کر دنیا کو بتا دیا ہے کہ پنجاب کے سب کے سب مسلمان پاکستان اور صرف پاکستان چاہتے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ اس جیت میں آپ نے پورا پورا حصہ لیا۔''

پھر کراچی میں علاقہ کیماڑی میں مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے سندھ کی خواتین کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا:

''نہ صرف سندھ میں بلکہ سارے ہندوستان میں انتخابات کے نتائج کے اعلان پر مسلمان خوشیاں منا رہے ہیں۔ میں سندھ کے مسلمانوں کو ان کی اس عظیم کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں کیونکہ انہوں نے پاکستان پر اپنا غیر متزلزل یقین ظاہر کر دیا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہم متحد رہے تو ہم ہر چیز حاصل کر سکتے ہیں اور ہر قوت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔''

غرض یہ کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے ہر ہر قدم پر عوام کو یہی پیغام دیا یہی تلقین و نصیحت کی کہ آپ ذاتی اغراض، خواہشات، مفادات اور طمع کو تج کر حصول پاکستان کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں۔انہوں نے ہمیشہ عوام کی بھلائی کو مدنظر رکھا۔لیکن جب پاکستان وجود میں آ گیا تو اس پر وہ ٹولہ غالب آ گیا جسے عوام سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔

اس ٹولے نے بجائے اس کے کہ ملکی وسائل کو غریب عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے استعمال میں لاتا انہیں اپنی ذات کے لئے وقف کر دیا۔جس کی وجہ سے محترمہ فاطمہ جناحؒ سیاست سے کنارہ کش ہو گئیں اور ملکی امور پر رائے زنی سے احتراز برتنے لگیں۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے عوام سے بھی ناطہ توڑ لیا تھا۔نہیں عوام سے انہوں نے برابر رابطہ قائم رکھا۔خصوصاً وہ حسب سابق پاکستانی عورتوں کی ناخواندگی اور پسماندگی کا قلع قمع کرنے کے واسطے ہمہ وقت سرگرم عمل

رہیں۔اس اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ قائداعظمؒ کے بعد سب سے محترم ہستی قرار پاتی ہیں۔انہوں نے خواتین کی بیداری کے لئے جس قدر کام کیا تھا پاکستان کا حکمران طبقہ کوشش کرتا تو محترمہ فاطمہ جناحؒ کو ان خدمات کے صلے میں نوبل پرائز دلوا سکتا تھا۔لیکن افسوس صد افسوس کہ خودغرض ٹولے نے ایسا نہ کیا۔

پانچواں باب

مہاجرین کے لئے خدمات

کانگریس نے بہ امر مجبوری پاکستان کا قیام منظور تو کرلیا تھا لیکن ہندوستان کی تقسیم کا جو چرکہ اسے برداشت کرنا پڑا تھا اسے وہ آج تک بھلا نہ سکی جب انگریز حاکموں نے ہندوستان کی تقسیم منظور کر لی تو متحدہ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آل انڈیا مسلم لیگ اور کانگرس کے صدور سے کہا کہ وہ تقسیم کے منصوبے کی منظوری اپنی جماعتوں سے حاصل کرلیں تاکہ اسے سرکاری حیثیت حاصل ہو جائے چنانچہ قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کونسل سے اس کی منظوری حاصل کر لی۔ کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے پلان کی منظوری کے بارے میں جو قرارداد پاس کی اس میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا گیا کہ اگرچہ کانگرس ہندوستان کی تقسیم منظور کرتی ہے لیکن اُسے یقین ہے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ تقسیم ختم ہو جائے گی اور ہندوستان ایک بار پھر ''اکھنڈ'' ہو جائے گا۔ ان سطور سے اس کی بدنیتی کا ثبوت ملتا تھا۔ یہ قرارداد آج بھی آل انڈیا کانگرس کے ریکارڈ میں موجود ہے چونکہ حصول آزادی کے بعد بھی اس قرارداد سے ''اکھنڈ ہندوستان'' کے الفاظ حذف نہیں کئے گئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بھارت نے نہ پاکستان کو دل سے تسلیم کیا ہے اور نہ کبھی کرے گا۔ اس لئے پاکستان کو اپنے اس دیرینہ دشمن سے ہمیشہ ہوشیار اور چوکنا رہنا پڑے گا۔ پاکستان بنا تو بھارت نے اس کے حصے کا سرمایہ روک لیا۔ جب پاکستان پر اس وار کا کوئی اثر نہ ہوا تو ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت لاکھوں مسلمانوں کو مار پیٹ کر پاکستان میں دھکیل دیا گیا۔ ہندوستان کی مسلم آبادی پر ظالم ہندوؤں اور سکھوں نے موت کے دروازے کھول دیئے۔ اس جنونی حالت میں انہوں نے ہزار ہا مسلمانوں کو شہید کر دیا ان گنت عورتوں کو اغوا کر لیا گیا۔

سینکڑوں بستیاں جلا دی گئیں۔یا لوٹ لی گئیں۔کلکتہ، امرتسر، پٹیالہ، ناگپور، بمبئی، دہلی، جالندھر، الور، بھرت پور، گوالیار غرض کہ تمام ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی ہولناک آگ بھڑک اٹھی جس نے آبادی کے پُرامن انتقال کو غارت کرکے رکھ دیا۔کلکتہ سے لے کر دہلی تک اور دہلی سے لے کر امرتسر تک وحشی سکھ اور ہندو بے بس و لاچار مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتے رہے۔

بے گناہ اور غریب الدیار مسلمان بچوں، بوڑھوں مردوں اور عورتوں کی بے گوروکفن لاشیں سڑکوں، گلیوں، کھیتوں اور میدانوں میں کثرت سے بکھری پڑی تھیں۔ہندوستان کے ان بازاروں میں جہاں کل تک مشرقی اخلاقی حیا اور تہذیب کی خوشبو مہکتی تھی وہاں بے کس و بے زبان شریف زادیوں کے ننگے جلوس نکالے گئے ان کی آبروریزی کی گئی یہاں تک معصوم بچوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ان کے پھول سے بدنوں کو نیزوں، چھویوں، کرپانوں، خنجروں اور گولیوں سے لہولہو کیا گیا۔

عجیب درندگی تھی۔عجیب دیوانگی تھی۔عجیب شقاوت تھی، سنگدلی تھی، بربریت تھی۔انتقام اور نفرت کے دھوئیں میں ہر کافر ابلیسی رقص میں منہمک تھا۔جس کی وجہ سے ہندوستان کے مختلف شہروں کے مسلمان جوق در جوق اس پاک دھرتی کی جانب بڑھنے لگے۔معمار پاکستان حضرت قائداعظمؒ نے مسلمانوں کا ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں یہ قتل عام دیکھا تو دل پکڑ کر رہ گئے۔پاکستان جیسے نوزائدہ ملک کے کاندھوں پر لاکھ مہاجرین کا بوجھ آن پڑا تھا۔

قائداعظمؒ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ہندو مسلمانوں کو زبردستی پاکستان کی طرف دھکیل دیں گے۔ہندوؤں اور سکھوں نے قتل و غارت گری کا بازار ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گرم کیا تھا کہ پاکستان پر جب لاکھوں مہاجرین کا بوجھ پڑے گا تو یہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔قائداعظمؒ جن پر پاکستان کا گورنر جنرل بننے کے باعث بہت سی ذمہ داریاں آپڑی تھیں مہاجرین کے لٹے پٹے اور تباہ حال قافلوں

کی آبادکاری سے متعلق متوحش اور متفکر رہنے لگے۔

ایسے میں مادرِ ملتؒ پھر میدانِ عمل میں آئیں اور خانماں برباد مسلمانوں کی آشیاں بندی کا سامان کرنے لگیں۔ وہ ان زخم خوردہ مسلمانوں کو دیکھتی تھیں اور رو پڑتی تھیں۔ اس وقت ان کے اندر وہی جذبہ روشن ہو گیا تھا جو تحریک پاکستان کے دنوں میں ان کے دل کو منور کئے رکھتا تھا۔

مادرِ ملتؒ متعدد مہاجر تنظیموں کی سرپرست تھیں۔ ایک طرف جہاں موقع پرست اور مفاد پرست لوگ متروکہ جائیدادوں پر قبضے کر رہے تھے وہاں محترمہ فاطمہ جناحؒ مہاجرین کی آبادکاری، روزگار اور ترقی کی نئی نئی سکیمیں سوچتی تھیں پناہ گزینوں کے حوصلے بڑھانے اور ان کی آبادکاری کے منصوبوں کی نگرانی کرنے کے لئے وہ مختلف شہروں کے دورے بھی کرتیں۔ اس سلسلے میں وہ لاہور تشریف لائیں تو انہوں نے 2 نومبر 1947ء کو ریڈیو پاکستان لاہور سے قوم کو مخاطب کر کے حالِ زار سے آگاہ کیا:

''میں نے لاہور آنے کے بعد مہاجرین کے کیمپوں، ہسپتالوں اور دستکاری کے زنانہ مراکز کا معائنہ کیا ہے اور دکھے دل کے ساتھ مصیبت زدگان کا حال سنا ہے۔ ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ ہم اپنی تاریخ کے ایک نہایت اہم دور سے گزر رہے ہیں آیئے عہد کریں کہ ہم اس مملکت کی بقا کے لئے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں اپنے مہاجر بہن بھائیوں کی امداد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے۔''

انہوں نے مہاجرین کی جلد از جلد بحالی کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ وہ جہاں مہاجر کیمپوں کا بار بار دورہ کر کے پریشان اور بد حال مہاجرین کا حوصلہ بڑھاتیں وہاں مسلم لیگی خواتین کی کمیٹیاں تشکیل دے کر مخیّر حضرات سے عطیات بھی وصول کرتیں۔ ایسی ہی ایک ریلیف کمیٹی سے انہوں نے جو خطاب کیا وہ ان

کے جذبات کا مظہر ہے اور تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ انہوں نے فروری 1947ء میں مہاجرین کی امداد کے لئے قائم کی گئی ریلیف کمیٹی سے منسلک خواتین سے فرمایا:

''تقریباً آٹھ ماہ سے آپ یہاں ویمن ریلیف کمیٹی کی جانب سے منعقد ہونے والی ورک پارٹیوں میں مسلسل آرہی ہیں۔ تاکہ ہم ایک ساتھ مل کر کام میں اپنا ناچیز حصہ ادا کرسکیں۔ ہم سب اپنے بدقسمت بھائیوں اور بہنوں کے اٹھائے ہوئے عظیم مصائب سے دکھی ہیں ہماری شدید خواہش اور کوشش رہی ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ کام کرسکتے ہیں کریں۔ ایک ایسا کام جس سے ہم کو سابقہ پڑا ہے۔ یعنی ایک سیلاب کی مانند سرحد کی دوسری جانب سے آنے والے ان مسلمانوں کی امداد اور ان کی ضروریات کی تکمیل جنہوں نے صرف ایک ہی رات میں اپنا سب کچھ کھو دیا۔ میں کہہ سکتی ہوں کہ ایسا کام کبھی تسلی بخش طور پر انجام نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ اس کے لئے بڑے پیمانے پر کوشش نہ کی جائے اور صبر و استقلال کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔''

حالانکہ محترمہ فاطمہ جناحؒ گورنر جنرل کی بہن تھیں پھر بھی خاتونِ پاکستان اور مادرملتؒ ہونے کے ناطے ان کا اپنا ایک مقام تھا۔ وہ چاہتیں تو مہاجرین کی دیکھ بھال کے لئے سرکاری ملازمین کی ڈیوٹی لگاسکتی تھیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا وہ ایک ماں ایک بہن بن کر مہاجروں کی مدد کے لئے کمربستہ ہوگئیں۔ جب کہ اس وقت دوسرے قائدین ملت اور ارباب حکومت کی بیگمات، بہنیں اور بیٹیاں سج سنور کر اور زرق برق لباس پہن کر پارٹیوں اور فنکشنوں میں مستغرق رہتی تھیں۔ گورنر جنرل ہاؤس میں ایک طرف تو بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ اپنے سٹاف کے ساتھ سرکاری فرائض ادا کررہے ہوتے تھے اور دوسری طرف محترمہ فاطمہ جناحؒ گورنمنٹ ہاؤس کے وسیع لان میں رضاکار خواتین کے ساتھ پناہ گزینوں کے لئے سویٹر بن

رہی ہوتی تھیں۔

لان اور برآمدوں میں جا بجا رضائیاں اور لحاف بچھے ہوتے تھے۔ اعلیٰ سرکاری افسر، ارکانِ حکومت اور غیر ملکی سفارتی نمائندے آتے جاتے یہ منظر دیکھتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ رضا کار خواتین مہاجرین کی خاطر لحاف ٹانک رہی ہیں، سیویٹر بن رہی ہیں اور گورنر جنرل کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناحؒ ان کی نگرانی کر رہی ہیں۔

یہی نہیں محترمہ فاطمہ جناحؒ نے تا دمِ آخر مہاجروں کی قربانیوں کو یاد رکھا اور قوم کو بھی ان کی قربانیاں یاد کراتی رہیں۔ خصوصی طور پر قائد اعظمؒ کی رحلت کے بعد انہوں نے ترک وطن کر کے پاک وطن میں پہنچنے والے مسلمانوں کے مسائل میں بہت دلچسپی لی۔ اور ان کو اپنی ہر اہم تقریر کا موضوع بنایا۔ مثال کے طور پر 21 اپریل 1949ء کو لاہور میں انہوں نے یومِ اقبالؒ پر جو خطبہ دیا اس میں مہاجرین کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

''مہاجرین کی آبادکاری اور بحالی کا مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا۔ دالحکومت کراچی میں مہاجرین اب تک سکولوں کی عمارتوں میں رہ رہے ہیں۔ تعلیمی درسگاہوں کی خستہ عمارات کو مہاجر کیمپوں کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ ان مہاجرین کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ مہاجرین کی بحالی کے مسئلہ کی جانب ترجیحی بنیادوں پر توجہ دینا اور اس کو پورے عزم اور صلاحیت کے ساتھ حل کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اتنی کثیر تعداد میں عوام کا خانہ بدوش اور بے روزگار رہنا ملک کے لئے نقصان رساں ہے۔''

پھر انہوں نے 12 جون 1949ء کو مزار قائد پر شب برأت کے موقع پر یوم شہدا کے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مہاجروں کی قربانیوں کو یوں خراج عقیدت پیش کیا:

''آج ہمارے شہدائے ہند کو اسلامی تاریخی اور سیاسی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ میدان جنگ میں لڑ کر ایک دم شہید نہیں ہوئے بلکہ ہزاروں روح وحشتوں اور بربریت کے مظاہروں کا شکار ہو کر شہید ہوئے ہیں۔ ان کے بچوں کو ان کی گود میں قتل کیا گیا اور عورتوں کی انکی آنکھوں کے سامنے عزت لوٹی گئی۔ ان کی لڑکیوں کو ان کے سامنے اغوا کیا گیا۔ ان کی جان و مال اور آبرو چھین لی گئی۔ ان کے اعضا کاٹ ڈالے گئے۔''

''بھوکے، پیاسے، سسک سسک اور تڑپ تڑپ کر مرنے والے شہدا کبھی فنا نہیں ہوتے۔ ان کی موت نے مسلمانوں کو زندگی بخشی ہے۔ ان کی فنا نے اسلام کو بقا عطا کی ہے۔ ان کی خاک اور خون سے پاکستان تعمیر ہوا ہے۔ ان کی پریشانیوں اور بے آرامی نے ارباب حکومت کے لئے سکون و راحت کا سامان پیدا کیا ہے۔ زندہ انسانوں کو تو ہم انعام و اکرام دے کر خوش کر سکتے ہیں لیکن ان شہیدوں کو ہم کیا معاوضہ دے سکتے ہیں جنہوں نے وطن کی خاطر جان قربان کر دی ان شہیدوں کا سب سے بڑا معاوضہ یہ ہے کہ ان کی یاد کے زخم کو ہمیشہ تازہ رکھا جائے۔ ان کی شایانِ شان یادگاریں قائم کی جائیں۔''

مادرِ ملتؒ کو رنج و صدمہ اس بات کا تھا کہ قائد کی جدائی کے بعد جن رہبران ملت نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی وہ تحریک آزادیٔ وطن میں سرفروشی دکھانے والے مجاہدوں کے کارنامے اور قربانیاں تاریخ کے اوراق پر محفوظ کرنے کے برعکس اپنی ذات کی تشہیر کرنے لگے ہیں بجائے اس کے کہ شفاخانوں، تعلیمی درسگاہوں، شاہراہوں اور دوسری قومی اہمیت والی عمارات کو تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لینے والے کارکنوں کے نام سے موسوم کرتے وہ انہیں اپنے نام سے کیوں منسوب کرنے لگے ہیں۔

یہ کس قدر دکھ کی بات ہے کہ جن افراد نے پاکستان کے قیام میں کوئی قربانی

نہیں دی تھی بلکہ جمہوریت اور جمہور کے دشمن تھے انہوں نے تو اپنے نام سے غلام محمد بیراج اور ایوب زرعی یونیورسٹی وغیرہ قائم کر لی لیکن گھر بار، عزت و آبرو اور مال و متاع لٹانے والوں میں سے کسی کے نام سے کوئی معمولی سی سڑک اور چھوٹا سا ادارہ بھی منسوب نہیں کیا گیا۔ کیا اس سے تحریک پاکستان میں دنیا و مافیہا کو بھلا کر کام کرنے والے کارکنوں کے دل نہیں دکھے ہوں گے؟ قائداعظمؒ کی روح کو ملال نہیں ہوا ہوگا؟

مادرملتؒ بھی جب ان ناانصافیوں اور زیادتیوں کو ملاخطہ کرتیں تو آزردہ ہو جاتیں۔ وہ صاف طور پر دیکھ رہی تھیں کہ طاقتور اور بارسوخ لوگ ناجائز طور پر تارکینِ پاکستان کی جائیدادوں پر قبضہ کر رہے ہیں۔ جھوٹے کلیم داخل کر کے ہندوؤں سکھوں کی چھوڑی ہوئی دکانوں، کوٹھیوں اور عمارتوں کو الاٹ کرانے کے جنون میں مبتلا ہیں مگر مہاجروں کے لئے بستیاں تعمیر کرنے یا انہیں چھت اور روزگار مہیا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا۔

چنانچہ دکھی دل مہاجروں کی اشک شوئی کے لئے انہوں نے خود کو وقف کر دیا۔ اور جہاں ان کے مسائل حل کرنے میں بے پناہ دلچسپی لی وہاں ان کا مقدمہ بھی بغیر کسی لگی لپٹی کے لڑا۔ وہ شرپسند لوگ جو مہاجروں کی بھرمار سے خائف تھے اور انہیں اپنے صوبوں میں جگہ دینے سے گریزاں تھے مادرِملتؒ انہیں باربار متنبہ کرتی تھیں کہ وہ مہاجروں سے تعصب نہ برتیں۔

14 جنوری 1950ء کو عید میلادالنبیؐ کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے انہی عناصر کو مخاطب کر کے فرمایا:

''مہاجروں کا مسئلہ اگرچہ بہت سنگین اور دشوار ہے مگر یہ پہلی بار سامنے نہیں آیا رسول اللہؐ کے دورِ حیات میں بھی یہ مسئلہ پیدا ہوا تھا لیکن اس وقت مدینے کے مکینوں نے ذاتی آسائشوں کا خیال دل سے نکال کر مہاجرین مکہ کا استقبال کیا تھا اور مکہ سے

آنے والوں کو ہر طرح کا تعاون پیش کیا تھا جس سے مہاجرین مکہ کے آلام و مصائب کا پہاڑ موم کی مانند پگھل گیا تھا۔ ہم بھی انصار مدینہ کے نقشِ قدم پر چل کر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہر مسلمان چاہے وہ کسی بھی سرزمین کا ہو دوسرے مسلمان کو بھائی سمجھے۔ یہ الفاظ محض طفل تسلیوں کے لئے کافی نہیں ہیں۔ بلکہ ضرورت ہے کہ ہمارے ارباب سیاست اور عوام سچے دل سے ان پر عمل پیرا ہوں۔ اس طرح یہ مسئلہ نہ صرف آسان بلکہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا۔''

پھر 20 مارچ 1950ء کو لاہور میں پنجاب ویمن مسلم لیگ سے خطاب کرتے ہوئے مادرِ ملتؒ نے شہرت کی بھوکی بیگمات کی نمائش پسندی پر طنز کرتے ہوئے قوم کو یاد دلایا کہ آج یہ جو کچھ ہمیں حاصل ہے وہ تارکین وطن کی قربانیوں کے باعث حاصل ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

''اسی نئے آزاد اسلامی ملک کا ہر شعبہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے لیکن صرف چند خواتین کا بین الاقوامی سطح پر شہرت حاصل کر لینا پاکستان کے باقی افراد کے معیارِ زندگی کو بلند نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس سے ملک کا اندرونی ڈھانچہ درست ہو سکتا ہے۔ آپ کو یہ ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ آپ کا ان تڑپتے دلوں اور تباہ حال انسانوں سے رابطہ پیدا کرنا اشد ضروری ہے جن کی ویرانی نے ہمیں آباد کیا ہے جن کی بربادی نے ہمیں اونچا مقام بخشا ہے۔ یہاں تک کہ جن کی قربانیوں نے ہمیں پاکستان دلایا ہے۔ جب کہ آج ان میں سے اَن گنت افراد کسمپرسی اور تباہ حالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہمارا مقصد اس وقت ان دکھی زندگیوں کو خوشی اور مسرت فراہم کرنا ہونا چاہئے۔''

ایسے ہی خیالات کا اظہار انہوں نے 14 اگست 1949ء کو سنٹرل زنانہ کالج کی ایک تقریب میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا:

''پاکستان کی جدوجہد کوئی آسان معاملہ نہیں تھا۔ اس کے حصول کے لئے پورے

ہندوستان کے مسلمانوں کو نا قابل بیان مصائب اور تکلیفیں سہنا پڑی تھیں۔ مگر سرحد پار بسنے والے لاکھوں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں جنہوں نے ذوق وشوق کے ساتھ بے اندازہ مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں کبھی نہ بھلائی جاسکیں گی۔ یہ دن ہم کو اس بات کی یاددہانی کراتا ہے کہ ایک پر امید سال کے پرمسرت آغاز پر ہم ان مردوں، عورتوں اور بچوں کی قربانیوں کو فراموش نہ کریں جنہوں نے اپنی جان دے کر اس پرچم کو بلند کیا۔''

اسی طرح محترمہ فاطمہ جناحؒ نے 15 اگست 1949ء کو ڈاؤ میڈیکل کالج میں یومِ پاکستان کی دوسری سالگرہ پر فرمایا:

''پاکستان کا نعرہ بلند کرنے کی پاداش میں مرد، عورتیں اور بچے اپنے گھروں اور ٹھکانوں سے نکالے جانے لگے۔ ان کے ساتھ ان لاکھوں اشخاص کی آہیں بھی تھیں جو زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ بے شمار مردہ انسانوں کی اداس خاموشی میں اس بدقسمت انسانی ہجوم نے جس کے پیٹ خالی تھے پاکستان کا راستہ لیا۔ ان کا واحد قصور صرف یہ تھا کہ وہ مسلمان تھے۔ لاکھوں افراد نہایت قابل رحم حالت میں ہماری سرحدوں پر پہنچے۔''

اکتوبر 1953ء کو کراچی میں آل پاکستان مہاجر کنونشن ہوا تو مادرِ ملتؒ نے اس کے لئے جو پیغام بھجوایا وہ ان الفاظ پر مبنی تھا:

''مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ ان بہت ضروری مسئلوں میں سے ایک ہے جن کو ترجیحی بنیادوں پر حل کرنا چاہیے۔ قائداعظمؒ کی نگاہوں میں بھی مہاجرین کو فوری آباد کاری اہم ترین معاملہ تھی۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے سخت جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ہم مہاجروں کی ان گراں بہا قربانیوں کو نہیں بھول سکتے جو انہوں نے پاکستان کے قیام کی خاطر دی ہیں۔''

مہاجرین کے ساتھ اربابِ سیاست اور محکمہ بحالیات نے جو ناانصافیاں کیں اس کا

بھی محترمہ فاطمہ جناحؒ کو بے حد قلق تھا چنانچہ انہوں نے اپنے اس اعتراض کا کئی بار برملا اظہار کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے فروری 1957ء میں کراچی کے جہانگیر پارک میں منعقد ہونے والی مہاجر کلیم ہولڈر کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''صورت احوال یہ ہے کہ ہزارہا دکانیں اور مکانات، سینکڑوں کارخانے اور لاکھوں ایکڑ زرعی زمین ایسے افراد کے قبضہ میں ہے جو انصاف کے کسی معیار پر پورے نہیں اترتے۔ مہاجروں کے کلیموں کے فیصلوں میں تاخیر کا ایک اور برا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ متروکہ املاک برباد ہو رہی ہیں۔ نہ کوئی انہیں مرمت کرا رہا ہے اور نہ اچھی طرح سے ان کی دیکھ بھال ہو رہی ہے جس کے باعث ان دکانوں، فیکٹریوں، مکانوں اور زمینوں کی قدر و قیمت روز بروز کم ہو رہی ہے۔ انتظامیہ کی بے پرواہی اور حکومت کی آئے روز بدلنے والی پالیسیوں کے باعث آخر کار جب وہ دکانیں مکانات وغیرہ مہاجرین کو الاٹ ہوں گے تو اس وقت ان کی حالت نہایت خستہ اور مخدوش ہو چکی ہو گی لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت فوری طور پر ایک واضح اور یقینی پالیسی تشکیل دے کر جائز کلیم ہولڈروں کے حقوق انہیں دلائے۔''

مادرِ ملتؒ کو مہاجرین کی زبوں حالی کا احساس عمر بھر رہا۔ وہ جہاں غاصبوں، جعلی لیڈروں اور قوم دشمنوں کے قبیح عزائم سے قوم کو آگاہ کرتی رہیں وہاں پاکستان کے عوام کو سیاسی شعور بھی بخشتی رہیں۔ انہوں نے ہر موقع اور ہر قدم پر تشکیل پاکستان کے مقاصد سے قوم کو روشناس کرایا ان کی پوری کوشش تھی کہ یہاں کے بچے بوڑھے اور جوان سیاسی لحاظ سے اس قدر بالغ و باشعور ہو جائیں کہ کوئی طالع آزما ان کا استحصال نہ کر سکے۔ مہاجروں نے چونکہ پاکستان کے قیام میں بے پناہ مصائب برداشت کئے تھے اس لئے ان کا تذکرہ وہ خصوصی طور پر کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ اپنی وفات سے کچھ ماہ قبل تک بھی انہوں نے انہیں یاد رکھا اور 22 مارچ 1967ء کو عید الضحیٰ پر اپنے پیغام میں فرمایا:

”ہمیں اس وقت بہت سے مصائب کا سامنا ہے۔ مہاجرین سخت مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ گزشتہ ہفتے کے دوران دو روز تک جاری رہنے والی بارش مہاجرین کی عارضی رہائش گاہوں اوراس کے ساتھ ان کے مکینوں کو بھی بہا کر لے گئی۔ جس کے نتیجے میں غریب اور لاچار مہاجر چیخ و پکار کرتے رہے۔ حقیقت اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ نہایت افسوس ناک بات ہے کہ پاکستان کے قیام کے بیس برس بعد یہ المناک مسئلہ مکمل طور پر حل نہیں کیا جاسکا۔ حالانکہ چاہئے یہ کہ اس مسئلہ کے حل کو اس وقت دیگر معاملات پر ترجیح دی جائے۔“

یہ ہوتی ہے ایک مخلص، سچے اور عظیم رہنما کی نشانی کہ وہ زندگی کے کسی مرحلے پر قوم کی حالت زار سے غافل نہیں ہوتا۔ مادر ملتؒ نے قوم کے ہر طبقے کو ہمیشہ یاد رکھا جب کہ پاکستان وجود میں آتے ہی جو اشخاص اس کے وارث بن گئے انہوں نے صرف اپنے مفادات کو پیش نظر رکھا۔ انہوں نے اپنی دولت میں اضافہ کیا اپنی فیکٹریوں میں اضافہ کیا اپنی زمینوں میں اضافہ کیا۔

چھٹا باب

قائداعظمؒ کی تیمارداری

تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑائیں تو ایسی ایثار پیشہ شخصیات بہت کم دکھائی دیتی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی دوسروں کے لئے وقف کر دی۔ یہ صرف درویشوں کا کام رہا ہے۔ یا ان بندوں کا جن کے دل اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خدمت کے جذبے سے معمور کر دیئے ہوں۔ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی ان نیک انسانوں میں سے تھیں ۔ جو زندگی بھر دوسروں کی خاطر جیتے ہیں۔ مادر ملتؒ کی تمام زندگی کو دیکھیں تو وہ قربانیوں اور محبتوں سے آراستہ دکھائی دیتی ہے۔ وہ صرف اپنے عظیم بھائی قائداعظم محمد علی جناحؒ اور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے زندہ رہیں۔

قائداعظمؒ نے تو ان کی وفا کیشی اور انسانیت پرستی کا بارہا اعتراف کیا لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہماری قوم نے مادر ملتؒ کے احسانات کا کبھی کھلے دل سے اعتراف نہیں کیا۔ انہیں جب بھی یاد کیا گیا ان کا جب بھی تذکرہ آیا ہمیشہ انہیں قائدؒ کی ہمشیرہ کے طور پر یاد کیا گیا حالانکہ برصغیر کی جدوجہد آزادی میں اور پاکستان کی تعمیر و ترقی اور جمہوریت کی خاطر انہوں نے جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں اس کے حوالے سے ان کا مقام قائداعظمؒ ثانی کا بنتا ہے۔ مگر حکومت پر چونکہ جمہور دشمنوں نے قبضہ کر لیا تھا اس لئے انہوں نے مادرِ ملتؒ کے بارے میں ایک بھی کلمہ خیر نہ کہا۔

اگر قائداعظمؒ کی وفات حسرتِ آیات کے بعد مادرِ ملتؒ کو ملت کے رہنما کے طور پر اجاگر کیا جاتا ان کے اعزاز میں تقریبات برپا کی جاتیں انہیں سرکاری سطح پر القابات اور تمغوں سے نوازا جاتا تو بعد میں ملکی معیشت سیاست کا جو حال ہوا وہ کبھی نہ ہوتا، نہ غلام محمد جیسے بیوروکریٹ سیاستدانوں کے ساتھ فٹ بال کی مانند کھیلتے اور نہ ایوب خان جیسے ڈکٹیٹر سیاستدانوں کو قومی سیاست سے اٹھا کر باہر پھینکتے۔

بنیادی زیادتی مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کے ساتھ ان لوگوں نے کی جو قائداعظمؒ کی زندگی میں نافرمان ہو گئے تھے۔ اس ٹولے نے نہ صرف قائداعظمؒ کو موت کے منہ میں دھکیلا بلکہ مادرِ ملت کے سلسلے میں بھی غفلت برتی۔ اس عوام دشمن ٹولے نے مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کا جو مقام بنتا تھا وہ جان بوجھ کر انہیں نہ دیا۔

مادرِ ملتؒ اس لحاظ سے بھی عظیم خاتون ہیں کہ انہوں نے اپنوں کی تمام زیادتیوں اور منافقتوں کے باوجود پاکستانی عوام کے ساتھ اپنا ربط وضبط منقطع نہ کیا۔ دیکھا جائے تو انہیں ساری زندگی کچھ نہیں ملا تھا۔ سوائے صدموں، دکھوں اور چرکوں کے، سب سے بڑا صدمہ انہیں اپنے عظیم بھائی کی دائمی جدائی کی صورت میں برداشت کرنا پڑا۔

قائداعظمؒ کے آخری الفاظ جو انہوں نے محترمہ فاطمہ جناحؒ سے کہے تھے یہ تھے:

''فاطی.......... مجھے دلچسپی نہیں رہی کہ.......... میں زندہ رہوں.......... جتنی جلدی ممکن ہو سکے.......... میں رخصت ہو جاؤں.......؟''

یہ الفاظ صاف طور پر ان کے رنجیدہ، دل برداشتہ اور دکھی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ نے جب ان کی ہمت بندھانے کے لئے کہا:

''آپ بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر پُرامید ہیں۔''

تو قائد نے جواب دیا۔

''نہیں اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا''

ان الفاظ سے صاف طور پر قائد کے دلی جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ مایوسی سے لبریز الفاظ سن کر مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کے دل پر کیا بیتی ہوگی۔ اس کا تصور بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مادرِ ملتؒ کے صبر وضبط کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی تادم واپسیں حرف شکایت لب پر نہیں آنے دیا۔ محض

اس لئے کہ اس طرح ملت میں خلفشار پیدا ہو گا۔ اور ملکی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ جبکہ کوئی سیاسی لیڈر اگر طبعی موت بھی مر جائے تو اس کے ورثا چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ مادرِ ملتؒ نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا پر اُف تک نہ کی۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ نے یوں تو ہوش سنبھالتے ہی پیارے بھائی کے گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں لیکن اس وقت ان کے کاندھوں کا بوجھ اور بھی بڑھ گیا جب قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کی صدارت قبول کی۔ وہ جہاں قائداعظمؒ کے سیاسی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمہ تن مصروف رہتی تھیں وہاں قائداعظمؒ کی صحت وسلامتی کا بھی پورا دھیان رکھتی تھیں۔

قائداعظمؒ کی زندگی کے آخری دس سال انگریزوں اور ہندوؤں کے ساتھ جنگ لڑنے کے ساتھ ساتھ اپنی بیماری سے بھی نبرد آزمائی میں گزرے۔ ڈاکٹروں نے انہیں بتا دیا تھا کہ اس قدر زیادہ کام ان کی صحت کے لئے بہت مضر ہے۔ لیکن قائداعظمؒ پاکستان کے حصول میں اس درجے مصروف تھے کہ آرام کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں نکال پاتے تھے۔ مسلمانوں کا وطن حاصل کرنے کے واسطے وہ دن رات کام کرتے تھے۔ جس سے ان کی بیماری مسلسل بڑھتی گئی۔ ان کا وزن جو کبھی ایک سو بارہ پاؤنڈ تھا اب تیزی سے کم ہونے لگا۔ 1941ء میں ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور یہ اس بیماری کا آغاز تھا جس نے آخر کار ان کی جان لے لی۔

مادرِ ملتؒ اپنے بھائی کی روز بروز گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر بہت پریشان رہتی تھیں۔ اور بار بار ان سے آرام کرنے کو کہتی تھیں۔ ایک بار انہوں نے قائداعظمؒ کو تھکا تھکا اور مضمحل دیکھ کر انہیں آرام کا مشورہ دیا تو جواب میں قائداعظمؒ نے فرمایا:

''فاطمہ کیا تم نے کبھی یہ سنا ہے کہ ایک جرنیل چھٹی پر چلا جائے جب کہ اس کی فوج اپنی بقا اور سلامتی کی جنگ لڑ رہی ہو۔''

مادرِ ملت ؒ نے ڈاکٹروں سے معائنہ کرانے پر زور دیا تو قائد نے جواب میں کہا:

''ایک شخص کی موت کا کیا ہے۔ جب مجھ سے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی قسمت وابستہ ہے۔''

یہ واقعہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح ؒ نے آپ سنایا تھا۔انہوں نے بتایا:

''ہم بمبئی سے اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے دہلی جا رہے تھے۔ کچھ دنوں سے قائداعظم ؒ کو بخار آ رہا تھا۔انہوں نے کھانا کھایا اور بستر پر دراز ہو گئے اچانک انہوں نے بلند آواز سے آہیں بھرنا شروع کر دیں۔ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی شخص نے ان کے جسم کو گرم لوہے سے داغ دیا ہے۔میں جھٹ قریب پہنچی اور چیخ کی وجہ پوچھی۔

درد کی شدت نے ان کی قوت گویائی یوں سلب کر لی کہ وہ صرف اتنا کر سکے کہ ریڑھ کی ہڈی کی دائیں جانب اشارہ کیا۔ظاہر تھا کہ درد نا قابلِ برداشت تھا اور یہ بھی ظاہر تھا کہ چلتی ٹرین میں طبی امداد حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔درد کو کم کرنے کی خاطر میں نے متاثرہ مقام پر قدرے مالش کی لیکن اس سے درد بڑھ گیا۔میں نے مایوس ہو کر یہ کوشش ترک کر دی اور سوچا کہ گاڑی کسی سٹیشن پر کھڑی ہو تو سینک کے لئے گرم پانی کی بوتل حاصل کروں حسن اتفاق سے چند منٹ بعد ایک اسٹیشن آ گیا۔

میں نے گارڈ کو بلایا اور گرم پانی کی بوتل ایک کپڑے میں لپیٹ کر سینک کرنے لگی جس سے درد کی شدت کم ہوئی۔صبح سویرے ٹرین دہلی پہنچی۔گھر جا کر میں نے بھائی کو سہارا دے کر کار سے بستر تک پہنچایا اور فوراً ان کے ڈاکٹر کو فون کر کے بلایا۔ڈاکٹر نے پورے غور سے معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ یہ پھیپھڑوں میں پانی بھر جانے (پلورسی) کا حملہ ہے اور پندرہ دن تک بستر میں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔قائداعظم ؒ اس پر تشویش میں پڑ گئے کیونکہ انہیں مرکزی اسمبلی میں

ضروری کام کرنا تھا۔اس لئے انہوں نے دو دن آرام کیا اور اس کے بعد اسمبلی میں جا پہنچے۔ میں وزیٹرز گیلری سے انہیں دیکھ رہی تھی اور میرا خیال تھا کہ وہ چند منٹ بول سکیں گے لیکن وہ بولنے کے لئے کھڑے ہوئے تو پہلے تو ان کے چہرے پر بھی تھکن تھی اور آواز میں بھی۔مگر پھر رفتہ رفتہ وہی تندرستوں والی گرج پیدا ہو گئی اور دوسرے ارکان کی رکاوٹوں اور مداخلت کے باوجود ایک گھنٹہ بولتے رہے۔ جب ہم کار کے ذریعے گھر لوٹ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کانپ رہے ہیں اور انگلیوں میں سگریٹ مشکل سے ٹھہر رہا ہے۔گھر پہنچتے ہی وہ کپڑے بدلے بغیر بستر پر جا لیٹے۔‘‘

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ بتاتی ہیں کہ پلورسی کا وہ حملہ میرے خیال میں اس بیماری کا آغاز ثابت ہوا جو جان لیوا نکلی۔ اگر وہ ان دنوں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق آرام کرتے، احتیاط برتتے، سیاسی اور عوامی مصروفیات میں کمی کر دیتے تو عین ممکن تھا وہ مکمل طور پر تندرست ہو جاتے مگر قوم کے لئے وہ ایسا نہ کر سکے۔ چنانچہ بعد میں یہ کیفیت ہو گئی کہ انہیں معمولی سی سردی سے بخار اور کھانسی شروع ہو جاتی۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ ایک اور واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

’’اپریل 1941ء میں ہم آل انڈیا مسلم لیگ کے مدراس سیشن میں شرکت کرنے کے لئے ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ابھی مدراس پہنچنے میں چند گھنٹے تھے کہ میں نے دیکھا قائداعظمؒ اٹھ کر باتھ روم گئے لیکن میں یہ دیکھ بھونچکی رہ گئی کہ وہ ٹرین کے لکڑی کے بنے ہوئے فرش پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ میں جھٹ قریب پہنچی۔ پوچھا جناح کیا ہو گیا تھا؟

وہ تھکن زدہ مسکراہٹ کے ساتھ بولے کہ میں بہت کمزوری محسوس کرتا ہوں۔ انہوں نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور مشکل سے کھڑا ہو کر برتھ پر پہنچے۔خوش قسمتی سے سٹیشن جلد آ گیا۔لوگوں کا جم غفیر نعرے لگاتا آگے بڑھا میں نے ہجوم کو

قائد کی حالت سے آگاہ کر کے متنبہ کیا اور ڈاکٹر کو بلایا۔ چند منٹ کے اندر ڈاکٹر آ پہنچا اور اس نے معائنہ کر کے کہا اعصاب کا ایک نہایت خفیف سا بریک ڈاؤن تھا۔ انہیں ایک ہفتہ تک بستر میں آرام کرنا چاہئے مگر قائداعظمؒ نے فرض کو ترجیح دی اور مجھ سے کہا کہ

''میں صدارتی خطبہ ضرور دوں گا۔ صرف چند منٹ بولوں گا''۔ پر وہ جب بولنے پر آئے تو مسلسل دو گھنٹے تک سیاسی صورت حالات کا مدلل تجزیہ کرتے رہے۔

انہوں نے کبھی اپنی بیماری کی پرواہ نہ کی۔ وہ ہجوم میں داخل ہوتے۔ نعروں کا ہاتھ ہلا ہلا کر جواب دیتے۔ مگر اپنی توانائی کو محفوظ رکھنے کی خاطر بہت کم گفتگو کرتے۔ البتہ تقریر دھڑلے سے کرتے اور لوگوں پر اپنی بیماری ظاہر نہ ہونے دیتے۔ پھر جب گھر لوٹتے تو آتے ہی کانپتے کانپتے اپنے بستر پر دراز ہو جاتے جب کہ اس وقت ان کا سانس پھولا ہوا ہوتا۔ خوش قسمتی سے ان کی حالت یہ تھی کہ بستر پر دراز ہوتے ہی انہیں نیند آ جاتی تھی۔ اس سے انہیں کچھ وقت آرام مل جاتا تھا اور پھر تازہ دم ہو کر ملت کی خدمت کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ اسی کیفیت میں ان کے شب و روز گزرتے۔ کبھی انہیں بخار ہو جاتا اور کبھی اتر جاتا۔ لیکن اپنی اس حالت کی حتی الامکان وہ کسی کو خبر نہیں ہونے دیتے تھے۔''

مادرِ ملتؒ کے اس طویل بیان سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قائداعظمؒ کو اپنی قوم اور اپنے مشن سے کس درجہ لگاؤ تھا وہاں یہ بھی حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ مادرِ ملتؒ کو اپنے بھائی سے کس قدر پیار تھا۔ وہ ان کی صحت کے بارے میں ہر وقت متوحش اور متفکر رہتی تھیں۔ وہ ان کی صرف بہن ہی نہیں ڈاکٹر اور نرس بھی تھیں۔ محافظ اور نگہبان بھی تھیں۔

26 جولائی 1943ء کو بمبئی میں ایک خاکسار نے قائداعظمؒ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اس حملے میں اپنا دفاع کرتے ہوئے قائداعظمؒ کو ٹھوڑی اور ہاتھ پر زخم آئے

تھے۔ اس حملے کے فوراً بعد جو لوگ قائداعظمؒ کے پاس پہنچے ان میں محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی شامل تھیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بھائی کو ابتدائی طبّی امداد دی۔ اس کے بعد ڈاکٹر نے آ کر قائداعظمؒ کو دیکھا۔ اسی طرح 1946ء میں قائداعظمؒ پر شملہ میں قلبی ورم کا حملہ ہوا تو فاطمہ جناحؒ نے دوران سفر ریل گاڑی میں تکلیف بڑھ جانے پر ڈاکٹر پٹیل کو بلا کر اپنے بھائی کا معائنہ کرایا۔ یوں مادرِ ملتؒ نے قدم قدم پر ثابت کیا کہ وہ اپنے بھائی سے بے پناہ محبت کرتی ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد قائداعظمؒ کی مصروفیات میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ جنہوں نے ان کی صحت پر شدید اثر ڈالا۔ اب وہ بستر پر دراز ہوتے بھی تو انہیں نیند نہ آتی بلکہ وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہتے۔ اس سے ان کی کھانسی بڑھ گئی۔ بخار میں بھی اضافہ ہو گیا۔

مادرِ ملتؒ نے ان کے ذاتی معالج ڈاکٹر کرنل رحمان سے ان کا معائنہ کرایا تو انہوں نے قائداعظمؒ کا چیک اپ کر کے ملیریا تشخیص کیا۔ اور انہیں مکمل علاج کے ساتھ ساتھ مکمل آرام کا مشورہ دیا مگر قائداعظمؒ نے اپنے معمولات جاری رکھے جس سے ان کا مرض بڑھتا چلا گیا۔ اب تھوڑا سا بھی بولتے تو ان کا سانس پھول جاتا وسرے ان کی کھانسی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ 6 جولائی 1948ء کو مادرِ ملتؒ اپنے قائد اپنے بھائی کو بغرض آرام کوئٹہ لے گئیں۔ مگر قائداعظمؒ نے وہاں بھی آرام نہ کیا بلکہ کام جاری رکھا۔

قائداعظمؒ کے معالجین ان کی بیماری میں اضافے سے سخت پریشان تھے۔ بھائی کی دیکھ بھال کا تمام انتظام مادرِ ملتؒ کے ہاتھ میں تھا۔ ڈاکٹر ریاض اور کرنل الٰہی بخش نے قائداعظمؒ کی لمبی بیماری کی تشخیص کے بعد جب انہیں بیماری سے متعلق تفصیل سے آگاہ کیا گیا تو قائداعظمؒ نے پوچھا۔ آپ نے مس جناحؒ کو تو نہیں بتایا۔

جب ڈاکٹر نے جواب میں کہا کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو ہم پہلے ہی اس حقیقت سے آگاہ کر چکے ہیں تو قائداعظمؒ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا:

''مس فاطمہ کو یہ نہیں بتانا چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ ایک عورت ہے۔''

اس دوران میں قائداعظمؒ کی بیماری میں شدت پیدا ہوگئی تو فیصلہ کیا گیا کہ انہیں کوئٹہ سے چند میل دور زیارت کے مقام پر منتقل کر دیا جائے۔ زیارت کوئٹہ کی نسبت سرد علاقہ تھا۔ یہاں قائداعظمؒ کو قدرے آرام اور سکون مل سکتا تھا۔ زیارت میں قائداعظمؒ کے ایک اے ڈی سی لیفٹیننٹ مظہر احمد بھی محترمہ فاطمہ جناحؒ کے ساتھ قائداعظمؒ کی تیمارداری کر رہے تھے۔ انہوں نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کی بھائی سے محبت کا ان الفاظ میں ذکر کیا:

''فاطمہ جناحؒ جو برسوں سے اپنے بھائی کی وجہ سے غم گسار اور رفیق کار تھیں جس طرح اس بیماری میں ان کی تیمارداری کر رہی تھیں وہ ایک بہن ہی کا حصہ ہے۔ اکثر یوں ہوتا کہ قائداعظمؒ کی دیکھ بھال میں یا ان سے باتیں کرتے ہوئے اور انہیں کچھ پڑھ کر سناتے ہوئے وہ کئی کئی راتیں جاگ کر گزار دیتیں۔ قائداعظمؒ کو اپنی بہن سے جس قدر محبت تھی۔ بہن نے بھی اس کا حق ادا کر دیا۔''

علاج جاری تھا ڈاکٹروں نے ایک نرس تیمارداری کے لئے رکھنے کا مشورہ دیا لیکن قائداعظمؒ نے کہا کہ ان کی تیمارداری اس وقت بھی بہتر طور پر ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظمؒ کی دیکھ بھال کی تمام ذمہ داری محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اٹھا رکھی تھی۔ ظاہر ہے کہ بہن سے زیادہ بھائی کی خدمت کون کر سکتا تھا۔ وہ دن رات بھائی کی خدمت کرنے گزارتیں ان کی بے آرامی کو دیکھ کر قائداعظمؒ نے اپنا فیصلہ تبدیل کر لیا اور ڈاکٹروں کو نرس کی خدمات حاصل کرنے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ ایک تجربہ کار نرس مسز نیتھینیل کو قائداعظمؒ کی دیکھ بھال کا فرض سونپ دیا گیا۔ لیکن محترمہ فاطمہ جناحؒ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہ ہوئیں۔ وہ حسب معمول سارا کام

اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ بھائی کی خوراک اپنے سامنے تیار کراتیں۔ نرس ٹمپریچر لینے لگتیں تو پہلے انہیں ہاتھ دھونے کی تاکید کرتیں۔ اور صفائی اور حفاظانِ صحت کے اصولوں کا خاص خیال رکھتیں۔ مسلسل جاگتے رہنے سے ان کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں لیکن وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے عظیم بھائی سے جدا ہونا پسند نہ کرتیں۔ ان کا ایک ایک لمحہ بے چینی میں گزرتا ڈاکٹر ان سے کہتے آپ آرام کریں ہم بابائے ملت کی زندگی کے محافظ ہیں لیکن مادرِ ملتؒ جواب دیتیں میں تو خود اپنی تیمارداری کر رہی ہوں میں بھائی سے کیسے الگ ہو سکتی ہوں۔

قائداعظمؒ کی علالت نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کی مصروفیات اور تفکرات میں اضافہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر انہیں بیماری کی نوعیت سے آگاہ کر چکے تھے۔ جس سے انکی بے چینی اور بڑھ گئی تھی۔ وہ رات کو کئی کئی مرتبہ اٹھ کر قائداعظمؒ کے کمرے میں جھانکتیں اگر محسوس کرتیں کہ بھائی کی طبیعت پرسکون نہیں ہے تو نرس کو جگانے کی بجائے خود بھائی کے کمرے میں آکر آکسیجن لگاتیں۔

مسز مینتھینل بتاتی ہیں کہ فاطمہ جناحؒ کے خلوص، محبت اور عقیدت کے اس جذبے نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میرے لئے یہ بات بھی حیرت انگیز تھی کہ لاغر اور دبلی پتلی ہونے کے باوجود وہ شب و روز مسلسل کس طرح تیمارداری کا فرض ادا کر رہی ہیں۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ کی اس ہمہ وقت تیمارداری اور رت جگوں کو دیکھ کر ایک روز قائداعظمؒ کے ڈاکٹروں نے ان سے کہا:

''ہم اپنے قومی باپ کی صحت کے ذمہ دار ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم پر اعتماد کریں۔''

مگر مادرِ ملتؒ نے جواب دیا۔

''میری زندگی میری اپنی نہیں ہے۔ میں نے اپنی زندگی اپنے پیارے بھائی کے

حوالے کر دی ہے۔ میں تو اب یہ محسوس کرتی ہوں جیسے میں قائداعظمؒ کی تیمارداری نہیں کر رہی ہوں بلکہ اپنی تیمارداری کر رہی ہوں۔''

مادرِ ملتؒ نے اپنے آپ کو صرف تیمارداری کے لئے وقف نہیں کیا تھا بلکہ ان دنوں وہ قائداعظمؒ کی معاون خصوصی کے فرائض بھی انجام دے رہی تھیں۔ وہ قائداعظمؒ کے نام آنے والی ڈاک کا روزانہ مطالعہ کرتیں۔ ضروری فائلیں دیکھتیں اور بھائی کو اہم اہم حصے پڑھ کر سناتیں۔ پھر قائداعظمؒ کی ہدایت کے مطابق ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کو ان کی رائے سے مطلع کرتیں تا کہ وہ ضروری امور کا جواب تیار کر سکے۔ اس کے علاوہ رات دن بھائی کی طبیعت کو بشاش رکھنے کے لئے ان سے باتوں میں مصروف رہتیں۔ ملک بھر سے نامور سیاسی اور سماجی شخصیتیں قائداعظمؒ کی مزاج پرسی کے لئے آ رہی تھیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ پہلے خود ان سے ملاقات کرتیں اور مناسب موقع دیکھ کر قائد سے ان کی ملاقات کا بندوبست کرتیں۔

مسز نیتھینل کہتی ہیں:

''محترمہ فاطمہ جناح چوبیس گھنٹے اپنے بھائی کی تیمارداری کے لئے حاضر و مستعد رہتی تھیں۔ بھائی کا کھانا وہ اپنی نگرانی میں پکواتیں اور خود اپنے سامنے کھلاتیں۔ میرے کام کی نگرانی بھی مس فاطمہ آپ کرتی تھیں۔ وہ صفائی اور حفظان صحت کے اصولوں کی سختی سے پابند تھیں۔ میں جب بھی درجہ حرارت معلوم کرنے کے لئے قائداعظمؒ کے قریب جاتی وہ فوراً وہاں آ جاتیں۔ اور پہلے اپنی نگرانی میں میرے ہاتھ اچھی طرح دھلواتیں پھر تھرمامیٹر کو ہاتھ لگانے یا قائداعظمؒ کی نبض دیکھنے کی اجازت دیتیں۔''

اگرچہ کسی شخص کو قائداعظمؒ سے ملاقات کی اجازت نہ تھی مگر جب واشنگٹن میں متعین ہمارے سفیر جناب حسن اصفہانی زیارت میں ہمارے ہاں آئے تو قائد ان سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ جناب اصفہانی کئی برس سے قائد کے قریبی ساتھیوں

اور معتمدین میں سے تھے وہ جب اپنے رہنما سے ملاقات کر کے نیچے آئے تو زارو قطار رونے لگے۔

مسٹر اصفہانی غالباً اس منظر کی تاب نہ لا سکے تھے کہ بہت سے معرکوں میں سرخرو ہونے والا آہنی عزم وارادے والا شخص یوں بے بسی اور لاچاری کے ساتھ بستر علالت پر پڑا تھا اور نہایت کمزور انداز میں جینے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر الٰہی بخش سے کہا تھا کہ اگر ضرورت ہو تو وہ امریکہ سے طبی ماہرین اور ادویات بھی قائد کے علاج کے لئے بخوشی بھجوا سکتے ہیں۔ اس پر مسٹر اصفہانی کو بتایا گیا کہ اگر ایسا ضروری سمجھا گیا تو ڈاکٹر صاحبان اس کے لئے بخوشی درخواست کریں گے۔

جولائی کے آخر میں وزیراعظم لیاقت علی خان پیشگی اطلاع کے بغیر چوہدری محمد علی کے ساتھ زیارت پہنچ گئے۔ انہوں نے ڈاکٹر الٰہی بخش سے قائد کی صحت اور علاج کے بارے میں دریافت کیا۔ ڈاکٹر نے کہا چونکہ انہیں میں نے قائد کے علاج کے لئے بلایا ہے اس لئے وہ مریض کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار صرف مجھ سے کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹروں کا یہ جواب سُن کر لیاقت علی خان نے کہا:

''لیکن وزیراعظم کی حیثیت سے میں ان کی صحت کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہوں''

اس پر ڈاکٹر نے نہایت نرمی سے جواب دیا۔ ''ٹھیک ہے جناب۔ لیکن میں مریض کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔''

جس وقت قائد کو یہ اطلاع دی گئی کہ وزیراعظم اور سیکرٹری جنرل ان سے ملنا چاہتے ہیں میں قائداعظمؒ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ قائد نے چند منٹ توقف کے بعد کہا۔ ''نیچے جاؤ۔ وزیراعظم سے کہو میں ان سے ملاقات کے لئے تیار ہوں۔''

''جی'' ۔ میں نے پریشان ہو کر کہا۔ ''رات بہت ہو گئی ہے انہیں صبح مل لینا''

''نہیں ۔ انہیں اسی وقت آنے دو''

دو دونوں تقریباً آدھے گھنٹے تک قائد کے ساتھ رہے پھر جوں ہی لیاقت علی خان نیچے آئے میں اپنے بھائی کے پاس اوپر پہنچی ۔اس وقت وہ بے حد تھکے ہوئے تھے۔چہرے پر نقاہت طاری تھی۔انہوں نے پھلوں کا شربت مانگا اور کہا:

''مسٹر محمد علی کو بھیج دو''

کابینہ کے سیکرٹری جنرل مسٹر محمد علی کوئی پندرہ بیس منٹ ان کیساتھ رہے اس کے بعد جب قائد اکیلے ہوئے تو میں پھر ان کے پاس گئی ۔ میں نے ان سے معلوم کیا کہ وہ جوس لیں گے یا کافی ۔لیکن اس وقت ان کا ذہن کچھ سوچنے میں اتنا مصروف تھا کہ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔رات کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا اور انہوں نے مجھ سے کہا:

''بہتر ہے۔تم نیچے جاؤ۔اور ان کے ساتھ ڈنر کرو''

''نہیں ۔''میں نے کہا۔''میں آپ کے پاس رہوں گی ۔اور یہیں کھانا کھاؤں گی ۔''

''نہیں ۔ یہ بات ٹھیک نہیں ۔ وہ لوگ یہاں ہمارے مہمان ہیں ۔ جاؤ۔ان کے ساتھ کھانا کھاؤ۔''قائد نے اصرار کیا۔

14 اگست کا دن جب ہماری قوم اپنی آزادی کی پہلی سالگرہ منانے والی تھی قریب آ رہا تھا۔قائداعظمؒ ڈاکٹروں کے مشورے کو پس پشت ڈال کر اس پیغام کے بارے میں غور و فکر کر رہے تھے جو وہ اس موقع پر دینا چاہتے تھے۔گرتی ہوئی اور جواب دیتی ہوئی صحت کے باوجود وہ اس پیغام کی تیاری میں مصروف تھے ۔ یوم آزادی پر جو پیغام ان کی طرف سے جاری ہونے والا تھا اس میں کہا گیا تھا:

''یاد رکھیئے کہ قیام پاکستان ایک ایسی حقیقت ہے جس کی تاریخ عالم میں کوئی اور نظیر نہیں ملتی ۔ مجھے اپنے عوام پر مکمل بھروسہ اور اعتماد ہے۔ ہمارے دشمن جو اس نئی مملکت کا گلا اس کے قیام کے فوراً بعد ہی مختلف ذرائع سے گھونٹ دینا چاہتے تھے اب اپنا

دلی مقصد اقتصادی جوڑ توڑ کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بغض و عناد اور نفرت و کدورت کے منفی جذبات پر مبنی جس قدر دلائل دے سکتے ہیں اور بد خواہی کے جو ہتھکنڈے استعمال کر سکتے ہیں ان سے کام لے کر ان دشمنوں نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ پاکستان دیوالیہ ہو جائے گا۔ دشمن جو مقصد اپنی تلوار اور پینتروں سے حاصل نہیں کر سکا وہ بد حال معیشت کے ذریعہ حاصل ہو جائے گا۔ مگر ان تمام پیغمبرانِ تلبیس کی یہ باتیں قطعی غلط ثابت ہوئیں۔ ہمارا پہلا بجٹ بچت کا بجٹ تھا۔ توازن تجارت ہمارے حق میں ہے۔ اور اقتصادی شعبے میں مستقل اور ہمہ جہت بہتری ہو رہی ہے۔"

چند دن بعد ڈاکٹروں نے تشخیص کیا کہ قائد کے خون کا دباؤ بہت کم ہو گیا ہے۔ ان کے پیروں پر ورم آ گیا ہے۔ اور انہیں پیشاب بھی کم آنے لگا ہے۔ طویل صلاح و مشورے کے بعد ڈاکٹروں نے مجھ سے کہا کہ قائد کا دل اور گردے کمزور ہو گئے ہیں۔ ایسی صورت میں زیارت کی بلندی ان کی طبیعت کے موافق نہیں رہی۔ قائد بھی ڈاکٹروں کے اس خیال سے متفق ہو گئے لیکن ان کا اصرار یہی تھا کہ انہیں چودہ اگست کے بعد کوئٹہ منتقل کیا جائے۔ یعنی نوزائیدہ مملکت کی آزادی کی پہلی سالگرہ منائے جانے کے بعد۔ لیکن ڈاکٹر اس وقت تک انتظار کے لئے تیار نہ تھے چنانچہ ہم نے تیرہ اگست کو زیارت سے کوئٹہ روانہ ہونے کی تیاری کر لی۔ جونہی ہم کوئٹہ ریزیڈنسی پہنچے جہاں ہمیں قیام کرنا تھا ڈاکٹروں نے ان کا معائنہ کیا اور مجھے یقین دلایا کہ قائد نے سفر کی تھکن بخوبی برداشت کر لی ہے۔ چند گھنٹے بعد قائد نے ڈاکٹروں سے کہا:

"میں یہاں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ زیارت میں سانس لینا بھی دوبھر تھا۔"

ان کی حالت سنبھلنے لگی تو ڈاکٹر الٰہی بخش نے تجویز کیا کہ وہ روزانہ ایک گھنٹہ اپنی فائلیں دیکھ سکتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے یہ مشورہ اس لئے دیا کہ ان کے نزدیک

قائد کے فعال ذہن کو کسی کام میں مصروف رکھنا ہی قائد کے لئے بہتر تھا اس طرح ان کا دھیان بٹ سکتا تھا اور وہ ہر وقت اپنی صحت کی طرف سے تشویش میں مبتلا نہیں رہ سکتے تھے۔

قائد بہت خوش تھے۔انہوں نے اس آزادی کو بخوبی قبول کیا۔چند دن بعد ڈاکٹروں نے ان سے کہا کہ وہ بستر سے اٹھ کر روزانہ انکی مدد سے اپنے کمرے میں چند قدم چلا کریں تاکہ اس کے نتیجے میں ان کا دوران خون بہتر ہو سکے۔انہوں نے مسکراتے ہوئے یہ تجویز قبول کر لی وہ اس بات پر خوش تھے کہ کئی ہفتوں کے بعد ایک بار پھر وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں گے اور بستر علالت پر ہی دراز نہیں رہیں گے اس بات سے میرے دل کو بڑی تقویت پہنچتی تھی کہ جدوجہد کے آثار اب بھی ان میں تھے۔پھر ایک دن جب انہوں نے یہ کہانی سُنائی تو امید قوی تر ہوگئی:

''جانتے ہو ڈاکٹر۔میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں۔ایک عورت تھی جس نے اپنے ڈاکٹر کو بتایا کہ وہ چل پھر نہیں سکتی وہ بیمار تھی اور کئی مہینوں سے بستر پر دراز تھی۔ ڈاکٹروں نے کہا اب وہ صحت یاب ہو چکی ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ بستر چھوڑ دے اور چلنا پھرنا شروع کر دے لیکن ڈاکٹروں کی تمام تر درخواستوں کے باوجود وہ چلنے پھرنے پر تیار نہ ہوئی پھر ایک اور ڈاکٹر آیا اس نے عورت کا معائنہ کیا اور اس نے بھی یہی مشورہ دیا۔

اتنا کہہ کر قائد رکے وہ تھک گئے تھے ان کا سانس پھول گیا تھا۔چند لمحے توقف کے بعد انہوں نے کہا۔

''تب ایک اور ڈاکٹر آیا اور اس نے عورت کی لاعلمی میں ایک جلتا ہوا اسٹوو اس کے بستر کے نیچے رکھ دیا۔عورت کو جلد ہی احساس ہوگیا کہ اس کا بستر بس آگ پکڑنے والا ہے۔وہ چیختی ہوئی اپنے بستر سے نکل بھاگی۔یہ گفتگو سن کر ہم خوب ہنسے اور قائد نے خوش دلی سے کہا:

''ڈاکٹر کیا تم بھی میرے ساتھ یہی کرنا چاہتے ہو۔''

چند لمحے ٹھہر کر انہوں نے پھر کہا۔ ڈاکٹر میں سگریٹ پینے کا عادی ہوں۔ کئی دن سے میں نے سگریٹ نہیں پی۔ کیا میں سگریٹ پی سکتا ہوں؟۔ ڈاکٹر الٰہی بخش نے کہا۔ جی ہاں جناب۔ روزانہ صرف ایک سگریٹ پی لیا کریں لیکن دھواں اندر نہ لیں۔''

میں ان کے پسندیدہ برانڈ کے سگریٹ کریون اے کا ڈبہ لے کر آئی۔ وہ ہمیشہ سے بلا کے سگریٹ نوش تھے۔ روزانہ تقریباً پچاس سگریٹ پیا کرتے تھے۔ شام کو جب ڈاکٹر آیا تو اس وقت ایش ٹرے میں سگریٹ کے پانچ ٹوٹے پڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے استفہامیہ انداز میں اپنے مریض کی طرف دیکھا اور قائد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہاں ڈاکٹر میں نے پانچ سیگریٹ پیئے ہیں لیکن دھواں اندر نہیں لیا۔ یہ کہہ وہ زور سے ہنسے۔

وہ کسی بچے کی طرح خوش تھے۔ اس سال عیدالفطر ستائیس اگست کو آرہی تھی اور وہ قوم کے نام اپنا پیغام تیار کرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے اپنی طویل سیاسی زندگی کے دوران سینکڑوں سیاسی تقریریں تیار کی تھیں لیکن یہ ان کی آخری تقریر ثابت ہوئی۔

اگست کے اواخر میں قائداعظمؒ پر اچانک مایوسی کا غلبہ ہو گیا ایک دن میری آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا:

''فاطمہ اب مجھے زندہ رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جتنی جلدی میں چلا جاؤں اتنا ہی بہتر ہے۔''

یہ نہایت مایوس کن اور منحوس الفاظ تھے۔ میں دھک سے رہ گئی یوں جیسے میں نے بجلی کا ننگا تار پکڑ لیا ہو پھر بھی میں نے صبر وضبط سے کام لیا اور کہا

''جن! تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے ڈاکٹروں کو پوری امید ہے۔''

میری یہ بات سُن کر وہ مسکرائے اس مسکراہٹ میں مرونی چھپی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔

یکم ستمبر کو ڈاکٹر الٰہی بخش نے گھمبیر لہجے میں مجھے بتایا:

''قائداعظم کو ہیمرج ہو گیا ہے میں بہت پریشان ہوں ہمیں انہیں کراچی لے جانا چاہئے۔ کوئٹہ کی بلندی ان کے لئے اچھی نہیں ہے۔''

غرض قائد کی صحت بگڑتی چلی گئی۔ پانچ ستمبر کو ان کے بلغم کا معائنہ کرنے والے ڈاکٹروں نے بتایا کہ بلغم میں نمونیہ کے جراثیم موجود ہیں۔ ان کے خون میں انفکشن کی علامات بھی پائی گئیں۔ ان کو سانس لینے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ سات ستمبر کو میں نے مسٹر اصفہانی کو واشنگٹن فون کیا کہ وہ امریکی ماہرین کو فوراً بذریعہ طیارہ بھیجیں ان ماہرین کے نام ڈاکٹر ریاض نے تجویز کئے تھے۔

اگلے روز میں نے کراچی کے ڈاکٹر محمد علی مستری کو فون کیا کہ وہ فوراً کوئٹہ پہنچیں۔ ادھر ڈاکٹروں کے درمیان ایک اور کانفرنس ہوئی۔ انہوں نے صورتحال کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا کہ اب قائد کو فوراً کراچی منتقل کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ کوئٹہ کی بلندی ان کے کمزور دل کے لئے مناسب نہ تھی۔ ڈاکٹروں نے بڑے بھاری دل کے ساتھ مجھے اطلاع دی کہ اب کوئی امید باقی نہیں اور صرف کوئی معجزہ ہی انہیں بچا سکتا ہے۔

ساتواں باب

قائداعظمؒ کی رحلت کا صدمہ

مادرِ ملتؒ نے قائداعظمؒ کی خاطر دن کا آرام اور رات کی نیند حرام کر لی تھی۔ وہ ایک طرف پیارے بھائی کی بگڑتی ہوئی صحت کو دیکھ کر پریشان تھیں اور دوسری طرف بڑے صبر وضبط اور حوصلے سے تمام صورتحال کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ کوئٹہ میں بھی قائداعظمؒ کی طبیعت نہ سنبھلی تو ڈاکٹروں نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ قائداعظمؒ کو فوری طور پر کراچی منتقل کر دینا چاہئے۔

چنانچہ گیارہ ستمبر کو دو بجے قائداعظمؒ کو سٹریچر کے ذریعے ہوائی جہاز پر سوار کیا گیا۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ اور نرس سسٹر ڈن ہیم بھی اسی جہاز میں سوار ہوئیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ ایک پل کے لئے بھی بھائی سے جدا ہونے کو تیار نہیں تھیں۔ انہوں نے زیارت میں اور پھر کوئٹہ میں جس محبت سے قائد کی دیکھ بھال کی تھی اس پر ڈاکٹر اور ان کا معاون عملہ بھی عش عش کر اٹھا۔

جب میں نے اپنے بھائی کو ڈاکٹروں کے مشورے سے آگاہ کیا کہ انہیں کراچی لے جایا جائے تاکہ وہ کوئٹہ کی بلندی سے دور رہ سکیں تو انہوں نے کہا:

''ہاں مجھے کراچی لے چلو۔ میں وہیں پیدا ہوا تھا۔ میں وہیں دفن ہونا چاہتا ہوں۔''

انکی آنکھیں بند ہو گئیں اور میں ان کے قریب پٹی سے لگی بیٹھی رہی۔ وہ بے ہوش تھے اور اس بے ہوشی کے عالم میں بھی میں ان کے خیالوں کی بازگشت سنتی رہی۔ کشمیر ...... انہیں فیصلہ کرنے کا حق دو۔ آئین......... میں اسے مکمل کروں گا۔ بہت جلد مہاجرین........ ان کی ہر طرح مدد کرو۔ پاکستان.........؟

قائداعظمؒ کا ہوائی جہاز جب کوئٹہ سے کراچی کی جانب روانہ ہوا تو محترمہ فاطمہ جناحؒ مستقبل کے اندیشوں سے نڈھال ہو گئیں۔ ان کی نظروں کے سامنے

وہ سارا عرصہ بوند بوند ہو کر ٹپکنے لگا جو انہوں نے پیارے بھائی کی معیت میں گزارا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اپنے اعصاب مضبوط رکھے اور دورانِ پرواز قائداعظم کو آکسیجن دیتی رہیں۔ لیکن ان کی یہ تمام محنت رائیگاں گئی اور قائداعظم کا کراچی پہنچتے ہی انتقال ہوگیا۔

اس سارے المیے سے متعلق انہوں نے ایک مضمون ''میرا بھائی'' میں تفصیل سے اظہارِ خیال کیا۔ وہ مضمون جناب پروفیسر شریف المجاہد کی کتاب میں شامل ہے یہاں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جسے خواجہ رضی حیدر نے کیا اور کراچی کے ہفت روزہ اخبارِ جہاں نے اپنی 5-11 ستمبر 1994ء کی اشاعتوں میں شائع کیا۔ پروفیسر شریف المجاہد شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حقیقت کو تاریخ میں محفوظ کر دیا ہے۔ مادرِ ملتؒ لکھتی ہیں:

''میں جب کراچی میں اس مزار کو خشت بہ خشت بلند ہوتے دیکھتی ہوں جو میرے بھائی کی باقیات فانی پر سایہ فگن ہو رہا ہے تو میرے ذہن میں ہفتہ 11 ستمبر 1947ء کے اس دن کی اذیت ناک یادیں غول در غول وارد ہونے لگتی ہیں۔ جب میں اپنے بھائی سے ہمیشہ کے لئے محروم اور میری قوم یتیم ہوگئی تھی میں چونکہ چالیس سال تک اپنے بھائی کی شریک سفر رہی تھی اسی لئے میں نے فیصلہ کیا کہ ان کی زندگی کو اس طرح پیش کروں جیسا کہ میں نے دیکھا تھا۔ چنانچہ اس ذہنی کاوش میں مصروف ہونے سے قبل میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں ان کی قبر پر جاؤں۔ فاتحہ پڑھوں عقیدت کے پھول چڑھاؤں اور محبت کے چند آنسو نچھاور کروں۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو جو بہت پیارے ہوتے ہیں جنہیں چاہا جاتا ہے اور جو مرکز محبت ہوتے ہیں اور پھر وہ جدا ہو کر خالق حقیقی سے جا ملتے ہیں تو ایسے پیاروں کو بھلا اس کے سوا کوئی اور دے بھی کیا سکتا ہے۔

گورنر جنرل کے وائی کنگ طیارے کو فوری طور پر کوئٹہ پرواز کا حکم دے دیا گیا

تھا اور ڈاکٹروں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گیارہ ستمبر کو بعد دوپہر دو بجے کراچی واپس جانے کے لئے ہم ائیر پورٹ پر ہوں گے جب انہیں ایک سٹریچر پر ڈال کر وائی کنگ کے کیبن میں لے جایا جا رہا تھا تو طیارے کا کیپٹن اور عملہ انہیں سلامی دینے کے لئے ایک قطار میں کھڑا تھا۔ قائد نے بمشکل تمام اپنا کمزور ہاتھ اٹھا کر ان کے سلام کا جواب دیا۔

ہم نے ان کو احترام کے ساتھ ان نشستوں پر لٹا دیا جنہیں اگلے کیبن میں ایک عارضی بستر کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ ان کے ساتھ میں، ڈاکٹر مستری اور سسٹر نہم بیٹھے تھے۔ پائلٹ نے ہمیں خبردار کیا کہ کچھ وقفے کے لئے اس طیارے کو سات ہزار فٹ کی بلندی پر اڑانا ہوگا۔ اور جوں ہی طیارہ بلوچستان کا پہاڑی علاقہ پار کرے گا وہ طیارے کو پھر پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر لے آئے گا۔ آکسیجن سیلنڈر اور گیس ماسک تیار تھے۔ زیادہ بلندی پر انہیں آکسیجن دینی تھی۔ ہم جلدی فضا میں بلند ہو گئے۔ طیارہ بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔ قائد کو سانس لینے میں وقت محسوس ہوئی تو میں نے گیس ماسک ان کے منہ میں لگا دیا۔ کچھ دیر تک وہ آکسیجن لیتے رہے اور پھر کمزور ہاتھ سے ماسک کو ہٹا دیا اور مجھے یوں دیکھا گویا وہ کہہ رہے ہوں۔

سب کچھ بیکار ہے۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

میں نے ڈاکٹر مستری سے کہا کہ وہ ڈاکٹر الٰہی بخش کو بلا لائیں اور پھر مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ ڈاکٹر الٰہی بخش انہیں آکسیجن لینے پر رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اپنی تمام زندگی میں اس سے پریشان کن سفر میں نے کبھی نہیں کیا۔ دو گھنٹے کی پرواز کے بعد ہم سہ پہر سوا چار بجے ماری پور ائیر پورٹ پر اترے۔ یہ وہی ائیر پورٹ تھا جہاں ایک سال قبل وہ نہایت پر اعتماد انداز میں اور اس امید کے ساتھ اترے تھے کہ وہ پاکستان کو عظیم ملک بنائیں گے اس وقت ائیر

پورٹ پر ہزاروں افراد جن میں کابینہ کے وزرا اور سفارتی مشنوں کے ارکان بھی شامل تھے ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ لیکن اس دن جیسا کہ پہلے ہدایت کردی گئی تھی ہوائی اڈے پر کوئی نہ تھا۔

جونہی ہم طیارے سے باہر آئے گورنر جنرل کے ملٹری سیکرٹری جیوفری ناولز نے ہمارا استقبال کیا۔

قائد کو ایک اسٹریچر پر لٹا کر ایک فوجی ایمبولینس میں لے جایا گیا۔ یہ ایمبولینس انہیں گورنر جنرل ہاؤس لے جانے کے لئے پہلے سے وہاں موجود تھی۔ میں اور سسٹر ڈنہم ان کے ساتھ ایمبولنس میں بیٹھے تھے۔ ایمبولینس بہت سست روی سے چل رہی تھی۔ ہماری پارٹی کے دوسرے لوگ گاڑیوں میں روانہ ہو چکے تھے۔ صرف ڈاکٹر الٰہی بخش، ڈاکٹر مستری اور ملٹری سیکرٹری گورنر جنرل کی کیڈلک کار میں ہماری ایمبولنس کے پیچھے تھے۔

ابھی ہم نے چار میل کا سفر ہی طے کیا تھا کہ ایمبولینس نے اس طرح ہچکیاں لیں جیسے اسے سانس لینے میں مشکل پیش آ رہی ہو اور پھر وہ اچانک رک گئی۔ کوئی پانچ منٹ بعد میں ایمبولینس سے باہر آئی تو مجھے بتایا گیا کہ ایمبولینس کا پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ اگرچہ ڈرائیور نے ایمبولینس کے انجن سے الجھنا شروع کر دیا تھا لیکن ایمبولینس کو اسٹارٹ ہونا تھا نہ ہوئی۔ میں پھر ایمبولینس میں داخل ہوئی تو قائد نے آہستہ سے ہاتھ کو حرکت دی اور سوالیہ نظروں میں مجھے دیکھا میں نے جھک کر آہستگی سے کہا ایمبولینس کا انجن خراب ہو گیا ہے۔

انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ عموماً کراچی میں تیز سمندری ہوائیں چلتی رہتی ہیں جس سے درجہ حرارت قابل برداشت رہتا ہے۔ اور گرم دن کی حدت سے نجات مل جاتی ہے لیکن اس دن ہوا بالکل بند تھی اور گرمی نا قابلِ برداشت۔

قائد کی بے آرامی میں اضافے کا سبب یہ تھا کہ بے شمار مکھیاں ان کے چہرے

پر بھنبھنا رہی تھیں اور ان کے ہاتھ میں اتنی طاقت بھی نہ رہی تھی کہ مکھیوں کے حملے سے بچنے کے لئے اسے اٹھا سکتے۔ مسز ڈنہم اور میں باری باری ہاتھ سے ان کے چہرے پر پنکھا جھل رہے تھے ہم منتظر تھے کہ شاید کوئی اور ایمبولینس آ جائے۔ ہر لمحہ کرب اذیت کا ایک لامتناہی لمحہ تھا۔ قائد کو ہم کیڈلک میں بھی منتقل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ اتنی بڑی نہیں تھی کہ اس میں سٹریچر سما سکتا چنانچہ امید وبیم کی کیفیت میں ہم انتظار کرتے رہے۔

قریب ہی مہاجرین کی سینکڑوں جھگیاں موجود تھیں۔ مہاجرین اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف تھے انہیں معلوم نہ تھا کہ ان کا وہ قائد جس نے انہیں ایک وطن لے کر دیا ہے ان کے درمیان موجود ہے اور ایک ایسی پرانی ایمبولینس میں بے یار ومددگار پڑا ہے جس کا پٹرول بھی ختم ہو گیا ہے۔

کاریں ہارن بجاتی قریب سے گزر رہی تھیں بسیں اور ٹرک اپنی منزلوں کی طرف رواں تھے اور ہم وہاں ایسی ایمبولینس میں بے حس وحرکت پڑے تھے جو ایک انچ بھی آگے بڑھنے کو تیار نہ تھی اور اس ایمبولینس میں ایک انتہائی قیمتی زندگی آتی جاتی سانس کے ساتھ قطرہ قطرہ ختم ہو رہی تھی۔

ہم وہاں کوئی ایک گھنٹہ منتظر رہے میری زندگی میں کوئی اور گھنٹہ اتنا طویل اور دردناک نہیں آیا۔ تب خدا خدا کر کے اور ایمبولینس آئی۔ قائد کو سٹریچر کے ذریعے نئی ایمبولینس میں منتقل کیا گیا اور یوں آخر کار ہم پھر گورنر جنرل ہاؤس کی طرف روانہ ہوئے۔ گورنر جنرل ہاؤس میں قائد کو آہستگی سے بستر پر لٹا دیا گیا تو میں نے گھڑی دیکھی، ماڑی پور ایئر پورٹ پر اترے ہوئے ہمیں دو گھنٹے ہو گئے تھے۔

کتنی عجیب بات تھی کہ دو گھنٹے میں ہم کوئٹہ سے کراچی پہنچے اور دو گھنٹے ہمیں ماڑی پور سے گورنر جنرل ہاؤس پہنچنے میں لگے۔ ڈاکٹروں نے قائد کا معائنہ کیا اور دبے الفاظ میں کہا۔

''فضائی سفر کے لئے ہی ان کی حالت کیا کم خراب تھی کہ ایمبولینس کا یہ تکلیف دہ واقعہ پیش آ گیا۔''

جلد ہی قائد گہری نیند سو گئے اور ڈاکٹر یہ کہتے ہوئے گورنر جنرل ہاؤس سے چلے گئے کہ وہ جلد ہی واپس آ جائیں گے۔

اب میں اپنے بھائی کے ساتھ بالکل تنہا تھی۔ میرا بھائی بہت گہری نیند سو رہا تھا۔ میرے ذہن میں گویا ایک وجدانی تصور ابھرا اور میں نے محسوس کیا کہ یہ پُر سکون نیند بجھنے والی شمع کی لو کی آخری تیز چمک ہے۔ میں خاموش تھی اور خاموشی میں اپنے بھائی سے مخاطب تھی۔

''اوہ جن۔ کاش ڈاکٹر میرا تمام خون نچوڑ کر تمہیں دے دیں تاکہ تم زندہ رہ سکو۔ کاش خدا میری زندگی کے تمام برس لے کر تمہیں دے دے تاکہ تم ہماری قوم کی رہنمائی کرتے رہو۔ تو میں خدا کی کتنی شکر گزار رہوں گی۔''

تقریباً دو گھنٹے کی پر سکون اور بے خلل نیند کے بعد میرے بھائی نے آنکھیں کھولیں۔ مجھے دیکھا سر اور آنکھوں کے اشارے سے مجھے قریب آنے کو کہا۔ آخری مرتبہ کوشش کر کے زیرِ لب مجھ سے مخالب ہوئے:

''فاطی....... خدا حافظ....... لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ''

پھر ان کا سر دائیں جانب کو آہستگی سے ڈھلک گیا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔

جس کے بعد میں چیختی دہاڑیں مارتی کمرے سے باہر آئی۔

''ڈاکٹر۔ ڈاکٹر۔ جلدی کرو۔ میرا بھائی مر رہا ہے۔ ڈاکٹر۔ ڈاکٹر کہاں ہو۔''

چند منٹ میں ڈاکٹر جمع ہو گئے۔ انہوں نے قائد کا معائنہ کیا انہیں انجکشن دیئے۔ میں وہاں بے حس و حرکت گم سم کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے میرے بھائی کے جسم کو سر سے پیر تک سفید چادر سے ڈھانپ دیا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گئی۔ موت انہیں اس زندگی کی طرف لے گئی جو لافانی ہے، ابدی

ہے۔ڈاکٹر الٰہی بخش بوجھل قدموں سے میری طرف بڑھے اور میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے۔ان آنسوؤں نے مجھے ان کی ساری بات سمجھا دی جسے وہ لفظوں میں ادا کرنے سے قاصر تھے میرے آنسوؤں کے سوتے خشک ہو چکے تھے۔میں لڑکھڑاتی ہوئی مرحوم بھائی کے بستر تک پہنچی اور خود کو فرش پر گرا دیا۔معلوم نہیں کتنی دیر تک میں اس سفید چادر کو دیکھتی رہی جس میں میرے عظیم بھائی کی میت لپیٹی ہوئی تھی مجھے اس وقت ہوش آیا جب میرے کانوں میں قرآن حکیم کی یہ آیت سنائی دی

انا للہ وانا الیہ راجعون

مادرِ ملتؒ کا یہ مضمون اپنے اندر کئی کہانیاں لئے ہوئے ہے۔ان کی بے بسی کی ،قائداعظمؒ کی بیچارگی کی اور اپنے رفیقوں کی شقاوت اور سوچی سمجھی زیادتی کی۔لہذا اس مضمون کو جس قدر بھی عام کیا جائے اتنا ہی قائداعظمؒ کی جیب کے کھوٹے سکوں کو پہنچاننے میں مدد ملے گی۔میں یہ مضمون اپنی کتاب میں شامل کرنے پر جناب پروفیسر شریف المجاہد اور مترجم خواجہ رضی حیدر کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں ، مادرِ ملتؒ کی یہ تحریر ہمیں یہ بتاتی ہے کہ قائداعظمؒ اس وقت بھی کشمیر کی آزادی اور پاکستان کی سلامتی کے سلسلے میں متفکر تھے جب ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والی تھی اور وہ جو بعد میں ملک کے سیاہ سفید کے مالک بن گئے اس وقت جوڑتوڑ اور محلاتی سازشوں میں مگن تھے۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ کا وہ بھائی رخصت ہو چکا تھا جس نے زندگی بھی کسی سے ہار نہ مانی جس نے ہندو اور انگریز کے گٹھ کو پارہ پارہ کر ڈالا اور جس نے پاکستان کی شکل میں صدی کا سب سے بڑا سیاسی معجزہ کر دکھایا۔محترمہ فاطمہ جناحؒ جانتی تھیں کہ ان کا غم بھائی کو واپس نہیں لا سکتا۔خدا کی مرضی پوری ہو چکی ہے لیکن جس کے ساتھ زندگی کے پچپن برس گزارے ہوں جس بھائی نے ماں باپ بن کر بہن کی

پرورش اور تربیت کی ہو وہ بہن انہیں کس طرح فراموش کرسکتی تھی۔گزرے ہوئے اچھے بُرے دنوں کی یادانہیں تڑپا رہی تھی۔ برطانیہ میں قیام، گول میز کانفرنسیں، ہندوستان کی سیاسی سرگرمیاں، ہندو مسلم رہنماؤں کے قائداعظمؒ سے مشورے، قائداعظمؒ کی قیام گاہ پرسیاسی سرگرمیوں کی تصویریں ایک ایک کرکے نگاہوں کے سامنے گھوم جاتی تھیں۔عظیم بھائی کی موت جن حالات میں ہوئی وہ ایک روح فرسا داستان ہے۔ایک عظیم مملکت کے بانی کی ایمبولینس کراچی کی سڑک پرخراب حالت میں کھڑی ہے کاریں قریب سے گزر رہی ہیں۔کسی کوعلم نہیں کہ اس ایمبولینس میں کون زندگی کی آخری سانس لے رہا ہے۔دانشور اور ممتاز صحافی کلیم اختر کے مطابق اس نا قابل برداشت سانحہ کی خبر ایئر مارشل اصغر خان کو ہوئی وہ بچوں کی مانند پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔اصغر خان اس وقت کراچی میں تھے اور پاک فضائیہ کے ائروائس مارشل کی حیثیت سے ماری پور ہوائی اڈے کے انچارج تھے انہوں نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا ”میں ہوائی اڈے کا انچارج ہوں لیکن کسی نے مجھے اس کی خبر نہ دی کہ قائداعظمؒ کو بذریعہ طیارہ ایئر پورٹ لایا گیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں سہ پہر کے وقت اس سڑک سے گزرا جس پر قائداعظمؒ کو لے جانے والی ناکارہ ایمبولینس گندگی کے ڈھیر کے پاس کھڑی تھی اور پوری قوم کا قائد بے بسی کے ساتھ اس میں پڑا تھا جو قوم کے لئے باپ کی حیثیت رکھتا تھا۔ مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس بد بخت ایمبولینس میں قائداعظمؒ بے چارگی کے عالم میں پڑے ہیں تو میں ان کی زندگی کے لئے اپنا سب کچھ نثار کر دیتا۔پاک فضائیہ کے طیارے انہیں لے جانے کے لئے سڑک پر اتار دیتا۔ مجھے تمام عمر اس بات کا دکھ رہے گا کہ میری گاڑی قائداعظمؒ کی ایمبولینس کے پاس سے گزر گئی اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔“کلیم اختر لکھتے ہیں کہ ”جب ریڈیو پاکستان سے عظیم قائد کی وفات کی خبر نشر ہوئی تو پاکستان اور آزاد کشمیر کے علاوہ پورے مقبوضہ کشمیر میں کہرام مچ گیا۔کلیم اختر کہتے ہیں کہ

قائداعظمؒ کی وفات کی خبر سن کر سب سے پہلے کراچی کے کمشنر سید ہاشم رضا فلیگ سٹاف ہاؤس پہنچے تھے۔ ان کے بعد بیگم عبداللہ ہارون اور بیگم حفیظ الدین (والدہ قطب الدین عزیز) اور پھر قائداعظمؒ کے عزیزواقارت گورنر جنرل ہاؤس پہنچے۔ سیاسی رہنما بہت بعد میں آئے۔ جس ملک کی خاطر بھائی بہن نے دن کا چین اور رات کی نیند اپنے اوپر حرام کر لی تھی، اس میں رہنے کیلئے قائداعظمؒ کو صرف تیرہ ماہ مل سکے۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بارے میں جو کچھ لکھا اور سنا گیا اس سے روح کانپ جاتی ہے۔ یہ لرزہ خیز واقعات مختلف کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مادرِ ملتؒ نے عظیم بھائی کے سوگ میں سیاہ لباس پہن لیا اور 11 ستمبر 1948ء سے 25 دسمبر 1949ء تک وہ سیاہ پوش رہیں۔ اگرچہ بھائی کی مفارقت کا داغ دل سے تادم آخر نہ مٹ سکا تاہم اس حالت میں بھی وہ قومی خدمات میں مصروف رہیں۔ عوام مادرِ ملتؒ کے شیدائی تھے انہیں مادرِ ملتؒ کی شبیہہ میں اپنے مرحوم قائد کی شکل دکھائی دیتی تھی۔ وہ مادرِ ملتؒ کے حکم پر سب کچھ تیاگ دینے پر تیار رہتے تھے۔ قائداعظمؒ نے اپنی حیات میں ریلیف فنڈ جاری کیا تھا جو ان کی وفات کے بعد بھی چلتا رہا۔ مادرِ ملتؒ جب کسی جلسہ میں قائداعظم ریلیف فنڈ کے لئے چندے کی اپیل کرتیں تو لوگ کوٹ اور ٹوپیاں تک اتار کر ڈھیر کر دیتے۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو وہ ایک ایسی خاتون ثابت ہوتی ہیں جنہوں نے کشادہ دلی اور کشادہ نظری کا دامن کسی بھی حالت میں ہاتھ سے نہ چھوڑا تھا۔ وہ کسی بھی مقام پر ہمیں کسی کھوٹے سکے پر گرجتی برستی اور غصہ جھاڑتی نہیں ملتیں حالانکہ وہ سب فریبیوں، مفاد پرستوں اور ابن الوقتوں کے چہرے پہچانتی تھیں۔ نہ انہوں نے قائد کی زندگی میں منافقوں کی خبر لی اور نہ ہی قائد کی رحلت کے بعد کسی پر انگلی اٹھائی۔ ان کے پیشِ نظر پہلے بھی قوم و ملک کی سربلندی تھی اور پھر جب وہ حکمرانوں کی تنگ نظری حتیٰ کہ انتقامی کارروائیوں کا ہدف بنیں تب بھی

انہوں نے بھائی کی بے بسی کی موت کے ذمہ داروں کو بے نقاب نہ کیا۔

اپنے بھائی کی مانند انہوں نے بھی اپنی پوری توجہ وطن وملت پر مرکز رکھی تھی۔ بجائے اس کے کہ عوام دشمنوں سے محاذ آرا ہو کر ساری توانائی بھائی کے دشمنوں اور قاتلوں کے چہروں سے نقاب اتارنے پر صرف کرتیں اور عمر اس مطالبے میں گزار دیتیں کہ میرے بھائی کو موت سے ہمکنار کرنے والے ٹولے کو قرار واقعی سزا دی جائے انہوں نے اس صدمے کو پی لیا اور قائد کے افکار و نظریات کی روشنی میں قوم کو تیار کرنے لگیں۔

انہوں نے بھائی کے انتقال کا ایک برس تک سوگ منایا اور پھر سے ایک مستعد رہنما کی مانند متحرک ہو گئیں۔ انہوں نے اپنی تقریروں اور خطابات کے ذریعے پاکستانی قوم کو مستقبل کی بہترین قوم بننے کا درس دیا دوسری طرف حکمرانوں کو بار بار تنبیہہ کی کہ وہ ان راستوں پر نہ چلیں جو تباہی کے گڑھے کی جانب جاتے ہیں۔

وہ سب سے زیادہ جمہوریت اور اتحاد پر زور دیتی تھیں۔ انہوں نے اپنی تقریروں کے ذریعے قائداعظمؒ اور ان کی تعلیمات کو طاق نسیاں کی زینت نہ بننے دیا۔ اس امر میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اگر مادرِ ملتؒ غم واندوہ کی تصویر بن کر گھر میں بیٹھ جاتیں تو اس وقت کی حکومتیں بانی پاکستان کے افکار کو عوام کے ذہنوں سے مٹا دیتیں۔ یہ مادرِ ملتؒ کا قوم پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے قائداعظمؒ کے مشن کو جاری رکھ کر قائداعظمؒ کے افکار کو بھی زندہ رکھا اور قائداعظمؒ کی تعلیمات کو بھی عام کیا۔

آٹھواں باب

قائداعظمؒ کے افکار کی ترجمانی

قائداعظمؒ کی زندگی میں محترمہ فاطمہ جناحؒ نے جس مہارت اور سیاسی تدبر کا مظاہرہ کیا تھا وہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ بھائی کی زندگی میں تو بہن کے بارے میں کہا جا سکتا تھا کہ ان کا سیاسی کردار بھائی کی رہنمائی کا رہین منت تھا لیکن اس عظیم بھائی کی وفات کے بعد بھی محترمہ فاطمہ جناحؒ نے ملک وقوم کی خدمت ترک نہیں کی اگرچہ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد سیاسی انتشار زور پکڑتا گیا اور مادرِملتؒ کے بیش قیمت مشوروں کی ضرورت پس منظر میں چلی گئی لیکن عوام کا مادرِملتؒ پر اعتماد کبھی متزلزل نہیں ہوا نہ ہی مادرِملتؒ نے عوام سے تعلق منقطع کیا۔ وہ حتی الامکان عوام کی رہنمائی کرتی رہیں یہی وجہ ہے کہ سیاسی رہنماؤں کی چپقلش سے عوام نے کوئی اثر قبول نہ کیا اور وہ بدستور متحد ہو کر نوزائدہ وطن کی تعمیر میں مصروف رہے۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد ملکی سیاست کی جو حالت ہوگئی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ قائداعظمؒ کا جانشین منتخب کرنے کے لئے مرکزی کابینہ کا جو اجلاس ہوا اس میں مادرِملتؒ کا کوئی ذکر نہ آیا جبکہ عوام یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ مادرِملتؒ ہی بھائی کی جانشین بنیں گی لیکن اربابِ حل وعقد نے یہ عظیم ذمہ داری خواجہ ناظم الدین کو سونپ دی۔ خواجہ ناظم الدین فی الحقیقت شریف النفس انسان تھے لیکن اس عہدے کے لئے ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو ابھرتے ہوئے انتشار پر قابو پا سکے ایسی شخصیت وہی ہو سکتی تھی جسے عوام کا بھرپور اعتماد حاصل ہوتا وہ شخصیت مادرِملتؒ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ عوام انہیں اپنے مرحوم قائد کی نشانی سمجھتے تھے انہیں ان کی معاملہ فہمی اور خلوص پر پورا اعتماد تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نازک وقت میں کسی مخصوص اور بااثر طبقے نے انہیں دانستہ یا نادانستہ طور پر ملکی امور سے الگ رکھنے میں اپنی عافیت سمجھی۔ اگر اس وقت مادرِملتؒ کی خدمات حاصل کر لی جاتیں تو

ممکن ہے کہ ملکی سیاست اس انتشار سے بچ جاتی جو طالع آزماؤں کی ہوس اقتدار کے سبب پیدا ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مادرِ ملتؒ کی موجودگی میں کسی آمر کو بھی حکومت پر قبضہ جمانے کی جرأت نہ ہوتی اور ملک میں جمہوریت کی جڑیں ابتدا سے ہی مضبوط ہو جاتیں لیکن افسوس ہے کہ یہ سب کچھ نہ ہو سکا اور قوم کو ایک مخصوص طبقے کی سیاسی حماقت کا خمیازہ بری طرح بھگتنا پڑا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن محترمہ فاطمہ جناحؒ آخری سانس تک اپنی قومی ذمہ داریاں پوری کرتی رہیں۔ وہ حصول اقتدار کی خواہش سے بے نیاز تھیں اور آخری دم تک اسی اصول پر کاربند رہیں۔ اقتدار سے الگ رہنے کے باوجود وہ وقتاً فوقتاً اس وقت کی قیادت کو غلطیوں سے آگاہ کرتی رہیں جو لوگ جمہوریت کے نام پر عوام کے حقوق غصب کر رہے تھے انہوں نے ان پر سخت تنقید کی اور جب ملک آمریت کے چنگل میں پھنس گیا تو مادرِ ملتؒ اس کے نتائج سے بھی عوام کو آگاہ کرتی رہیں۔

مادرِ ملتؒ نے اپنی کسی بھی تقریر میں یہ نہیں کہا کہ چونکہ میں قائداعظمؒ کی ہمشیرہ ہوں لہٰذا اب میں تمہاری قائد ہوں بلکہ وہ ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ اپنا سفر قائد کی ہدایات کے مطابق جاری رکھیں۔ 29 ستمبر 1948ء کو انہوں نے اپنی نشری تقریر میں فرمایا۔

''بھائی کی وفات سے نہ صرف مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے بلکہ قوم کو بھی نقصان عظیم پہنچا ہے۔ اس زبردست المناک حادثے پر قوم نے جس خلوص سے اظہار ہمدردی کیا ہے اس کے پیش نظر میں نے ضروری سمجھا کہ میں قوم سے مخاطب ہو کر تہہ دل سے اس کا شکریہ ادا کروں۔ ہر مرد و عورت ہر بچے کے دل سے ہمدردی کے جو کلمات نکلے ہیں انہوں نے مجھے سراپا تشکر بنا دیا ہے دور دراز ممالک سے کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ کیا امیر کیا غریب ہر طبقے کے لوگوں نے ہمدردی کے پیغامات بھیجے ہیں۔ میں خاص طور پر ان بے شمار عوام کی شکر گزار ہوں جن کے آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے۔ اور

جنہوں نے انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر اپنے رنج والم کا اظہار کیا۔ انہی کی ہمدردی نے غم کی اس تاریک ساعت میں میرا بارِ گراں ہلکا کیا۔ رضائے الٰہی یہ نہ تھی کہ قیامِ پاکستان کے بعد قائدِ اعظمؒ کا سایہ ایک سال سے زیادہ ہمارے سروں پر رہتا۔ تاہم پاکستان کی بنیادیں اس طرح استوار ہو چکی ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں متزلزل نہیں کر سکتی۔''

ان کے خطاب میں خلوص، دردمندی اور یقینِ محکم کا وفور ہوتا تھا۔ وہ پاکستان کو تیزی سے پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس لئے قوم کو قائد کی تقلید کرنے کی تحریک دیتی تھیں۔ 25 دسمبر 1948ء کو قائدِ اعظمؒ کی سالگرہ پر انہوں نے اپنی نشری تقریر میں ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا:

''پاکستان ابھی عہدِ طفلی میں ہے اور مملکت کے بانی اور معمار نے عوام کے لئے اپنی ایک مقدس امانت ورثے کے طور پر چھوڑی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ عزائم میں متزلزل نہیں ہوں گے اور نہ فرائض میں کوتاہی کریں گے اور نہ پاکستان کو سابقہ اسلامی تاریخ، عظمت اور روایات کی شایانِ شان ایک مظبوط اور طاقتور مملکت بنانے کے فرض سے غفلت برتیں گے۔ قائدِ اعظمؒ نے عوام کے دلوں میں ایک لافانی یادگار چھوڑی ہے ہر پاکستانی کے لئے ان کا کام ایک قابلِ تقلید مثال بن جانا چاہیے۔ جس طرح ان کی زندگی میں میں قوم کی خدمت کرتی رہی اسی طرح ان کے انتقال کے بعد بھی پاکستان کی تعمیر کے لئے جو ان کا دلی مقصد تھا اپنی خدمات جاری رکھوں گی اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا میں کوشش کروں گی کہ مرحوم کے مقصد عزیز یعنی پاکستان کی تعمیر کا کام تیزی سے آگے بڑھے۔ مجھے یقین ہے کہ ہر وقت آپ کی امداد اور اعانت مجھے حاصل رہے گی۔''

پھر انہوں نے 11 ستمبر 1949ء کو قائدِ اعظمؒ کی پہلی برسی پر جو نشری تقریر کی اس میں بھی انہوں نے قائدِ اعظمؒ کے احسان عظیم کا حوالہ دے کر قوم کو یہی یقین کی

کہ قائد کے احسان کا بدلہ اس صورت میں چکایا جا سکتا ہے کہ ہم انہیں اوران کی تعلیمات کوفراموش نہ کریں۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ جب یہ دیکھتی تھی کہ عوام کی اکثریت ان مقاصد کو بھول گئی ہے جن کی خاطر پاکستان حاصل کیا گیا تھا تو انہیں بے حد قلق ہوتا تھا۔تب وہ دکھی دل کے ساتھ عوام کو قائد کی یاد دلاتی تھیں۔11 دسمبر 1956ء کوقوم کے نام پیغام میں انہوں نے اسی دکھ کا اظہار کیا:

''قائداعظمؒ نے ایک بار فرمایا تھا کہ اب آپ ایک قوم ہیں۔اب آپ نے ایک جگہ حاصل کرلی ہے۔یہ سب کچھ آپ کا ہے۔یہ کسی پنجابی یا سندھی یا پٹھان یا بنگالی کی ملکیت نہیں۔یہ آپ کا ہے اس لئے اگر آپ اپنے آپ کوایک قوم دیکھنا چاہتے ہیں تو خدا کے لئے صوبائیت کو چھوڑ دیں۔صوبائیت ایک عذاب ہے اوراسی طرح نسلی امتیاز بھی ایک عذاب ہے۔اب یہ پاکستانیوں پر ہے کہ وہ قائداعظمؒ کے بتائے ہوئے زریں راستے پر چلیں۔اپنی مملکت کی تعمیر کریں کیونکہ اس میں ان کا مستقبل پوشیدہ ہے۔''

مادرِملتؒ کومعلوم تھا کہ قائداعظمؒ کسی ملک کے لئے دستور کا ہونا بہت ضروری سمجھتے تھے۔اس لئے انہوں نے قیام پاکستان کے فوراً بعد دستور ساز اسمبلی تشکیل دی تھی جس نے قائد کے انتقال کے بعد دستور کی تشکیل میں کوئی تیزی یا سنجیدگی نہ دکھائی چنانچہ قائداعظمؒ کے تصورات کی شاہد ہونے کی حیثیت سے انہوں نے 25دسمبر 1955ء کونشری تقریر میں اسی جانب اشارہ کیا:

''کیا ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم نے پاکستان کو قائداعظمؒ کے تصورات کے مطابق بنانے کے لئے ابتدائی اقدامات بھی کئے ہیں؟ اس وقت کیا صورت حال ہے؟ پچھلے سال ہمیں توقع تھی کہ ہم قائداعظمؒ کے یوم پیدائش کے ساتھ جمہوریہ پاکستان کا بھی یوم پیدائش منائیں گے۔اس وقت قوم کو بتایا گیا کہ تمام منصوبے مکمل ہو چکے

ہیں اور دستور تیار ہو چکا ہے۔ ہر شخص اس لمحہ کا انتظار کر رہا تھا جب وہ غیر ملکی غلامی کے جوئے کا وہ نشان نوچ پھینکے گا جو آج بھی ہمارے شانوں پر لگا ہوا ہے۔لیکن حالات کی ایک سازش نے ہم سے یہ موقع چھین لیا اور قوم کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ہم کو دوبارہ ابتدا سے شروع کرنا پڑا اور منزل قریب آنے کی بجائے دور ہو گئی۔اس دوران میں اقتدار پرست ٹولے نے اپنی جاہ پسندی کی خاطر ان تمام سیاسی اور اخلاقی قدروں کو ملیا میٹ کر دیا جن کی پاسداری قائداعظمؒ عمر بھر کرتے رہے تھے۔ دستور ساز اسمبلی کو توڑ کر ایک فالج زدہ شخص حکومت پر قابض ہو گیا اور اپنے گرد چند اور طالع آزماؤں کو اکٹھا کر کے قوم و ملک کی تقدیر سے کھیلنے لگا۔"

یہ صورتحال دیکھ کر مادرِ ملتؒ سخت رنجیدہ ہوئیں اور اپنی تقریروں کے ذریعے اس جمہوریت دشمن گروہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرنے لگیں۔ 25 دسمبر 1956ء کو انہوں نے جو تقریر کی اس میں انہوں نے بطور خاص جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ کیا:

"قائداعظمؒ کے دماغ میں ایک ایسی مملکت کا تصور تھا جس میں مکمل جمہوریت کار فرما ہو اور عوام کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کو عملی طور پر تسلیم کیا گیا ہو۔ایک ایسی مملکت جس میں ہر شخص کو مسرت اور خوشحالی حاصل کرنے کے یکساں مواقع میسر ہوں اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق عوامی فلاح و بہبود کے لئے کام کر سکے۔ ایک ایسی مملکت جس میں قائداعظمؒ کے اپنے الفاظ میں معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں کو آزادی سے پروان چڑھنے کا موقع ملے۔ اگرچہ آئین میں جمہوری دفعات شامل کر دی گئی ہیں تاہم ان میں ابھی تک صحیح جمہوری روح پیدا نہیں ہوئی۔ آزادی کے حصول کے بعد کے برسوں میں عوام کو بڑے صدمات اور مایوسی سے دوچار ہونا پڑا۔انہوں نے افراد اور جماعتوں کے جوڑ توڑ اور سازشوں کا تماشا ضرور دیکھا ہے لیکن صحیح اور مکمل جمہوریت کو کارفرما دیکھنے کے متعلق ان کی آرزو ابھی تک

پوری نہیں ہوئی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ جو لوگ عوام کی امیدوں اور آرزوؤں کو پامال کرتے رہے ہیں اپنے ذاتی مفاد کو عوامی مفاد کے تابع کرنا سیکھیں۔''

اس کے بعد جب جمہوریت کی نشوونما کے تمام امکانات معدوم ہو گئے اور ملک کی سمت مارشل لا کے منحوس سائے بڑھنے لگے تو مادرِ ملتؒ نے پر زور الفاظ میں متعدد افراد کی شرمناک حرکتوں پر احتجاج کیا۔ انہوں نے 11 ستمبر 1957ء کو قائداعظمؒ کی نویں برسی پر اپنی نشری تقریر میں فرمایا:

''قیام پاکستان کا مقصد ایک مکمل آزاد جمہوریہ کا قیام تھا۔ خواہ اسے اسلامی نصب العین کے اعتبار سے دیکھا جائے یا جدید نظریات کے لحاظ سے۔ جمہوریت صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے کہ قانون کی حکمرانی ہر حیثیت سے لوگوں میں برابر ہو۔ اگر قانون ختم ہوا تو پھر لاقانونیت اور انتشار ہی باقی رہ جائے گا۔ مجلسی و سیاسی زندگی کی بھی قیود ہیں جن کا بہر حال احترام کرنا چاہیے۔ یہ پاکستان کی خدمت نہیں کہ رائے عامہ کے اظہار کے ذرائع کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی جائے۔ گزشتہ چند ماہ کے اندر سیاسی اکھاڑ پچھاڑ سے ملک دہل اٹھا ہے۔ اس سلسلے میں ایسے طریقے اختیار کئے گئے جو کسی طرح بھی باعزت نہیں تھے۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ عوام نے اس پر ناخوشی کا اظہار کیا البتہ ان واقعات سے یہ افسوسناک حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ جمہوری اداروں کو آج بھی اصول کے مطابق کام کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ چنانچہ اس امید و بیم کی حالت میں ایسے صدمات پہنچائے گئے کہ غیر یقینی کی صورتحال پیدا ہو گئی اور قومی وقار کو صدمہ پہنچا۔''

مگر طالع آزماؤں نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کے ارشادات کو پرکاہ کے برابر بھی نہ سمجھا اور ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ اس پر مادرِ ملتؒ کی روح کانپ اٹھی۔ کہاں تو وہ اور بانی پاکستان جمہوریت کا نفاذ چاہتے تھے۔ اور کہاں یہ کہ لاکھوں عوام کی قربانیوں سے وجود میں آیا ہوا ملک ڈکٹیٹر کے جبڑوں میں جکڑا گیا۔ محترمہ فاطمہ

جناحؒ نے ملک کی باگ ڈور ایک فوجی آمر کے ہاتھ میں چلے جانے پر صدائے احتجاج بلند کی اور اپنے 11 ستمبر 1959ء کے قومی خطاب میں جمہوریت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''قائداعظمؒ کے ذہن میں پاکستان کے مستقبل کے متعلق یہ بات واضح تھی کہ پاکستان کے لئے واحد راستہ جمہوریت کا راستہ ہے۔ انہوں نے ہمیں تلقین کی تھی کہ آیئے ہم اپنے وطن میں اسلام کی بنیاد رکھیں اور وہ اصول جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا یہ ہے کہ ہمیں اپنے معاملات کا فیصلہ باہمی مشورے سے کرنا چاہیے۔ ایک اور موقع پر 21 فروری 1948ء کو پاکستانی افواج کی ایک رجمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا تھا۔''اب آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اپنے وطن میں اسلامی جمہوریت اور سماجی انصاف اور مساوات کے اسلامی اصولوں کی بقا اور ترقی کا دفاع کریں۔''

بعد میں مادرِ ملتؒ نے ذرا کھل کر آئین، جمہوریت اور عوام کی بالادستی کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے 11 ستمبر 1960ء کو جو قوم کے نام پیغام دیا اس میں فوجی آمر پر بالواسطہ تنقید کرتے ہوئے عوام کو قانون اور آئین کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ اس تقریر میں بھی انہوں نے قائداعظمؒ ہی کے خیالات کی تشریح کی۔ انہوں نے قوم کو باور کرایا کہ قائداعظمؒ آئین پسند تھے، قانون کی پاسداری کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جمہوریت پر یقین رکھتے تھے۔ مقصد مادرِ ملتؒ کا یہ تھا کہ قوم کو ڈکٹیٹر کے شب خون اور اس کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا:

''جب ہم قائداعظمؒ کی حیران کن کامیابی کا جائزہ لیتے ہیں تو لازمی طور پر یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ ان کی قیادت کی نمایاں ترین خصوصیت کیا تھی؟ وہ بہت بڑے آئین پسند تھے۔ تحریک آزادی کے اور پاکستان کے سربراہ کی حیثیت سے

انہوں نے ہمیشہ آئینی آداب کو ملحوظ رکھا۔ انہوں نے ایسا محض اس لئے کیا کہ آئین پسندی عوام کے محرکات اور توانائیوں کو حصول مقصد کے راستوں پر ڈالنے کے لئے اولین شرط ہے۔ یہ قوم میں توازن اور استحکام پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا رجحان پیدا کرنے میں بھی معاون بنتی ہے جس کے بعد انسان قانون کا احترام کرنے لگتا ہے اور اپنے جذبات اور خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے۔''

فوجی ڈکٹیٹر جوں جوں اپنے پاؤں پھیلاتا گیا توں توں مادرِ ملتؒ بھی متحرک ہوتی گئیں ۔ان کے پیش نظر اب یہی مشن تھا کہ کسی طرح اس عفریت سے قوم کو نجات دلائیں ۔ان کے عظیم بھائی نے برصغیر کے مسلمانوں کو انگریزوں کی غلامی سے نکالا تھا۔ مادرِ ملتؒ پاکستان کے عوام کو فوجی حکمران کی آمریت سے آزاد کرانا چاہتی تھیں۔ انہوں نے 11 ستمبر 1963ء کو قائداعظمؒ کی برسی پر ان خیالات کا اظہار کیا:

''قائداعظمؒ کی برسی جیسی تقاریب ہمارے لئے لمحہ فکریہ اور جائے محاسبہ ہونی چاہئیں ۔غیر ملکی حکمرانوں سے اقتدار چھیننے والے عوام آج بھی حق رائے دہی بلکہ بنیادی حقوق کو ترس رہے ہیں۔ آپ اپنے اندر اعلیٰ نظریات و اقدار کے حصول کے لئے حساس و تابناک رائے پیدا کریں۔ قائداعظمؒ کے الفاظ میں کہ یہ اعلیٰ نظریات و اقدار ایک ایسے مثالی معاشرے کے قیام کے سواہ کچھ بھی نہیں جس کی بنیادیں سماجی انصاف اور انسانی اخوت و برابری کے حامل اسلامی سوشلزم پر استوار ہوں۔''

اس کے بعد انہوں نے 25 دسمبر 1963ء کو قائداعظمؒ کے یوم ولادت پر فوجی آمر کے مذموم عزائم سے قوم کو آگاہ کرتے ہوئے جمہوریت کے ساتھ اپنی اور اپنے پیارے بھائی کی محبت کا تذکرہ کیا اور عوام کو متحرک و بیدار کرنے کے لئے کھل کر فوجی آمریت کے نقصانات گنوائے۔ انہوں نے قوم کو بنیادی حقوق کا احساس دلاتے ہوئے کہا:

''آپ پورے عزم اور استقلال سے بالغ رائے دہی براہ راست انتخابات مکمل بنیادی حقوق اور عوامی نمائندوں کے لئے حقیقی اختیارات کے حصول کے لئے جدوجہد کریں۔ حالات خواہ مایوس کن اور حوصلہ شکن ہی کیوں نہ نظر آئیں۔ قائداعظمؒ کی زندگی سے صحیح رہنمائی حاصل ہو گی اور اس سے آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ اپنے مقصد کو اپنی توقع سے کہیں پہلے پالیں۔ پاکستان میں جمہوریت کی ضرورت کا احساس نہ کرنا ہماری جدوجہد آزادی کی ساری تحریک کو جھٹلا دینے اور ان افراد کی مساعی پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے جنہوں نے مسلمانوں کے لئے الگ آزاد ملک کے قیام کے لئے کوششیں کیں اور قربانیاں دیں۔''

یوں اپنے عظیم بھائی کی مانند محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی خطہ پاک میں بسنے والے بھولے بھالے اور مظلوم و مفلس عوام کی خوشحالی اور ذہنی آزادی کی خاطر تمام عمر باطل قوتوں سے برسرِ پیکار رہیں۔ خودغرض اور لالچی افراد اپنی قوت میں اضافہ کرنے کے لئے قائداعظمؒ کے ارشادات وفرمودات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے تھے یا ان کی اپنے مطلب و مفاد کے مطابق تشریح کرتے تھے۔ مادرِ ملتؒ نے اس رجحان کی سختی سے مذمت کی اور قائداعظمؒ کے خیالات کو اصلی صورت میں پیش کیا۔

25 دسمبر 1965ء کو یوم قائداعظمؒ پر انہوں نے اپنے آخری پیغام میں کہا:

''قائداعظمؒ کی عظمت کا راز اس حقیقت میں مضمر تھا کہ وہ اپنی تمام ذاتی خواہشات اور مفادات کو قومی مفاد پر قربان کر دیتے تھے اور فروعات کے مقابلے میں اصولوں کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ آج بے شک وہ ہم میں نہیں لیکن ہم میں سے ہر ایک ضمیر محسوس کرتا ہے کہ وہ ہر وقت رہنمائی کر رہے ہیں۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عظمت کا اصل راز اپنے ذاتی مفادات تج دینے میں ہے۔ جیسا کہ قائداعظمؒ نے کیا اور جیسا کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے کہا۔ باقی کے بڑے افراد کی فہرست پر نظر ڈالیں تو ہر خودساختہ رہنما ذاتی فوائد حاصل کرنے میں

سر تا پا مصروف دکھائی دیتا ہے۔

نواں باب

عوام کے حقوق سے دلچسپی

قائداعظمؒ ایک اصول پسند اور ماہر قانون سیاستدان تھے یہی وجہ ہے کہ متحدہ ہندوستان کی انگریز حکومت کو ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہ ہوسکی۔ حالانکہ قائداعظمؒ حکومت کے مخالف اور ہندوستان کی آزادی کے قائل تھے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی چونکہ انہی کی تربیت یافتہ تھیں اس لئے وہ بھی آئین اور قانون کی پابند تھیں۔ پاکستان کو اپنا آئین (1956) تیار کرنے میں نو سال لگ گئے اس دوران محترمہ فاطمہ جناحؒ وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف حصوں کے دوروں کے دوران حکمرانوں کو انتباہ کرتی رہیں کہ وہ آئین سازی کرتے وقت عوام کے حقوق کا خیال رکھیں۔ قائداعظمؒ چاہتے تھے کہ پاکستان جلد از جلد اپنے لئے آئین تیار کرلے جب تک وہ زندہ رہے وہ اس مسئلے پر خصوصی توجہ دیتے رہے۔ کہتے ہیں کہ جب قائداعظمؒ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے تو اس وقت بھی حالت بے ہوشی میں ان کے منہ سے ''دستور پاکستان ضرور بنے گا'' کے الفاظ نکلتے رہے تھے۔ وطن عزیز میں دستور سازی کا کام 11 اگست 1947ء کو شروع ہوگیا تھا۔ 1949ء میں اس دستور ساز اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی جسے قرارداد مقاصد کا نام دیا گیا۔ دستور سازی کی رفتار بے حد سست تھی چنانچہ 21 اپریل 1949ء کو یوم اقبالؒ کے موقع پر مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اس موضوع پر اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا:

''ہم ایک آزاد اور مقتدر قوم ہیں لیکن ہماری حکومت ابھی تک 1935ء کے ایکٹ کے تحت چلائی جارہی ہے اگرچہ اس قانون میں کچھ تصرف کرکے اسے اختیار کیا گیا ہے لیکن یہ قانون بالکل ناکارہ ہے۔ اس لئے مجلسِ دستور ساز کا فرض ہے کہ اس مسئلہ پر پوری توجہ دے اور ایسا جدید آئین مرتب کرے جو ہماری مملکت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔''

چونکہ محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی بھائی کی طرح قانون کا احترام کرتی تھیں اس لئے انہیں قانون اور آئین بے حد عزیز تھا وہ جانتی تھیں کہ ہمارے آئین میں اگر حکمرانوں نے ڈنڈی ماری اور عوام کو ان کے جائز حقوق نہ ملے تو یہ بہت بڑی بدقسمتی کی بات ہوگی۔ چنانچہ جب 16 اپریل 1953ء کو غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو برطرف کر دیا تو محترمہ فاطمہ جناحؒ نے حکومت کے اس اقدام کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے اس پر کڑی نکتہ چینی کی۔ پاکستان کی خالق مسلم لیگ اپنی قیادت کے جھگڑوں کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھی۔ یہ بھی بڑی عجیب بات تھی کہ جس مسلم لیگ کو ہندو اور انگریز کا گٹھ جوڑ نقصان نہ پہنچا سکا اور جس کی بات انہیں مانتے ہی بن پڑی اس کے استحکام کو خود اپنوں نے اپنے ہاتھوں اکھاڑ پھینکا۔ پنجاب میں ممدوٹ دولتانہ کشمکش مرکز میں اقتدار کی جنگ اور مشرقی پاکستان میں مسلم لیگیوں کا ہی مسلم لیگ کے خلاف اتحاد یہ سب ایسی باتیں تھیں جنہوں نے مسلم لیگ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ 1954ء میں وہاں انتخابات ہونے والے تھے۔ ملک کے اس حصے میں بھی مسلم لیگ اپنا تشخص کھو چکی تھی۔ مولوی اے کے فضل الحق جنہوں نے 23 مارچ 1940ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیاب کرایا تھا اب اس جماعت کو خیر باد کہہ کر دوسری جماعت بنا چکے تھے۔ ان سب نے متفقہ فیصلہ کر لیا تھا کہ انتخابات میں مسلم لیگ کو عبرتناک شکست دی جائے گی۔ اس موقع پر مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی بچی کھچی قیادت نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کو پکارا چنانچہ محترمہ فاطمہ جناحؒ پہنچیں۔ یہ مسلم لیگی انتخابات کے دوران ان کا نام استعمال کرنا چاہتے تھے کہ مسلم لیگ کے قائدین خواہ کچھ کرتے رہیں عوام میں محترمہ فاطمہ جناحؒ کی سیاسی ساکھ بدستور قائم ہے۔ مادرِ ملتؒ نے مشرقی پاکستان کا طوفانی دورہ کیا۔ وہاں کے عوام نے انہیں وہ احترام دیا جس کی وہ مستحق تھیں لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ مسلم لیگی لیڈروں کی باہمی چپقلش پارٹی کو تباہ کر چکی تھی چنانچہ انتخابات

کے نتیجے میں مسلم لیگ کو واقعی عبرتناک شکست ہوئی۔ اس وقت کے وزیر اعلیٰ نورالامین ایک طالب علم کے مقابلے میں اسمبلی کی نشست گنوا بیٹھے۔ مسلم لیگ صرف پانچ چھ نشستیں لے سکی باقی سب جگتو فرنٹ نے جیت لیں۔ اگرچہ یہ فرنٹ بھی اپنا اتحاد برقرار رکھنے میں ناکام رہا لیکن مسلم لیگ میں اپنوں نے جو دراڑیں ڈال دی تھیں وہ پھر کبھی نہ بھر سکیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو اس شکست سے شدید صدمہ پہنچا لیکن مایوس ہونا انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ ان کی حیات کے بہت سے واقعات ایسے ہیں کہ قائداعظمؒ پریشان ہو جایا کرتے تھے لیکن محترمہ فاطمہ جناحؒ کبھی پریشان اور مایوس نہ ہوتی تھیں۔ اس شکست کے باوجود انہوں نے اسی سال (1954) یوم آزادی کے موقع پر اپنے پیغام میں عوام کو تلقین کی کہ وہ مسلم لیگ کو مضبوط بنائیں۔ انہوں نے کہا کہ اسی جماعت نے پاکستان قائم کیا ہے اور وہی اس کی حفاظت کر سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلم لیگیوں میں بھی خامیاں ہو سکتی ہیں اور مسلم لیگ میں بھی۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اس میں شامل ہو کر ان خامیوں کو دور کریں۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ نے مسلم لیگ کو تباہ کیا تو یہ پاکستان کو تباہ کرنے کے مترادف ہوگا۔

مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی شکست کا کارکنوں میں شدید ردِعمل ہوا اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ جماعت کی صدارت اور وزارت کو الگ الگ کر دیا جائے۔ جماعتی صدارت اور وزارت کو یکجا رکھنے کی پالیسی نوابزادہ لیاقت علی خان کے دور میں اختیار کی گئی تھی جس نے جماعت کو سخت نقصان پہنچایا۔ وزیراعظم اپنی سرکاری مصروفیات کے سبب جماعتی امور پر توجہ نہ دے سکتے تھے پھر ملک میں دوسری جماعتیں بھی قائم ہو گئی تھیں۔ صدارت اور وزارت کو یکجا کرنے کا ایک نقصان یہ تھا کہ اگر مسلم لیگ کا کوئی جلسہ اس کے صدر کی موجودگی میں ناکام ہو جاتا تو بیرونی دنیا اسے وزیراعظم کے جلسے میں ناکامی قرار دیتی۔ اس طرح ملکی مفاد کو نقصان پہنچتا

لیکن فیصلہ کرتے وقت ان عہدوں کو جدا رکھنے کے بارے میں تمام تجاویز مسترد کر دی گئیں۔ مشرقی پاکستان میں انتخابی شکست نے یہ مسئلہ پھر زندہ کر دیا اور کارکن زیادہ زوروشور کے ساتھ ان عہدوں کو الگ الگ کرنے کا مطالبہ دہرانے لگے۔ کارکنوں کا نکتہ نگاہ یہ تھا کہ اگر مسلم لیگ کو دوبارہ منظم نہ کیا گیا تو دوسرے صوبوں میں بھی مشرقی پاکستان کی تاریخ دہرائی جا سکتی ہے۔ کارکنوں کی واضح اکثریت مسلم لیگ کی صدارت محترمہ فاطمہ جناحؒ کو سونپنا چاہتی تھی ان کا موقف تھا کہ قائداعظمؒ کی ہمشیرہ اور معتمد ہونے کی وجہ سے قوم ان پر مکمل اعتماد کرتی ہے اس لئے وہ جماعت کو آسانی کیساتھ دوبارہ منظم کر سکتی ہیں۔ ملک کے وزیراعظم محمد علی بوگرہ نے بھی اس تجویز کی حمایت کی ان کی دلیل یہ تھی کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ چونکہ غیر متنازعہ شخصیت ہیں اور عوام ان کا دل سے احترام کرتے ہیں اس لئے وہی اس عہدے کے لئے موزوں ہیں۔ اکتوبر 1954ء میں مسلم لیگ کا کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پنجاب مسلم لیگ نے اپنے نمائندوں کو اختیار دے دیا کہ وہ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو صدر کرانے کے لئے کام کریں ایک طرف یہ کوششیں ہو رہی تھیں دوسری طرف مسلم لیگ کے مخالفین یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر محترمہ فاطمہ جناحؒ کو صدر منتخب کر لیا گیا تو ان کی لیڈری خطرے میں پڑ جائے گی اور ان کی سیاست کا چراغ بجھ جائے گا۔ چنانچہ سازشیں ہونے لگیں کہ کسی طرح مجوزہ کنونشن ہی نہ ہونے دیا جائے۔ مخالفین کی کوششیں کامیاب ہو گئیں۔ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے مجوزہ کنونشن جنوری 1955ء تک ملتوی کر دیا۔ 24 اکتوبر 1954ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے مجلس آئین ساز توڑ دی اس طرح نہ صرف مسلم لیگی حکومت ہی ختم ہو گئی بلکہ دستور کے لئے جو تھوڑا بہت کام ہوا تھا وہ بھی تباہ و برباد ہو گیا۔

اس دور میں ملک میں جو غیر جمہوری اور غیر ملکی اقدامات ہو رہے تھے محترمہ فاطمہ جناحؒ ان کا بغور مطالعہ کر رہی تھیں۔ بالآخر انہوں نے واشگاف الفاظ میں

حکمرانوں کو انتباہ کیا کہ عوام ملک کے خلاف ہونے والی کسی اندرونی یا بیرونی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ جس جذبے کے تحت پاکستان حاصل کیا گیا تھا وہ جذبہ زندہ ہے اور جب تک یہ زندہ ہے پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ انہوں نے پیش آمدہ واقعات پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ اس قسم کی باتیں تحریک پاکستان کی روح کے سراسر منافی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قانون کا احترام نہ ہونے سے ملک میں طوائف الملوکی پھیلے گی۔ انہوں نے قیادت کے دعویداروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم قانون کا پاس نہیں کرتے تو اس سے عوام کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی جو انہوں نے اپنے قائدین پر کیا ہے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ جنہوں نے اپنے عظیم بھائی کی نگرانی میں تربیت پائی تھی جمہوریت پر کامل یقین رکھتی تھیں۔ انہوں نے غلام محمد جیسے حکمران کے آمرانہ ہتھکنڈوں پر کڑی تنقید کی۔ انہوں نے مئی 1955ء میں عید الفطر اور پھر 14 اگست کو یوم آزدی پر ملک کے سیاسی اور آئینی بحران پر سخت افسوس کا اظہار کیا۔ 11 ستمبر 1955ء کو ریڈیو پاکستان سے ان کی تقریر نشر ہوئی۔ اس تقریر میں اہنوں نے حکومت کے غیر قانونی اور غیر جمہوری اقدامات پر کڑی تنقید کی اور عوام کو ملکی معاملات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ دستور ساز اسمبلی توڑ کر پاکستان میں دستور سازی کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔ اسی سال بانی پاکستان کے یوم ولادت پر محترمہ فاطمہ جناحؒ نے ایک بار پھر ریڈیو پر قوم سے خطاب کیا۔ اس خطاب میں انہوں نے ملک کے لئے ایسے دستور کا مطالبہ کیا جس کے تحت عوام اپنے نمائندے خود منتخب کر سکیں۔ مادرِ ملتؒ کے اس دوسرے خطاب کے وقت ملکی سیاست میں کچھ تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ گورنر جنرل غلام محمد نے 16 اگست 1955ء کو تمام اختیارات سکندر مرزا کو سونپ دیئے جو اس وقت بوگرہ کی وزارت میں وزیر داخلہ تھے۔ اکتوبر 1955ء میں سکندر مرزا گورنر جنرل بنے۔ 11 اگست 1955ء کو چوہدری محمد علی وزیر اعظم بنا دیئے گئے ان کے دور میں

دو بڑے واقعات ہوئے۔ 16 اگست 1955ء کو انہوں نے وحدت مغربی پاکستان کا بل پر پاس کرا دیا اور مارچ 1956ء میں ملکی آئین منظور کرالیا۔سکندر مرزا اس آئین کے تحت ملک کے پہلے صدر بنے۔

مارچ 1956ء میں مادرِ ملتؒ نے مجلس دستور ساز کو آئین کی منظوری پر مبارکباد پیش کی انہوں نے اپنے پیغام میں فرمایا: ''ہمیں آٹھ سال کی طویل جدوجہد کے بعد دستور نصیب ہوا ہے۔ اب ہم جمہوریت کو صحیح انداز میں طلوع ہوتے دیکھ سکیں گے۔ انتخابات بلاتاخیر ہونے چاہئیں کیونکہ یہ انتخابات ہی دور جدوجہد کے خاتمے کی نشانی ہونگے۔'' عوام کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ''آپ کو اپنے حقوق اپنی آزادی اور ملکی سالمیت کی ضمانت دی گئی ہے محتاط اور ہوشیار رہ کر اس کی حفاظت کریں یاد رکھیئے ابھی ہم نے ابتدا کی ہے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔'' نیا آئین 23 مارچ 1956ء کو نافذ کر دیا گیا۔ اس موقع پر مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اپنے پیغام میں فرمایا: ''عوام ہی طاقت کا سرچشمہ ہیں اب غیروں کی غلامی کا خاتمہ ہوگیا اور پاکستان کو استحکام نصیب ہوا ہے اب انتظامیہ اور سرکاری ملازمین کو عوام پر بھروسہ کرنا چاہیے کیونکہ عوام کی طاقت ہی عظیم ہوا کرتی ہے۔'' دستور پاکستان تو نافذ ہوگیا لیکن عوام اپنے حقوق سے پھر بھی محروم رہے اس پر مادرِ ملتؒ نے پھر عوام کو اعتماد میں لیا۔عیدالاضحیٰ کے موقع پر اپنے پیغام میں انہوں نے فرمایا کہ ''عوام منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ہمت و اتحاد سے کام کریں۔ان کے حقوق کو غصب کیا جا رہا ہے۔''

پھر 14 اگست 1956ء کو یوم آزادی پر مادرِ ملتؒ نے حکومت کو خبردار کیا کہ وہ ملک کو درپیش مسائل کو جلد از جلد حل کرے اس سلسلے میں انہوں نے دو مسئلوں کی نشاندہی کی پہلا مسئلہ کشمیر اور دوسرا مہاجرین کی آبادکاری و بحالی۔ پھر 11 ستمبر 1956ء کو یوم قائداعظمؒ پر انہوں نے عصبیت پھیلانے والوں کو اپنی تنقید

کانشانہ بنایا اپنے اس پیغام میں انہوں نے سماجی انصاف پر بہت زور دیا۔محترمہ فاطمہ جناحؒ ملک میں ہونے والی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔چوہدری محمد علی 1956ء میں وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہو چکے تھے۔ڈاکٹر خان صاحب وحدت مغربی پاکستان کے وزیراعلیٰ بنائے گئے۔ 12 اگست 1956ء کو حسین شہید سہروردی ملک کے وزیراعظم بنے۔اب ملک میں نئے دستور کے تحت انتخابات کرائے جانے تھے اور اسمبلی میں طے ہونا تھا کہ انتخابات مخلوط ہوں یا جداگانہ۔اس موقع پر مادرِ ملتؒ نے پھر قوم کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ’’مخلوط یا جداگانہ انتخابات کا مسئلہ ملک کے مستقبل کے لئے بے حد اہمیت رکھتا ہے۔میں پورے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ انتخابات جداگانہ طریقے سے ہی ہونے چاہئیں۔اگر ہم نے مخلوط طریق انتخابات اپنایا تو یہ ہمیں مشکلات میں ڈال دے گا۔ اگر جبری طور پر عوام کی خواہشات کے خلاف کوئی فیصلہ ہوا تو یہ جمہوری تقاضوں کے منافی ہوگا۔‘‘

محترمہ فاطمہ جناحؒ کا مشورہ ملکی حالات کے عین مطابق تھا لیکن افسوس کہ یہ مشورہ بے نتیجہ رہا۔دریں اثنا مغربی پاکستان اسمبلی جداگانہ اور مشرقی پاکستان اسمبلی مخلوط طرزِ انتخابات کی حمایت کر چکی تھی چنانچہ قومی اسمبلی نے بھی ان فیصلوں کی توثیق کر دی۔انتخابات میں مسلم لیگ اکثریتی پارٹی کے تین وزرائے اعلیٰ مغربی پاکستان میں برسر اقتدار آئے اس جوڑ توڑ پر مادرِ ملتؒ نے قوم کو پھر اعتماد میں لیا۔ 14 اگست 1957ء کو انہوں نے یوم آزادی کے پیغام میں کہا کہ ملکی سیاست کو سازشوں اور جوڑ توڑ سے زہر آلود کیا جا رہا ہے۔جبکہ عوام اپنے حق سے محروم ہیں۔ اب عوام کسی غیر جمہوری رجحان کو برداشت نہیں کریں گے۔عوام ملک میں جلد از جلد انتخابات چاہتے ہیں۔ مادرِ ملتؒ اپنا یہ مطالبہ بار بار دہراتی رہیں لیکن طالع آزماؤں نے انتخابات 1957ء کی بجائے 1958ء میں کرانے کا اعلان کر دیا۔

سہروردی صاحب 11 اکتوبر 1957ء کو وزارت عظمیٰ سے برطرف ہوئے اور چند
ریگر وزیراعظم بنے۔ لیکن یہ حکومت بھی نہ چل سکی۔ 16 ستمبر 1957ء کو ملک فیروز
خان نون وزیراعظم بنے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے یوم قائداعظمؒ پر سیاسی رہنماؤں
کے کردار پر کڑی نکتہ چینی کی لیکن وزارتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔

دسواں باب

مادرِ ملّت ؒ اور جمہوریت

مادرِ ملت ؒ جمہوریت پسند خاتون تھیں ان کی سیاسی تربیت قائد اعظم ؒ نے کی تھی جو خود جمہوریت کے قائل تھے۔ قائد اعظم متحدہ ہندوستان کے واحد رہنما تھے جنہوں نے رولٹ ایکٹ کو جمہوریت کے منافی قرار دیتے ہوئے اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اس وقت آل انڈیا کانگریس میں بڑے بڑے جگادری جمہوریت کے چیمپئین بنتے تھے لیکن رولٹ ایکٹ پاس ہونے کے بعد بھی ان کی جمہوریت پسندی بیدار نہ ہوسکی اور انہوں نے اس ایکٹ کے نتیجے میں قائم ہونے والی سول آمریت کو خاموشی سے قبول کرلیا۔ لیکن قائد اعظم ؒ نے بیانگ دہل اس قانون کی مخالفت کی اور جب ان کی بات نہ مانی گئی تو وہ استعفیٰ دے کر اسمبلی سے باہر آگئے۔ ایسے جمہوریت پسند قائد کی بہن ایک غیر جمہوری نظام کو کیسے گوارا کرسکتی تھی۔ یہی جذبہ انہیں عملی سیاست میں کھینچ لایا اور انہوں نے صدارتی امیدوار کی حیثیت سے ملک کے دونوں حصوں کے دورے کرکے آمریت اور آمرانہ نظام کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔ مادرِ ملت ؒ کو نہ اقتدار کی خواہش تھی نہ نام و نمود کی۔ وہ اپنی زندگی میں سیاست کے تمام نشیب و فراز دیکھ چکی تھیں۔ انہوں نے قائد اعظم ؒ کی زندگی میں کوئی عہدہ قبول نہ کیا۔ اور اگر آخری عمر میں عملی سیاست میں آئیں تو محض اس لئے کہ جمہوریت کو آمریت نے غصب کرلیا تھا۔ اگرچہ آمریت سے قبل ملک میں سیاستدانوں نے بھی جمہوریت کو مذاق بنا کر رکھ دیا تھا لیکن مادرِ ملت ؒ کمزور اور نقائص سے پُر جمہوریت کو بہر حال آمریت سے بہتر سمجھتی تھیں۔ چنانچہ وہ آمریت سے قبل کے دور میں حکمرانوں اور سیاستدانوں کو ان کی غلطیوں پر ٹوکتی تو ضرور رہیں مگر انہوں نے عملی سیاست سے گریز کیا۔ عوام کے ساتھ انہوں نے رابطہ منقطع نہیں کیا تھا بلکہ وہ سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ جب لیاقت علی خان کے قتل کے بعد

انگریز کی چھٹو نوکر شاہی نے اقتدار پر قبضہ کر کے جمہوریت کے خلاف سازشیں شروع کر دیں تو مادرِ ملتؒ جمہوریت کے تحفظ کی خاطر میدان میں پھر سے نکل آئیں۔ وہ جمہوریت کے احیا اور بقا کے لئے حکمرانوں پر زور دینے کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی اس کی اہمیت سے آگاہ کرنے لگیں۔ اپریل 1955ء میں انہوں نے فرمایا۔

''میں یہ بات اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں اور ایک بار پھر پر زور انداز میں کہتی ہوں کہ پاکستان جمہوریت کے نام پر وجود میں آیا تھا اور جمہوری ملک ہی رہے گا۔ چاہے اسے اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھیں یا جدید جمہوری قواعد کی رو سے۔ جمہوریت صرف اسی صورت قائم رہ سکتی ہے جب قانون کی حکمرانی ہو۔ قانون جس کے سامنے خلیفہ، بادشاہ اور طاقتور ترین اشخاص کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ اور جس کا احترام سب کو کرنا چاہیے خواہ انہیں معاشرے میں کوئی بھی حیثیت اور مرتبہ حاصل ہو۔ یہی جمہوریت کا مفہوم اور اس کی اصل روح ہے قانون کا احترام نہ رہے تو ہر طرف انارکی اور بدنظمی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔''

وہ اپنی ہر تقریر میں قوم کو احساس دلاتیں کہ اس ملک کی سالمیت، ترقی اور بقا جمہوریت میں مضمر ہے۔ حکمرانوں کا جو ٹولہ سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں پر قدغن لگا رہا ہے وہ قوم و ملک کا دشمن ہے۔ جمہوریت ختم ہونے سے ہمیں نقصان عظیم ہو گا۔ مئی 1955ء میں انہوں نے کہا:

''ہمارے مشاہدے میں یہ بات بھی آ رہی ہے کہ جمہوری اداروں اور روایات کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ وہ جمہوری روایات اور ادارے جو کسی زندہ اور توانا معاشرے کے لئے زندگی بخش خون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان روایات اور اداروں کو سرے سے ختم کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ نمائندہ سیاسی جماعتیں جو ہماری اجتماعی رائے کے اظہار کا واحد ذریعہ ہیں ان کو منظم طریقے سے

کمزور کیا جا رہا ہے۔ اور ان کی بجائے بغل بچہ جماعتیں بنائی جا رہی ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔"

پاکستان کے قیام کے فوراً بعد قائداعظمؒ نے ایک آئین ساز اسمبلی تشکیل دی تھی۔ نوکر شاہی کے کل پرزوں نے جنہوں نے سازش کر کے ملک پر قبضہ کر لیا تھا اس اسمبلی کو توڑ دیا تو مادرِ ملتؒ نے اس اقدام کو جمہوریت کا قتل قرار دیا اور اس کے خلاف عوام کو بیدار کرنے لگیں۔

مادرِ ملتؒ نے چونکہ بانی پاکستان کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا پھر وہ قائد کی بہن ہونے کے ناطے بھی بانی پاکستان کے افکار کا ادراک رکھتی تھیں اس لئے انہوں نے غاصب حکمرانوں پر قیام پاکستان کا مقصد واضح کرنے کے لئے جمہوریت کا بار بار تذکرہ کیا۔ دسمبر 1955ء میں انہوں نے فرمایا:

"تحریک پاکستان جمہوری جذبے کے ساتھ جمہوری طریقوں سے جمہوری تقاضوں کے حصول کے لئے چلائی گئی تھی اس بارے میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہے ہم ایک آزاد اور خود مختار جمہوریہ چاہتے ہیں۔ ہم آئین چاہتے ہیں اور ہم براہ راست انتخابات چاہتے ہیں تا کہ ایوانِ حکومت میں ہمارے اصل نمائندے پہنچ سکیں۔"

جمہوریت کے حوالے سے ہی انہوں نے قوم کو ستمبر 1956ء میں بتایا:

"یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ کیسے آپ کے ملک میں چند لوگ جمہوریت کی روح کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جو دولت اور اختیار کے بھوکے ہیں ہمیشہ ایسے خفیہ طریقوں اور حربوں کے تلاش میں رہتے ہیں جن کے ذریعے ملک میں جمہوریت کی نشوونما کو روکا جائے۔ ان خطرناک رجحانات کا خاتمہ چوکس اور مضبوط رائے عامہ کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔"

پھر اگست 1957ء میں انہوں نے فرمایا:

"پاکستان کے لئے جمہوریت کی راہ کا انتخاب کیا جا چکا ہے۔ جمہوریت عوام کے

خون میں شامل ہے۔تحریک پاکستان کے مقاصد جمہوری تھے اور قائداعظمؒ کی زیرِ قیادت یہ مقاصد خالصتاً جمہوری طریقے سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ہر شخص پر اس کی خود اپنی اور اس کے ملک کی خاطر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دیکھے کہ آئین پر اس کے الفاظ اور روح کے مطابق عمل ہو رہا ہے یا نہیں تا کہ ایک مکمل جمہوری نظام قائم ہو اور تمام جمہوریت دشمن رجحانات کا خاتمہ کیا جاسکتے۔''

ملکی حکمران جوں جوں جمہوریت کا خون کرتے رہے مادرِ ملتؒ کی تلخی اور دکھ میں توں توں اضافہ ہوتا رہا۔عوام دشمن حکمران اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے محلاتی جوڑتوڑ میں اس قدر مصروف تھے کہ انہیں عوام کی بدحالی کا احساس تک نہ تھا لہٰذا مادرِ ملتؒ مسلسل انہیں اپنی تنقید کا نشانہ بنائے ہوئے تھیں۔دسمبر 1957ء میں انہوں نے جمہوریت کے حوالے سے فرمایا:

''اب ذرا ان لوگوں کا ذکر ہو جائے جو عوامی راہنما ہیں یا ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اس وقت میں ان بے شمار خامیوں اور ناکامیوں کا ذکر نہیں کروں گی لیکن میں ایک بنیادی نکتے کی طرف ان کی توجہ دلانا چاہتی ہوں۔انہوں نے تمام طریقے اور تدابیر آزمالیں لیکن وہ اپنی یا ملک کی بہتری کے لئے کچھ کرنے میں ناکام رہے۔اس ناکامی کی اصل وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حقیقی جمہوریت کو کبھی کام کرنے کا موقع نہیں دیا۔کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ عوام جاہل ہیں اور نہیں معاملات کی کچھ سمجھ بوجھ نہیں ہے۔اگر انہیں اختیارات دئے دیئے گئے تو ملک میں بدنظمی پھیل جائیگی۔لیکن میں ان سے پوچھتی ہوں کہ ملک کی اس وقت جو حالت ہے اس سے بڑھ کر بدنظمی اور ابتری اور کیا ہوسکتی ہے۔''

جب جمہوری اور سیاسی بساط لپیٹ کر جنرل ایوب خان نے اقتدار پر مکمل قبضہ کرلیا تو مادرِ ملتؒ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور انہوں نے فرمایا:

''یقیناً یہ بات شرم ناک ہے کہ ایک ایسے ملک میں جس کا قیام ہی جمہوری طریق

سے بالغ رائے دہی کے ذریعے عمل میں آیا ہو اس میں یہ بات متنازعہ بنادی جائے کہ عوام براہ راست اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ عوام کو اس بات کے قابل ثابت کرنے اور براہ راست انتخابات کے نظام کی عیب جوئی کی خاطر ہر قسم کے دوراز کار نظریات اور خیالات ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائے جا رہے ہیں۔ پاکستان کا مسئلہ ایک سیاسی مسئلہ تھا۔ تحریک پاکستان ایک سیاسی تحریک تھی جس کے واضح سیاسی مقاصد تھے۔ ان مقاصد میں ایک ایسی آزاد ریاست کا قیام عمل میں لانا شامل تھا جس کے باشندوں کو اس بات کا پورا پورا حق حاصل ہو کہ وہ جس طرح چاہیں زندگی گزاریں اور اپنی تقدیر کے فیصلے اپنے تصورات اور آدرشوں کے مطابق کریں۔ یہ تحریک جمہوری مقاصد کی خاطر جمہوری طریقے سے چلائی گئی تھی اور اس ملک کا حصول براہ راست انتخاب کے اصول پر عوام کے حق رائے دہی کے استعمال کے نتیجے میں عمل میں آیا تھا۔ یہ ہے تحریک اور اس ملک کے حصول کا تاریخی پس منظر۔"

جنرل ایوب خان کی فوجی آمریت کے خلاف میدان میں نکل کر مادرِ ملتؒ نے جمہوریت کو ایک نئی زندگی بخش دی۔ ان کی اس مجاہدانہ کوشش سے عوام میں بھی جمہوریت کا شدید احساس پیدا ہو گیا۔ مادرِ ملتؒ جانتی تھیں کہ ملک کے دونوں حصوں کو جن کے درمیان قریباً ایک ہزار میل سے زائد کا فاصلہ ہے اور اس درمیانی فاصلے پر بھارت کا قبضہ ہے صرف اور صرف جمہوریت کے ذریعہ ہی متحد رکھا جا سکتا ہے۔ وہ ایسی جمہوریت کی قائل تھیں جو اسلام کے تابع ہو۔ جب آمریت نے سرے سے جمہوریت کا ہی بستر گول کر دیا تو مادرِ ملتؒ کو ملکی سالمیت کے لئے میدانِ عمل میں نکلنا پڑا۔ صدارتی امیدوار کی حیثیت سے انہوں نے ملک کے دونوں حصوں میں جمہوریت کی ٹمٹماتی ہوئی شمع کو ایک بار پھر فروزاں کر دیا۔ توقعات کے مطابق وہ بہ ظاہر تو آمریت کو شکست نہ دے سکیں۔ ایوب خان بدستور کرسی

صدارت کو قابو کر لینے میں کامیاب رہے اور اس مقصد کے لئے دھاندلی کے ریکارڈ قائم کر دیئے گئے تاہم مادرِ ملتؒ نے قوم میں نئی روح پھونک دی۔ افسوس کہ قائداعظمؒ کی طرح مادرِ ملتؒ کو بھی اس مشن کی تکمیل کی مہلت نہ ملی اور وہ جمہوریت بحال ہوتے نہ دیکھ سکیں۔ تاہم قوم نے ان کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے آمر کو اقتدار سے محروم کر دیا اور اس کے بعد جو آمر آیا اسے ملک میں انتخابات کراتے ہی بن پڑی۔ عوام نے تو بحالیٔ جمہوریت میں اپنا فرض ادا کر دیا لیکن بدقسمتی سے کچھ سیاستدانوں نے پھر وہی دھاچوکڑی مچانی شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں جمہوریت کو ایک بار پھر سول آمریت کا چولہ پہنا دیا گیا۔ مشرقی پاکستان کا خود ساختہ رہنما شیخ مجیب الرحمٰن اگرچہ زبان سے جمہوریت کا نعرہ لگاتا تھا لیکن عملاً وہ اپنے مقابلے میں کسی دوسرے کا وجود برداشت کرنے کا قائل نہ تھا۔ جب 1970ء میں انتخابات کا اعلان ہوا تو اس نے مشرقی پاکستان پر آمروں کی طرح قبضہ جما لیا۔ اس کی جماعت عوامی لیگ نے تہیہ کر لیا کہ وہ کسی دوسری جماعت کا انتخابی جلسہ مشرقی پاکستان میں نہیں ہونے دے گی۔ چنانچہ اس کے کارکنوں نے ایسی دہشت گردی پھیلائی کہ کوئی دوسری جماعت کامیاب انتخابی جلسہ نہ کر سکی۔ کچھ اسی قسم کی صورتحال مغربی پاکستان میں بھی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک جماعت مشرقی پاکستان میں جیت گئی اور دوسری جماعت مغربی پاکستان میں۔ اس طرح ملک کے دونوں حصوں کے درمیان سیاسی رشتہ منقطع ہو گیا۔ جو بالآخر مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر منتج ہوا۔ یہی وہ خدشہ تھا جس کا اظہار مادرِ ملتؒ کیا کرتی تھیں اور جسے دور کرنے کے لئے انہوں نے ضعیف العمری میں عملی سیاست میں قدم رکھا تھا جب قومیں اپنے مخلص رہنماؤں کی آوازوں پر لبیک کہنے سے اجتناب کرنے لگتی ہیں تو پھر ان کا یہی حال ہوا کرتا ہے جو ہمارا ہوا۔ اگر ملک میں صحیح جمہوریت قائم رہتی تو اتنی قربانیوں کے نتیجے میں حاصل ہونے والا یہ ملک اغیار کی سازشوں کا شکار ہو کر

دولخت نہ ہوتا۔

مادرِ ملتؒ جانتی تھیں کہ قائداعظمؒ کی بہتر سے بہتر رائے بھی کونسل اور ورکنگ کمیٹی کے فیصلوں کے تابع ہوتی تھی اور وہ کسی پر اپنی بات ٹھونسنے کے قائل نہ تھے ۔روزمرہ کے معمولات میں وہ ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناحؒ سے مشورے کو بے حد اہمیت دیتے تھے۔ایسے ماحول میں رہ کر مادرِ ملتؒ کا جمہوریت پر یقین اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ آمریت کے دلفریب اور مسحور کن نعرے ان کے اس یقین کو متزلزل نہ کر سکے۔اس لئے وہ اپنی زندگی کے آخری دور میں بھی جمہوریت کی بقا اور اس کے استحکام کے لئے اتنا کام کرتی رہیں جو شاید نوجوانوں کے لئے بھی ممکن نہ تھا۔

مہذب دنیا آمریت کو پسند نہیں کرتی۔ یہ الگ بات ہے کہ جمہوری ممالک بسا اوقات اپنی مصلحتوں کے تحت غیر جمہوری حکومتوں کو بھی برداشت کر لیتے ہیں لیکن ان کی یہ برداشت ''منافقت آمیز'' ہوا کرتی ہے اور جب مناسب وقت آتا ہے تو مہذب ملک غیر جمہوری حکومتوں کی طرف سے آنکھیں پھیر لیا کرتے ہیں ۔امریکہ نے بھی ایوب خان کی آمریت کو بڑی حد تک برداشت کیا لیکن وہاں کے متعدد اخبارات و جرائد وقتاً فوقتاً جمہوریت کی حمایت کرتے رہے۔ جب مادرِ ملتؒ نے ایوب خان کے مقابلے میں صدارتی انتخاب لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو امریکہ کے مشہور جریدے نیوز ویک نے اپنی 2 نومبر 1964ء کی اشاعت میں لکھا: ''مس فاطمہ جناحؒ ایک کمزور اور منحنی خاتون ہیں۔ان کے بال چاندی کی طرح سفید ہیں اور ان کے چہرے کی جھریاں واضح طور پر اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ وہ ستر سالہ ضعیفہ ہیں۔بادی النظر میں یہ بات مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے کہ وہ پاکستان کے مطلق العنان صدر ایوب خاں کے اقتدار کو چیلنج کرنے کا تصور بھی کریں اور جب پانچ مخالف جماعتوں نے انہیں صدارتی امیدوار نامزد کیا تو ایوب خان کے حامی خوش ہو گئے۔بعض نے یہ کہہ کر ان کا مذاق اڑایا کہ وہ عمر رسیدہ ہیں جبکہ بعض نے بڑے

اعتماد سے دعویٰ کیا کہ ایک عورت مسلم قوم کی رہنمائی نہیں کر سکتی۔ ''مرد آہن'' ایوب خان نے خود قہقہہ لگا کر کہا کہ ''کسی دوسرے حریف کی نسبت مس فاطمہ جناحؒ کو شکست دینا زیادہ آسان ہے۔'' لیکن جب پاکستان میں صدارتی انتخابات کا پہلا مرحلہ نقطۂ عروج پر پہنچا تو صدر ایوب اور ان کی جماعت (کنونشن) مسلم لیگ کی خوش فہمی کافور ہوگئی۔ صدر ایوب کے گڑھ مغربی پاکستان میں مس جناحؒ کی انتخابی مہم کے دوران ہزارہا لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے جنہوں نے اپنی نجات دہندہ کے طور پر ان کا خیر مقدم کیا اور کوئی ایک ہزار میل دور مشرقی پاکستان میں جہاں ایوب حکومت کے خلاف جذبات انتہائی شدید تھے کم از کم دس لاکھ لوگ ان کے راستے پر چشم براہ رہے جہاں مس فاطمہ جناحؒ کی ٹرین نے گزرنا تھا اس میں شک نہیں کہ جو لوگ مس جناحؒ کے استقبال کے لئے آئے ان میں متعدد ایسے تھے جو صدر ایوب پر ان کی نقطۂ چینی سننے آتے تھے جنہوں نے اپنے چھ سالہ دور اقتدار میں بہت سے لوگوں کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ لیکن ہزارہا پر جوش لوگوں میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جو اس خاتون کو دیکھنے کے خواہاں تھے جس کو وہ مادرِ ملتؒ کہتے تھے اور جس کا وہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی وجہ سے احترام کرتے تھے۔ قائداعظمؒ کی ثابت قدمی کی بنا پر ہی برطانیہ پاکستان کے قیام کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ مس جناحؒ کے حق میں عوامی جوش و خروش سے بوکھلا کر صدر ایوب نے اس امر پر زور دینے کی کوشش کی کہ اس انتخاب میں شخصیتوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ اصولوں اور نظریات کا مسئلہ ہے اور مس جناحؒ نے بھی اس نقطے پر زور دینے کی کوشش کی کہ میں اقتدار یا عہدہ صدارت کی بھوکی نہیں ہوں۔ میں مسٹر ایوب خان (وہ انہیں صدر کہنے سے انکاری تھیں) کی اس لئے مخالفت کر رہی ہوں کہ آپ کو جمہوریت واپس دلا سکوں اور اگر وہ منتخب ہو گئیں تو براہ راست رائے دہی اور پارلیمانی طرزِ حکومت کو بحال کر دیں گی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ میں عوام کو وہ تمام حقوق واپس دلانا چاہتی ہوں جو

ان سے چھین لئے گئے ہیں۔........ مس جناحؒ اس مقصد میں کامیاب رہیں۔ ان کی مہم سے پتہ چل گیا کہ ایوب خان کی مخالفت اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی ماضی میں سمجھی جاتی رہی تھی اس لحاظ سے پاکستان کی پر جوش مخلص مادرِ ملتؒ اپنے ملک کو جمہوریت سے ہم کنار کرنے کے لئے عملاً پہلا قدم اٹھا چکی تھیں۔

گیارہواں باب

جمہوریت کا خاتمہ

1958ء کا اکتوبر کا مہینہ ملک کے لئے بہت منحوس ثابت ہوا۔ اس مہینے میں جنرل ایوب خان نے ملک میں جمہوریت کا خاتمہ کر دیا۔ اس وقت خان عبدالقیوم خان پاکستان مسلم لیگ کے صدر تھے چونکہ حکومت پر ملک میں عام انتخابات کرانے کے لئے دباؤ ڈالا جا رہا تھا اس لئے خان عبدالقیوم خان بھی اس مطالبے کے حق میں مسلم لیگ کے لمبے لمبے جلوس نکال رہے تھے۔ سکندر مرزا انتخابات کے حق میں نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انتخابات کے نتیجے میں ان کی صدارت جاتی رہے گی اس لئے انہوں نے ملک اور عوام کے خلاف سازش کی۔ انہوں نے 7 اکتوبر 1958ء کی شب کو ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر کے وزارتیں اسمبلیاں آئین اور سیاسی جماعتوں سمیت سب کچھ ختم کر دیا۔ ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا اور جنرل ایوب خان چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔ سکندر مرزا نے مارشل لا اپنے مقاصد کے لئے لگایا تھا لیکن جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ اختیارات تو سب فوج کے پاس چلے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فوجی آمریت کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ سکندر مرزا کی پوزیشن اب چلے ہوئے کارتوس سے زیادہ نہ تھی۔ چنانچہ جنرل ایوب کو جب سازشوں کا علم ہوا تو انہوں نے 26 اکتوبر 1958ء کو سکندر مرزا کو معزول کر دیا اور ملک کی صدارت بھی خود سنبھال لی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ اگر چہ ملک میں جمہوریت کے خاتمے کی مخالف تھیں لیکن جب فوجی آمروں نے سکندر مرزا کو معزول کر کے ملک بدر کر دیا تو انہوں نے اس اقدام کی حمایت کی۔ سکندر مرزا کو صدر کا عہدہ سنبھالے قریباً دو سال ہو چکے تھے لیکن اپنے دور اقتدار میں انہوں نے ملک و قوم کے لئے کچھ نہیں کیا تھا۔ سیاسی لحاظ سے ملک افراتفری میں کا شکار تھا اور اقتصادی لحاظ سے وہ دیوالیہ قرار پانے والا تھا۔

عوام کا کوئی پرسان حال نہ تھا وہ خاموش تماشائی بن چکے تھے۔ سیاستدانوں کا کردار ان کے سامنے تھا جنہیں حصول اقتدار کے کے سوا اور کسی بات سے غرض نہ تھی۔ چونکہ سیاستدانوں نے اپنی کرتوتوں کے سبب عوام میں اپنی ساکھ برباد کرلی تھی اس لئے جمہوریت کا حامی ہونے کے باوجود عوام کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ آمریت کو وقتی طور پر قبول کرلیں جنرل ایوب خان نے جب عوام سے یہ وعدہ کیا کہ وہ ملک میں جمہوریت بحال کردیں گے تو عوام اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ واقعی ملک میں صاف ستھری جمہوریت قائم ہو جائے گی۔ انہیں علم نہ تھا کہ آمریت جانے کے لئے نہیں آیا کرتی ایوب خان کے دس سال پر محیط دور حکومت نے عوام کی آنکھیں کھول دیں اور انہیں احساس ہوگیا کہ انہوں نے آمر کی بات پر یقین کر کے غلطی کی تھی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ اس عظیم بھائی کی بہن تھیں جس نے جمہوری طریقے سے ایک نیا ملک حاصل کرلیا تھا چنانچہ انہیں بھی جمہوریت عزیز تھی اور وہ جانتی تھیں کہ جمہوریت کے ذریعہ قائم کردہ اس ملک کو جمہوریت کے ذریعہ ہی مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس دور میں بھی سیاست دانوں نے محترمہ فاطمہ جناحؒ سمیت پوری قوم کو مایوس کیا۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ ملک کے مختلف حصوں میں دورے کر کے سیاست دانوں، حکمرانوں اور عوام کو آگاہ کرتی رہیں کہ ملکی حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں لیکن لیڈروں نے ان کے مشوروں اور انتباہ پر کان نہ دھرا اور مشرقی پاکستان کی عبرتناک شکست بھی انہیں متحد رہنے پر آمادہ نہ کرسکی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کے سامنے اب کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ انہوں نے مجبوراً آمریت کو اصلاح احوال کا موقع دیا اور اسے تلقین کی کہ وہ عوام کے مسائل حل کرنے کی طرف فوری توجہ دے۔ انہوں نے عوام سے بھی اپیل کی کہ وہ ایوب حکومت سے بہتری کی امید رکھیں لیکن افسوس جس آمریت کو مادرِ ملتؒ نے کام کرنے کا موقع دیا تھا اسی آمریت نے انہیں بھی ڈس لیا۔ پاکستان کے ازلی حریف

بھارتی وزیراعظم نے پاکستان کے خلاف زبردست پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ اس ملک میں جمہوریت کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مادرِ ملتؒ نے 25 دسمبر 1958ء کو ریڈیو پر قوم سے خطاب کیا۔ انہوں نے بھارتی پروپیگنڈا کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان پر تنقید کرنے والا بھارتی وزیراعظم یہ بھول گیا ہے کہ اس کے ''جمہوری'' ملک میں کروڑوں افراد کو اچھوت بنا کر رکھا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت کو پاکستان پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھارت ہے جس نے کشمیری عوام کو حق خود ارادیت سے محروم کر رکھا ہے۔ انہوں نے عوام سے اپیل کی وہ ملکی ترقی کے لئے پوری لگن اور محنت سے کام کریں۔

مادرِ ملتؒ نے فوجی حکمرانوں پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی تھی جب انہوں نے دیکھا کہ یہ حکومت بھی ملکی مسائل حل کرنے پر توجہ نہیں دے رہی تو انہوں نے فوجی حکمرانوں پر تنقید شروع کر دی۔ پاکستان کے بعض حلقے مادرِ ملتؒ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے فوجی حکومت کی حمایت کر کے اسے استحکام بخشا ورنہ اگر وہ ابتدا میں ہی اس حکومت کی تائید نہ کرتیں تو ملک میں آمریت کو قدم جمانے کا موقع نہ ملتا۔ یہ حلقے اس وقت کے معاملات کو محض سطحی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مادرِ ملتؒ ایک معاملہ فہم سیاستدان تھیں۔ معترضین یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جب مادرِ ملتؒ کے سوا سبھی سیاست دان آپس میں دست و گریباں تھے تو وہ اکیلی کس طرح اس بگاڑ کو ختم کرتیں۔ جنرل ایوب خان نے اقتدار پر قبضہ کرتے ہی عوام کو یقین دلایا تھا کہ وہ جمہوریت بحال کر دیں گے۔ مفاد پرست سیاستدان آمریت کے دامن پر سجدہ کرنے لگے تھے۔ ان کے نزدیک ہر وہ حکمران صحیح تھا جو انہیں کسی نہ کسی شکل میں فائدہ پہنچائے۔ انہیں ملک و قوم اور جمہوریت سے کوئی غرض نہ تھی اگر یہ عنصر عقل و خرد سے عاری نہ ہو جاتا تو آمریت کو اقتدار پر قبضہ جمانے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ اس عنصر نے تو ایوب خان کے بعد آنے والوں کے بارے میں بھی اپنی پالیسی نہ

بدلی۔ ملک میں آمریت کے پروردگان نے ہی مشکلات پیدا کر رکھی ہیں۔ ان حالات میں مادرِ ملتؒ پر آمریت کی حمایت کا الزام عائد کرنا حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے تو آنکھ ہی قانون اور جمہوریت کے دور میں کھولی تھی۔ اسی پر وہ ساری عمر کاربند رہیں۔ قائداعظمؒ کے بعد مادرِ ملتؒ سے زیادہ جمہوریت پسند اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ جمہوریت کے دعویداروں نے ہی جمہوریت کو پابند سلاسل کر دیا تھا جس کا آمریت نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ظاہر ہے کہ آمریت کسی قسم کی تنقید برداشت نہیں کیا کرتی چنانچہ ایوب خان نے بھی مادرِ ملتؒ کی پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ''قائداعظمؒ'' کی وفات کے بعد ہر حکومت پر تنقید کرنا ان کا وطیرہ بن چکا ہے وہ ایک حکومت کی حمایت کرتی ہیں پھر اسی کی مخالفت شروع کر دیتی ہیں۔'' جنرل ایوب خان کا یہ تبصرہ ان کی سیاسی فہم و ادراک سے دوری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جنرل ایوب خان محض سپاہی تھے جس کو دشمن کے دانت کھٹے کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس سپاہی نے جب اقتدار پر قبضہ جمالیا تو اپنی تربیت کے مطابق عوام کو بھی دشمن سمجھ لیا اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرنے لگے جو دشمن سے کیا جاتا ہے۔ انہوں نے وعدہ تو جمہوریت کی بحالی کا کیا تھا لیکن اس کی بجائے انہوں نے بنیادی جمہوریت کا نظام رائج کر دیا اور ملک کی باگ ڈور عوام کے ہاتھوں سے چھین کر 80 ہزار بی ڈی ممبروں کے ہاتھوں میں تھما دی۔ یہ عوام پر عدم اعتماد کا اظہار تھا۔ اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو جمہوریت کو غصب کرنے میں آمروں سے زیادہ اُن نام نہاد اور مفاد پرست سیاستدانوں کا قصور ہے جو دولت کے عوض اپنا ضمیر بیچتے رہے اور جن کے سلسلے آج بھی معاشرے میں موجود ہیں۔ مادرِ ملتؒ نے اگر ابتدا میں جنرل ایوب خان کی حمایت کی تھی تو اس امید پر کہ یہ حکومت ملک و ملت کے مسائل حل کرے گی لیکن جب ان کی یہ توقع پوری نہ ہوئی تو وہ اسے جھنجھوڑنے لگیں۔ جنرل ایوب خان جنہوں نے عقل کل بن

کر ایک جمہوری ملک کے مرض کا علاج آمریت میں ڈھونڈا تھا اگر واقعی مخلص ہوتے تو اس دور کے سیاست دانوں کی پھیلائی ہوئی سیاسی غلاظت کو صاف کر کے انتخابات کرا دیتے اور اقتدار منتخب نمائندوں کے سپرد کر کے واپس بیرک میں چلے جاتے تو آج ان کا نام زریں حروف میں تاریخ کے صفحات پر درج ہوتا ہے۔ آمریت خود بدترین برائی ہوتی ہے۔ جب اس پر ہوس کا غلبہ ہو جائے تو یہ دوآتشہ بن جاتی ہے۔ ایوب خان کی آمریت بھی اس وقت تک ختم نہ ہوئی جب تک عوام نے سڑکوں پر نکل کر ان کے خلاف نعرے نہ لگائے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کا پاکستان میں قائم ہونے والی حکومتوں سے کوئی ذاتی مفاد نہ تھا، وہ صرف یہ چاہتیں تھیں کہ یہ حکومتیں ان مقاصد کو نظروں کے سامنے رکھیں جو اس ملک کے حصول کے وقت متعین کئے گئے تھے جب حکمران اصولوں کے برعکس کام کرتے تھے تو مادرِ ملتؒ ان پر سخت تنقید کرنے سے گریز نہ کرتی تھیں۔

جنرل ایوب خان نے خود کو ہر قسم کی تنقید سے محفوظ کرنے کے لئے ایبڈو کے نام سے قانون بنایا جس کی رو سے سیاستدانوں سے پوچھا جاتا تھا کہ وہ رضاکارانہ طور پر سیاست سے علیحدہ ہوتے ہیں یا انہیں عدالت کے ذریعہ اس میدان سے نکالا جائے۔ چونکہ جنرل ایوب خان نے اقتدار پر قبضہ کرتے ہی آئین کو بھی منسوخ کر دیا تھا اس لئے ملک ایک بار پھر سرزمین بے آئین بن چکا تھا۔ مئی 1961ء میں محترمہ فاطمہ جناحؒ نے عید الاضحیٰ کے موقع پر اپنے بیان میں فرمایا ''ہمارا آئین 1958ء میں ختم کر دیا گیا تھا اور گزشتہ تین سال سے قوم آئین سے محروم ہے۔ قوم کو ایسا آئین جلد ملنا چاہیے جس پر ہماری مستقبل کی کامیابیوں کا انحصار ہو۔''

مارچ 1962ء میں جنرل ایوب خان نے اپنے مسودہ آئین کا اعلان کر دیا۔ 8 جون 1962ء کو انہوں نے نئے آئین کے تحت حلف اٹھایا۔ اسی روز مارشل لا ختم کر دیا گیا۔ فوجی آمر سیاست سے نابلد ہوتا ہے اس کی تربیت ملک پر حکمرانی کے

لئے نہیں بلکہ ملکی سرحدوں کے دفاع کے لئے کی جاتی ہے جب ملک میں مارشل لاختم ہوا تو ایوب خان کو بھی سہارے کی تلاش ہوئی چنانچہ مفاد پرست پھر ان کے کام آئے اور مشورہ دیا کہ وہ مسلم لیگ پر بھی قبضہ کرلیں اور اس کے صدر بن جائیں۔ جنرل ایوب خان نے یہ مشورہ مان لیا اور 7-8 ستمبر کو کراچی میں مسلم لیگ کا کنونشن طلب کرلیا تا کہ خود کو مسلم لیگ کا صدر منتخب کرواسکیں۔ اس کنونشن کی صدارت چوہدری خلیق الزماں مرحوم نے کی۔ استقبالیہ کمیٹی کے چیئر مین سر محمد یامین تھے۔ ابتدا میں تو چوہدری خلیق الزماں کو پارٹی کا چیف بنایا گیا دسمبر 1963ء میں ایوب خان نے جماعتی صدارت پر بھی قبضہ کرلیا۔ مسلم لیگ کا کنونشن چونکہ مفاد پرستوں کا شو تھا اسلئے مسلم لیگ کے دوسرے دھڑے نے اسے چیلنج کردیا اس میں سردار بہادر خان پیش پیش تھے۔ مسلم لیگ کے دوسرے دھڑے کا موقف یہ تھا کہ جماعت کی بحالی یا کنونشن طلب کرنے کا اختیار صرف جماعتی کونسل کو ہے۔ یہ جھگڑا بڑھا۔ 27-28 اکتوبر کو ڈھاکہ میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بلایا گیا جو مسلم لیگی کراچی کے کنونشن میں شامل نہیں ہوئے تھے وہ کونسل کے اجلاس میں شریک ہوئے اور یہاں سے بھی جماعت کی بحالی کا اعلان کردیا گیا کونسل کے افتتاحی اجلاس کی صدارت مولانا محمد اکرم خان نے کی۔ خواجہ ناظم الدین کو صدر اور سردار بہادر خان کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اس طرح پاکستان مسلم لیگ دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ کراچی میں ہونے والے کنونشن کی مناسبت سے ایک دھڑا کنونشن مسلم لیگ کہلوایا اور دوسرے کو کونسل مسلم لیگ کا نام دیا گیا کیونکہ اس کی بحالی کا اعلان مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں ہوا تھا۔ کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے مادرِ ملتؒ کو بھی دعوت دی گئی تھی لیکن وہ صوبہ پنجاب اور سرحد کے دورے پر تھیں اس لئے وہ اجلاس میں تو شرکت نہ کرسکیں البتہ کونسل مسلم لیگ کو جو اپوزیشن کا کردار ادا کررہی تھیں ان کی مکمل حمایت حاصل رہی۔ 1965ء میں صدارتی انتخابات ہونے تھے 1962ء سے

1965ء تک ملک میں جو سیاسی تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے ان پر کڑی نگاہ رکھی اور وقتاً فوقتاً تبدیلیوں پر اظہار رائے سے بھی گریز نہ کیا اس طرح محترمہ فاطمہ جناحؒ نے 1948ء میں قائداعظمؒ کی وفات کے بعد ملک کی سیاسی خدمت کرنے کا جو عہد کیا تھا اُسے بطریق احسن نبھایا۔ وہ اہم قومی مواقع پر عوام اور حکمرانوں کو مشورے دیتی رہیں اور ان کی غلطیوں پر ٹوکتی رہیں۔ بعض معترضین تنقید اور مشوروں کو ملک و ملت کی خدمت سمجھنے سے ہچکچاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ اس دور میں جو کچھ بھی کرتی رہیں وہ حصول اقتدار کے لئے نہ تھا اگر انہیں اقتدار کی خواہش ہوتی تو قائداعظمؒ خود انہیں بڑے سے بڑا جماعتی اور حکومتی عہدہ عطا کر سکتے تھے۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد بھی حالات اتنے دگرگوں نہ ہوئے تھے۔ مادرِ ملتؒ اس وقت جو عہدہ چاہتیں حاصل کر سکتیں تھیں اور عوام بھی یقیناً اس پر فخر کرتے لیکن انہوں نے ساری زندگی بے لوث خدمات انجام دیں۔ حکومتی اور جماعتی عہدوں سے بے نیاز ہو کر دہ مشوروں کے ذریعہ ہی قوم کی خدمت کر سکتی تھیں اور یہ خدمت انہوں نے جس طرح کی اس کی پوری قوم معترف ہے۔

1965ء میں جب مادرِ ملتؒ نے محسوس کیا کہ قوم کو اب آمریت سے چھٹکارا دلانے کے لئے راستہ دکھانے کی ضرورت ہے تو وہ محض مشوروں تک محدود رہنے کی بجائے میدانِ عمل میں نکل آئیں اور کونسل مسلم لیگ نے انہیں اپنا صدارتی امیدوار نامزد کر دیا۔

بارہواں باب

مادرِ ملّتؒ بطور صدارتی امیدوار

جنرل ایوب خان 1963ء میں کنونشن مسلم لیگ کی صدارت پر بھی قابض ہو گئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ 1965ء کے صدارتی انتخات میں کامیابی حاصل کر کے خود کو تاحیات صدر بنالیا جائے۔ اس مقصد کے لئے پروپیگنڈا مہم شروع کی گئی۔ مہم کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ملک چونکہ قیادت سے محروم رہا ہے اس لئے جنرل ایوب خان کو تاحیات صدر تسلیم کرلیا جائے۔ اس مہم سے سیاست دان چوکنے ہو گئے اور انہوں نے وسیع تر اتحاد قائم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی اس مہم میں خواجہ ناظم الدین مرحوم پیش پیش تھے۔ وہ اکتوبر 1962ء میں کونسل مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ ان کی جدوجہد کا نتیجہ 21 جولائی 1964ء کو سامنے آیا جب ملک کی پانچ سیاسی جماعتوں نے آپس میں اتحاد کر کے متحدہ حزب اختلاف کے قیام کا اعلان کیا چونکہ صدارتی انتخاب ہونے والا تھا اس لئے متحدہ حزب اختلاف نے اپنا نونکاتی منشور جاری کیا۔ اس منشور میں کہا گیا تھا کہ ملک کے لئے جمہوری دستور تیار کیا جائے گا۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کرائے جائیں گے۔ ملک میں پارلیمانی نظام رائج کیا جائے گا۔ صوبائی خودمختاری دی جائے گی۔ مرکز میں مساوات قائم ہو گی۔ صدارتی انتخابات محدود کر دیئے جائیں گے۔ انتظامیہ کو عدلیہ سے الگ کر کے سپریم کورٹ کا عدالتی نظر ثانی کا حق بحال کیا جائے گا۔ سیاسی جماعتوں پر سے ہر قسم کی پابندی ختم کر دی جائے گی اور تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں گے۔ ایوب خان کے بقول یہ منشور چوہدری محمد علی کا تیار کردہ تھا جس میں ہر جماعت کے نقطۂ نظر کو سمونے کی کوشش کی گئی تھی۔ متحدہ حزب اختلاف میں شامل پارٹیوں کے سربراہ یہ تھے۔ خواجہ ناظم الدین (کونسل مسلم لیگ) مولانا عبدالحمید خان بھاشانی (نیشنل عوامی پارٹی) نوابزادہ نصر اللہ خان (عوامی لیگ) شیخ مجیب الرحمٰن (عوامی لیگ)

چوہدری محمد علی (نظام اسلام پارٹی) اور مولانا مودودی (جماعت اسلامی) چونکہ آمریت کی کوئی مستحکم بنیاد نہیں ہوتی اس لئے وہ عوامی تحریکوں سے ہر وقت خوفزدہ رہا کرتی ہے۔ایوب خان کو بھی جب متحدہ حزب اختلاف کے قیام کا علم ہوا تو وہ پریشان ہو گئے اور انہیں اپنے قدموں تلے سے زمین کھسکتی دکھائی دینے لگی۔ صدارتی انتخاب قریب آیا تو کنونشن مسلم لیگ نے ایوب خان کو اپنا امیدوار نامزد کیا ۔ان کے منشور میں کہا گیا تھا کہ ملکی دولت کی تقسیم منصفانہ ہو گی۔اجارہ داریاں ختم کر دی جائیں گی۔افراط زر روکی جائے گی اور قیمتوں میں استحکام پیدا کیا جائے گا۔ آبادی میں اضافے کو روکا جائے گا۔بنیادی جمہوریتوں کو انتظامی ذمہ داریاں سونپی جائیں گی۔پریس کے لئے ضابطہ تیار کیا جائے گا۔وغیرہ وغیرہ۔

جنرل ایوب خان جانتے تھے کہ انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں جو غلطیاں کی ہیں صدارتی انتخاب کے دوران انہیں ان کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا لیکن وہ اس بات سے مطمئن تھے کہ اپوزیشن اپنا کوئی متفقہ امیدوار سامنے نہ لا سکے گی۔اس طرح اس کے ووٹ بٹ جائیں گے اور ان کی کامیابی یقینی ہو جائے گی۔حزب اختلاف اگرچہ خود تو متحدہ ہو چکی تھی لیکن اس کے پاس ایسا کوئی امیدوار نہ تھا جس پر تمام پارٹیاں متفق ہو سکتیں۔اس وقت دو نام بالعموم لئے جاتے تھے۔پہلے خواجہ ناظم الدین جو کونسل مسلم لیگ کے صدر تھے اور دوسرے جنرل محمد اعظم خان جو ایوب خان کے دست راست رہ چکے تھے۔خواجہ ناظم الدین بے حد شریف انسان تھے لیکن ان کی شرافت ہی ان کی نامزدگی کی راہ میں حائل تھی۔متحدہ حزب اختلاف سمجھتی تھی کہ اگرچہ رائے عامہ ان کے موافق ہے لیکن ایوب خان آسانی سے شکست تسلیم نہیں کریں گے۔بنیادی جمہوریتوں کا نظام چونکہ ان کا قائم کردہ ہے اور بنیادی جمہوریتوں کے ارکان نے ہی صدارتی انتخاب میں ووٹ ڈالنا ہے اس لئے ایوب خان کے لئے ووٹروں کی اس محدود تعداد کو خرید لینا آسان ہو گا۔دوسرے امیدوار

محمد اعظم خان اگرچہ مشرقی پاکستان میں مقبول تھے لیکن مغربی پاکستان میں انہیں اتنی عوام حمایت حاصل نہ تھی۔ متحدہ حزب اختلاف میں شامل نیشنل عوامی پارٹی ''بھاشانی گروپ'' ان کی نامزدگی کے خلاف تھی۔ موزوں امیدوار کا انتخاب متحدہ حزب اختلاف کے لئے مسئلہ بن چکا تھا اور ایوب خان اس صورت حال سے مطمئن تھے پھر ایوب خان کے حامیوں نے اپوزیشن جماعتوں کی صفوں میں نقب بھی لگا رکھی تھی جس کی وجہ سے متحدہ حزب اختلاف کا کام مشکل ہو گیا تھا۔ وقت کم تھا اور اپوزیشن کو اپنے امیدوار کا اعلان جلد کرنا تھا چنانچہ بہت سوچ بچار کے بعد خواجہ ناظم الدین نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کا نام متحدہ حزب اختلاف کے سامنے پیش کر دیا۔

تیرھواں باب

مادرِ ملّتؒ سے بنگالیوں کی عقیدت ومحبت

مشرقی پاکستان کے باشندے سیاسی لحاظ سے چونکہ مغربی پاکستان والوں سے زیادہ بیدار مغز تھے اس لئے انہوں نے جنرل ایوب کی آمریت کو پہلے روز ہی مسترد کر دیا تھا جس کا ایوب خان کو بھی شدید احساس تھا۔ وہ بجائے اس کے کہ جمہوری اقدام یا کشادہ دلی کا مظاہرہ کر کے بنگالیوں کے دل جیتتے الٹا انہیں اپنی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنالیا۔ یہاں تک کہ بنگالیوں کے چہیتے گورنر جنرل اعظم خان کی بھی گورنری ختم کر دی۔ اس سے بنگال ایوب خان سے متنفر ہو گیا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ مغربی پاکستان والے ان کے ہمدرد نہیں ہیں اور وہ ہمیں اپنا غلام تصور کرتے ہیں۔

یہ نفرت بنگالیوں کے دلوں میں فزوں تر ہو رہی تھی کہ ایوب خان نے صدارتی انتخاب کا اعلان کر دیا۔ اس انتخاب میں حزب اختلاف کی پانچ سیاسی پارٹیوں نے متفقہ طور اپنا صدارتی امیدوار مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کو نامزد کیا تو اس سے جہاں مغربی پاکستان کے جمہوریت پسند حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وہاں مشرقی پاکستان کے بنگالیوں کا بھی مغربی پاکستانیوں کے بارے میں غصہ فرد ہو گیا۔

مادر ملت سے مشرقی پاکستان کے باشندے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ بانی پاکستان قائداعظمؒ کی بہن تھیں دوسرے انہوں نے ہمیشہ جمہوریت اور عوام کی حاکمیت کی بات کی تھی۔ چنانچہ جب مادر ملت اپنے انتخابی دورے پر مشرقی پاکستان گئیں تو بنگالیوں نے ان کی محبت میں دیدہ و دل فرش راہ کر دئے۔ مادرِ ملّتؒ نے انتخاب سے قبل مشرقی پاکستان کا دو مرتبہ دورہ کیا۔ ایک بار اکتوبر میں اور دوسری بار دسمبر میں۔ دونوں مرتبہ ان کے استقبال کے لئے پورا مشرقی پاکستان سڑکوں، بازاروں اور جلسہ گاہوں میں اُمڈ آیا۔ مادرِ ملّتؒ کی مقبولیت کی

رپورٹیں جب ایوب خان تک پہنچیں تو وہ پیچ وتاب کھا کر رہ گئے۔ ان کی بنگالیوں سے نفرت وحقارت اور بڑھ گئی۔ پھر جب الیکشن ہوا اور ملک کے دونوں بازوؤں میں بے پناہ مقبول ہونے کے باوجود مادرِ ملتؒ ہار گئیں تو عوام میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔ بالخصوص مشرقی پاکستان والوں کو سخت صدمہ ہوا۔ مادرِ ملتؒ کی صورت میں انہیں ایک نجات دہندہ ملا تھا سول اینڈ ملٹری بیوروکریسی نے وہ بھی ان سے چھین لیا یوں بنگالی بھائی مستقبل سے بالکل مایوس ہو گئے اور وطن دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئے مادرِ ملتؒ کے دورہ مشرقی پاکستان کی روزنامہ نوائے وقت نے تفصیلی رپورٹیں شائع کی تھیں۔ ان کے اقتباس ملاحظہ کریں اور فیصلہ کریں کہ آیا بنگالی شروع سے غدار تھے یا انہیں غدار بننے پر مجبور کیا گیا۔

صدارتی انتخاب کی عوامی امیدوار مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ وسط اکتوبر میں جب پہلی مرتبہ مشرقی پاکستان کے دورے پر گئیں تو ہر جگہ لاکھوں افراد نے بڑی بے تابی سے ان کا استقبال کیا۔ مادرِ ملتؒ کے جلسوں میں لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ کسی لیڈر کی مقبولیت کا اندازہ انہیں باتوں سے لگایا جاتا ہے اور پھر مادرِ ملتؒ کے استقبال کے لئے تو لوگ کئی گھنٹوں سے نہیں کئی دنوں سے ریلوے سٹیشنوں اور گھاٹوں پر مقیم تھے۔ مادرِ ملتؒ کی اس پذیرائی میں صرف عام لوگ ہی شریک نہیں ہوئے بلکہ بی ڈی ممبرز بھی کثیر تعداد میں شرکت کرتے تھے۔ ان تمام لوگوں کی مادرِ ملتؒ کی بحالی جمہوریت کی تحریک سے والہانہ عقیدت تھی۔ وہ مادرِ ملتؒ کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے تھے وہ چار چار دن بھوکے پیاسے رہ کر قوم کی اس عظیم محسنہ کا انتظار کرتے تھے۔

مشرقی پاکستان کا پہلا تعارفی جلسہ 19 دسمبر کو چٹاگانگ کے نیاز سٹیڈیم میں ہوا۔ مادرِ ملتؒ اس جلسہ میں شرکت کے لئے اٹھارہ دسمبر کی شام کو ہوائی جہاز کے ذریعے ڈھاکہ سے چٹاگانگ پہنچیں۔ تو شہر سے سات میل دور ہوائی اڈے پر

ہزاروں لوگ ان کے استقبال کے لئے چشم براہ تھے۔ سارا راستہ آرائشی محرابوں سے سجایا گیا تھا۔ دوسرے دن جب ساڑھے نو بجے سٹیڈیم میں جلسہ شروع ہوا تو مادرِ ملتؒ کے فدائیوں نے سٹیڈیم اور شہر کے تمام درو دیوار کو مادرِ ملتؒ کے قد آدم پوسٹروں کا لبادہ پہنا دیا تھا۔ وہ سٹیڈیم کو جانے والے تمام راستوں پر ٹولیوں کی شکل میں کھڑے تھے۔ جلسہ گاہ میں قریباً دس ہزار بی ڈی ممبرز بھی موجود تھے۔ سامعین کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ جلسہ گاہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اور عوام یک زبان ہو کر بار بار مادرِ ملتؒ زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ مادرِ ملتؒ کا یہ انتخابی دورہ ان کے اکتوبر والے دورے کو بھی عوام کی شرکت کے اعتبار سے مات دے گیا تھا۔ اس دورے میں مادرِ ملتؒ جس شہر میں گئیں جس قصبے کے قریب سے بھی گزریں عوام ان کی راہ میں فرطِ محبت سے بچھ بچھ گئے۔

دسمبر کے انتخابی دورے سے قبل مادرِ ملتؒ نے اکتوبر میں بھی مشرقی پاکستان کا سات روز کا دورہ کیا تھا اور وہاں درجنوں شہروں اور قصبوں میں تقاریر کی تھیں۔ مقبولیت کے لحاظ سے وہ دورہ بھی بے حد کامیاب رہا تھا۔ مشرقی پاکستانیوں نے اپنے عمل ومحبت سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ جمہوریت اور سچے پاکستانی رہنما کے شیدائی ہیں۔ انہیں ایک ایسے قومی لیڈر کی ضرورت ہے جو عوام ہی میں سے ہو اور عوام کے مسائل سے دلی ہمدردی رکھتا ہو۔ جو با اصول ہو با کردار ہو اور باضمیر ہو۔

مادر ملت کی شخصیت میں انہیں وہ خصائص مل گئے تھے جن کے وہ تمنائی تھے، مادرِ ملتؒ نے اکتوبر 1964ء میں جب مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تو بھی پاکستان کے موقر اردو اخبار روزنامہ نوائے وقت نے اپنا ایک نمائندہ مسٹر یحیٰی جاوید خصوصی طور پر مشرقی پاکستان بھیجا۔ مسٹر یحیٰی جاوید نے مادرِ ملتؒ کے تاریخی استقبالوں کا جو احوال اپنے اخبار کو بھیجا اسے نوائے وقت نے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ روزنامہ نوائے وقت کے صفحات کے مطابق مادرِ ملتؒ کے بارے میں بنگالی باشندوں کے

جذبات کچھ اس قسم کے تھے۔

"مشرقی پاکستان کی گرین ایرو ٹرین مغربی پاکستان کی خیبر میل کی طرح سب سے تیز رفتار ریل گاڑی ہے۔ لیکن یقین کیجئے کہ اس ریل گاڑی نے ڈھاکہ اور چٹا گانگ کے درمیان اپنے معمول کا سفر اپنی تاریخ میں پہلی مرتبہ سوا چھ گھنٹے کی بجائے انتیس گھنٹے میں مکمل کیا۔ کیونکہ اسے ڈھاکہ اور چٹا گانگ کے درمیان عام سٹیشنوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے دیہات اور بستیوں کے سامنے بھی رکنا پڑا تھا۔"

گرین ایرو کے سارے معمولات میں متذکرہ تبدیلی اس بنا پر ہوئی کہ اس ٹرین کے ذریعے حزب اختلاف کی صدارتی امیدوار مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ اپنے انتخابی دورے پر نکلی تھیں۔ اس تجربے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مشرقی پاکستان کے عوام بلا شبہ انتہائی محبّ وطن اور حریت پسند تھے۔ اور وہ ملک میں مکمل جمہوریت کی بحالی، شہری آزادیوں اور اپنے دوسرے حقوق منوانے کے لئے کسی کی قربانی سے گریز نہیں کریں گے۔

مادرِ ملتؒ کے لئے مشرقی پاکستان کے لوگوں کے دلوں میں اس قدر احترام اور محبت تھا کہ وہ انہیں صرف ایک نظر دیکھنے اور ان کے منہ سے دو کلمات سننے کی خاطر دو دو دن سے آ کر ریلوے سٹیشنوں پر بیٹھے رہے۔ بھراب بازار کے ریلوے سٹیشن پر دو لاکھ افراد جمع تھے جن کے اصرار پر مادرِ ملتؒ فوراً اپنے ڈبہ سے باہر نکلیں اور مجمع سے خطاب کرنے لگیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ڈھاکہ سے چٹا گانگ تک مادرِ ملتؒ کا استقبال کم از کم پچیس لاکھ افراد نے کیا۔

بیشتر لوگ گرین ایرو ٹرین کی چھت پر سوار ہو گئے کھڑکیوں اور دروازوں سے لٹک گئے۔ چٹا گانگ تک نعرے لگاتے رہے۔ ریلوے سٹیشنوں کے علاوہ بھی مادرِ ملتؒ کی ٹرین کو عوام ٹرین کے آگے کھڑا ہو کر یا پٹڑی پر لیٹ کر روک لیتے تھے اور

مادرِ ملّتؒ کا دیدار کر کے دل کی تسکین کرتے تھے، ہر ریلوے سٹیشن پر مختصر سا جلسہ ہوتا تھا جس میں مادرِ ملّتؒ کے علاوہ جنرل اعظم خان، مولانا فرید احمد، مولونا بھاشانی، شیخ مجیب الرحمان، اور دوسرے لیڈر تقریریں کرتے تھے۔

مادرِ ملّتؒ کے اس دورہ مشرقی پاکستان سے عوام میں مزید سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ پروگرام کے مطابق مادرِ ملّتؒ کی ٹرین کو سولہ اکتوبر کو ساڑھے آٹھ بجے شب تک چٹا گانگ پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن جگہ جگہ رکنے اور جلسوں کی بنا پر یہ ٹرین دوسرے دن سترہ اکتوبر کو شام ساڑھے سات بجے چٹا گانگ پہنچی۔ ریلوے سٹیشن پر سولہ اکتوبر سے ہی قریباً چار لاکھ افراد جمع تھے یہی نہیں سیتا کنڈ اور چٹا گانگ ریلوے سٹیشنوں کے درمیان جو دس میل کا فاصلہ تھا اس پر بھی خلقت کا ہجوم تھا۔ لوگ چیونٹیوں کی مانند دونوں ریلوے سٹیشنوں کے درمیان دو دن سے کھڑے تھے۔

اس صورت حال کی وجہ سے ٹرین کو رفتار سست کرنا پڑی۔ ریلوے سٹیشن پر جو لوگ موجود تھے وہ بھی ٹرین کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگے۔ یہ سلسلہ آٹھ میل لمبا تھا۔ ٹرین چٹا گانگ ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر آئی تو لوگوں نے نعروں سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ ہجوم اس قدر تھا کہ مادر ملت اور دوسرے رہنماؤں کو ایک گھنٹہ تک ٹرین کے اندر ہی رکنا پڑا۔ جلسہ کا اہتمام چٹا گانگ کے میدان لال ڈگی میں کیا گیا تھا وہاں تقریباً چار لاکھ افراد جمع تھے۔

جلسہ میں مادرِ ملّتؒ کے علاوہ جنرل اعظم خان، مسٹر باقی بلوچ، شیخ مجیب الرحمان اور دیگر اصحاب نے تقاریر کیں۔ جلسہ نو بجے شب ختم ہوا۔ تاہم رات گئے تک چٹا گانگ کے ساحلی شہر کے مختلف محلوں میں مادرِ ملّتؒ زندہ باد کے نعرے گونجتے رہے۔ اس کے بعد مادرِ ملّتؒ ڈھاکہ روانہ ہوگئیں۔

ڈھاکہ میں مادرِ ملّتؒ کے استقبال کے لئے پورا شہر اُمڈ آیا تھا۔ ساڑھے سات بجے صبح شہر کی ہر گلی، بازار اور سڑک پر چھوٹی چھوٹی ٹولیاں تھیں۔ مزدوروں کی

،عورتوں کی، پرائیویٹ سکولوں کے بچوں کی اور دوسرے شہریوں کی۔ ہر جلوس کے آگے پاکستان کا سبز پرچم تھا اور جلوس میں لوگ سیاسی قیدیوں کو رہا کرو۔ جمہوریت کو مکمل طور پر بحال کرو۔ شہری آزادیاں بحال کرو اور مادرِ ملتؒ زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے اور انہیں نعروں کے انہوں نے کتبے بھی اٹھا رکھے تھے۔ جمہوریت اور شہری حقوق حاصل کرنے کے خواہش مند یہ قافلے پیدل ہی ہوائی اڈے کی جانب رواں دواں تھے، ان میں بیشتر لوگ ایسے تھے جن کے پاؤں ننگے تھے اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہ تھی جن کے بدن پر سوائے دھوتی کے اور کچھ نہ تھا۔

آٹھ بجے تک ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پر قریباً پچھتّر ہزار افراد جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے ہوائی اڈے کے بیرونی صحن میں پنڈال لگائے تھے اور بعض لوگ بنگالی زبان میں تقاریر بھی کر رہے تھے۔ نو بجے تک یہ عالم تھا کہ ہوائی اڈے کی عمارت سے کم از کم ایک میل شہر کی جانب تک لوگ جمع ہو چکے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہوائی اڈے کی عمارت کی چھت اور انتظار گاہیں بھی لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئیں۔ اس کے بعد مختلف سیاسی جماعتوں کے ورکر آ گئے جنہوں نے عوام سے ایئر پورٹ خالی کرالیا۔ اور لوگوں کو سڑک پر ترتیب سے دو قطاروں میں کھڑا کر دیا۔

گیارہ بجے مادرِ ملتؒ کا جہاز آیا تو ہجوم نے تمام نظم وضبط ختم کر دیا اور رن وے پر ہلہ بول دیا۔ مادرِ ملتؒ کو رن وے سے دور ہی جہاز سے اتار دیا گیا تھا جس کی وجہ سے ان کا جلسہ گاہ تک پہنچنا ممکن ہو سکا۔ مادرِ ملتؒ کو ایئر پورٹ بلڈنگ سے دو میل دور جہاں اتارا گیا تھا وہاں سجے ہوئے ٹرک موجود تھے۔ اس جگہ جنرل اعظم خان، خواجہ ناظم الدین، مولانا عبدالحمید بھاشانی، مولوی فرید احمد، شیخ مجیب الرحمان، پروفیسر غلام اعظم اور مشرقی پاکستان کے دوسرے سیاسی رہنماؤں نے مادرِ ملتؒ کا استقبال کیا۔

مادرِ ملتؒ ٹرک پر سوار ہو گئیں تو ان کے دائیں جانب قدموں میں جنرل اعظم

خان بیٹھ گئے۔ بائیں جانب مولانا بھاشانی تھے۔ مادرِ ملتؒ کے ہمراہ کراچی سے مسٹر کے ایچ خورشید، محمود الحق عثمانی اور عبدالباقی بلوچ بھی ڈھاکہ آئے تھے وہ بھی اسی ٹرک میں مادرِ ملتؒ کے قریب فرش پر بیٹھ گئے۔ شیخ مجیب الرحمان، مولوی فرید احمد اور دوسرے رہنما بھی وہیں بیٹھ گئے۔

مادرِ ملتؒ کا ٹرک ایئرپورٹ بلڈنگ کے قریب پہنچا تو فضا تالیوں اور زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ مادرِ ملتؒ نے ہاتھ کے اشارے سے نعروں کا جواب دیا۔ آزادی اظہار اور جمہوریت کے علمبرداروں کا یہ عظیم الشان کارواں اب شہر کی جانب روانہ ہوا۔ ایئرپورٹ روڈ کے کنارے واقع تمام عمارتیں لوگوں سے اٹی ہوئی تھیں اور ان کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہی تھیں۔

جونہی مادرِ ملتؒ کا ٹرک کسی عمارت کے قریب پہنچتا تھا جمہوریت زندہ باد اور مادرِ ملتؒ زندہ باد کے نعروں سے فضا مرتعش ہو جاتی۔ راستے میں یہ جلوس بنگلہ اکیڈمی کے قریب آیا تو اکیڈمی کی سینکڑوں طالبات کلاسوں سے باہر نکل آئیں وہاں شہر کی اور بھی سینکڑوں خواتین اور بچے موجود تھے۔ یہ سب ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ مادرِ ملتؒ کا ٹرک جب ان کے مقابل آیا تو نوجوان لڑکیوں نے نعرے بلند کئے۔ ساڑھے بارہ بجے جلوس سٹیٹ گیسٹ ہاؤس کے سامنے پہنچا جو لوگ رش کی وجہ سے ایئرپورٹ نہ جا سکے تھے وہ یہاں پہلے ہی سے جمع تھے جلوس دیکھ کر انہوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ مادرِ ملتؒ نے اس موقع پر خواہش ظاہر کی کہ گیسٹ ہاؤس میں جانے سے پہلے مشرقی پاکستان کے سپوت حسین شہید سہروردی اور شیرِ بنگال اے کے فضل الحق کے مزار پر جاؤں گی۔

دونوں لیڈروں کے مزار گیسٹ ہاؤس کے قریب ہیں۔ چنانچہ جلوس اب مزاروں کی جانب روانہ ہو گیا۔ اور میمن سنگھ گیٹ سے چکر لگا کر دوبارہ سوا ایک بجے واپس سٹیٹ گیسٹ ہاؤس آیا۔ مادرِ ملتؒ کا استقبال کرنے والے لوگ جلوس منتشر

کر کے واپس گھروں کو نہیں گئے بلکہ وہ سب پلٹن میدان میں جمع ہونے لگے۔ جلسہ چار بجے شروع ہوا اور دو گھنٹے جاری رہا۔ پوری جلسہ گاہ اور اردگرد کی عمارتوں کی چھتوں پر مردوں، عورتوں اور بچوں کا ہجوم تھا۔ ایک اندازے کے مطابق کم از کم چار لاکھ افراد نے جلسہ میں شرکت کی۔

نوائے وقت کے نمائندہ خصوصی مادرِ ملتؒ کی مشرقی پاکستان میں مقبولیت کے مزید شواہد یوں بیان کرتے ہیں۔

مادرِ ملتؒ نے اپنے دورے کے دوسرے مرحلہ کے دوران میں جیسور، کھلنا، ایشوردی، راجشاہی اور گگھور میں تقاریر کیں۔ ان تمام مقامات پر مادرِ ملتؒ کا تاریخی اور فقید المثال استقبال کیا گیا۔ لوگوں کے جوش و خروش اور مادرِ ملتؒ سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ہر شہر میں مادرِ ملتؒ کی آمد سے دو دو دن قبل سے لوگ جمع ہونے لگے تھے۔ ان کے لئے کسی جگہ بھی کسی شخص نے رہائش یا کھانے پینے کا انتظام نہ کیا تھا بارش میں ان کے لئے کوئی پناہ بھی نہ تھی لیکن اس کے باوجود ہر شہر میں انسانوں کا ایک سیلاب امڈا ہوا تھا۔

ایک نہایت محتاط اندازے کے مطابق قریباً چالیس لاکھ افراد نے جیسور سے گگھور تک مادرِ ملتؒ کا استقبال کیا۔ خود مشرقی پاکستان کے لیڈر حیران تھے کہ اتنے لوگ کہاں سے آ گئے۔ بلکہ اس وجہ سے بعض جگہ جلسہ و جلوس کے انتظامات میں بے ترتیبی پیدا ہو گئی کیونکہ جلسہ کے منتظمین نے اپنے شہر کی آبادی کے مطابق انتظامات کئے ہوتے تھے لیکن وہاں ان کی توقع سے پندرہ بیس گناہ زیادہ افراد جمع ہو جاتے تھے۔ پھر مادرِ ملتؒ کی سپیشل ٹرین خود ایک رواں دواں جلوس بنی ہوئی تھی۔ لوگ ٹرین کی چھتوں پر سوار تھے اور کھڑکیوں سے لٹکے ہوئے تھے۔

دور سے گاڑی کے ڈبے بالکل نظر نہیں آتے تھے بلکہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ ہزاروں انسان بھاگے چلے آ رہے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے کندھے پر سوار

ہیں ۔قیام پاکستان سے ڈیڑھ سال قبل قائداعظمؒ مرحوم نے بنگال کا دورہ کیا تھا آپ ڈھاکہ سے سلہٹ گئے لیکن کھلنا اور راجشاہی کی جانب نہ آسکے تھے اس لئے ان اضلاع کے لوگوں میں قائداعظمؒ کو ایک نظر دیکھنے کی بڑی خواہش تھی اب مادرِ ملتؒ ادھر آئیں تو بچے بوڑھے اور مردوزن مادرِ ملتؒ کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے ۔

جیسور کا ہوائی اڈہ بھی خلقت سے بھرا ہوا تھا۔اس جم غفیر کی وجہ سے مادرِ ملتؒ کا جہاز سے باہر آنا مشکل ہو گیا پائلٹ نے دو مرتبہ ہوائی جہاز آگے بڑھانے کی کوشش کی مگر دونوں مرتبہ عوام نے ہوائی جہاز کے آگے آکر اسے روک لیا چنانچہ مادرِ ملتؒ کو ایئر پورٹ بلڈنگ سے پیچھے ہی عوام کے پرزور اصرار پر ہوائی جہاز سے باہر آکر خطاب کرنا پڑا۔جیسور سے فارغ ہوکر مادرِ ملتؒ کا جلوس چالیس میل دور شہر کی جانب روانہ ہوا تو راستے میں دیہاتی بار بار جلوس کو روک لیتے اور مادرِ ملتؒ کی تقریر سنتے ۔کھلنا پہنچے تو بارش شروع ہوگئی خیال تھا کہ بارش کی وجہ سے جلسہ گاہ خالی پڑی ہوگی ۔مگر لوگ چھتریوں تلے کھڑے تھے ۔

شہر بھر کی عمارتیں اور سڑکیں چھتریوں سے اٹی پڑی تھیں ۔ مادرِ ملتؒ جلسہ سے مختصر خطاب کر کے سپیشل ٹرین کے ذریعہ ایشوردی، روانہ ہوگئیں ۔ایشوردی میں ٹرین رات کو پہنچی اس کے باوجود کم از کم پچھتر ہزار افراد کا ہجوم ریلوے سٹیشن موجود تھا۔جلسہ گاہ میں دو لاکھ افراد تھے ۔یہاں سے فارغ ہوکر مادرِ ملتؒ راجشاہی روانہ ہوئیں ۔دن کے دو بجے ٹرین راجشاہی پہنچی تو انسانوں کا سیلاب ریلوے سٹیشن پر امڈ آیا تھا۔شام کے وقت تاریخی جلسہ ہوا جس میں ڈیڑھ لاکھ افراد نے شرکت کی ۔

جب مادرِ ملتؒ مشرقی پاکستان کے ایک اور شہر میمن سنگھ کے دورے پر گئیں تو اس سے پہلے ریڈیو سے ایک غلط خبر نشر کی گئی تھی کہ مادرِ ملتؒ اکیس اکتوبر کی بجائے بائیس اکتوبر کو میمن سنگھ پہنچیں گی لہذا توقع تھی کہ استقبال کے لئے بہت کم لوگ جمع ہوں گے مگر مادرِ ملتؒ کی ٹرین پہنچتے ہی انسانوں کا سیلاب آگیا جو مادرِ ملتؒ کے

والہانہ انداز میں نعرے لگا رہا تھا۔ میمن سنگھ کے استقبال نے باقی شہروں کو مات دے دی تھی۔ اس شہر میں مادرِ ملت ؒ کو ''مکتی نیتا'' (نجات دلانے والا لیڈر) کا خطاب دیا گیا۔

چودھواں باب

مغربی پاکستان میں مادرِ ملّتؒ کی مقبولیت

بطور صدارتی امیدوار مادرِ ملّتؒ کے انتخابی میدان میں اترنے پر جنرل ایوب خان نے بڑے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا کہ مس جناحؒ کو شکست دینا میرے لئے بے حد آسان ہے۔ مگر ان کی یہ خوش فہمی جلد ہی پارہ پارہ ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے بوکھلا کر مادرِ ملّتؒ کی ذات پر رکیک حملے شروع کر دیئے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ مس جناحؒ قیام پاکستان کے بعد امور مملکت اور عوام کے سماجی کاموں سے لاتعلق ہو کر گھر میں بیٹھ گئی تھیں۔ مقصد ایوب خان کا یہ تھا کہ عوام کو مادرِ ملّتؒ سے متنفر کیا جائے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ پاکستان کے دونوں بازوؤں کے عوام بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ اور مادرِ ملّت محترمہ فاطمہ جناحؒ سے کس درجہ محبت کرتے تھے۔ پھر ان کا یہ الزام بھی صداقت سے عاری تھا کہ مادرِ ملّتؒ نے قیام پاکستان کے بعد غیر متحرک زندگی بسر کی تھی۔ کیونکہ عوام کو علم تھا کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے مکروہ سیاست اور اقتدار کی رسہ کشی سے خود کو دیدہ و دانستہ دور رکھ کر اپنے آپ کو سماجی بھلائی کے کاموں کے لئے وقف کر دیا تھا۔

انہوں نے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے بہت کام کیا تھا۔ کشمیر کی جدوجہد آزادی میں خصوصی سرگرمی دکھائی۔ طبقہ نسواں کی بیداری کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔ نوجوان نسل کو ملک کا بہترین سرمایہ بنانے کے لئے تعلیمی اداروں کے اجرا میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جمہوریت کو اپنی ہر تقریر اور ہر بیان کا مرکزی نقطہ بنایا۔ مادرِ ملّتؒ کی اس سے بڑی قوم کے لئے اور کیا خدمت ہو سکتی تھی کہ انہوں نے ہمیشہ عوام کی حاکمیت پر زور دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ملک کے کروڑوں عوام ان کی محبت میں گھروں سے باہر نکل آئے۔ صدارتی انتخاب کے دوران میں انہوں نے پورے ملک کا طوفانی دورہ کیا وہ جس شہر جس قصبے میں گئیں

عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ان کی راہ میں بچھ بچھ گیا۔ اس دور کے روزنامہ نوائے وقت کے شمارے مادرِ ملتؒ کی اس بے پناہ مقبولیت کے شاہد ہیں۔ مادرِ ملتؒ پشاور کے دورے پر گئیں تو روزنامہ نوائے وقت نے لکھا:

''محترمہ فاطمہ جناحؒ کی پذیرائی کے لئے لاتعداد لوگ اٹک کے پل پر جمع تھے جو ان کے ساتھ ہی واپس آئے۔ پشاور سے راولپنڈی تک ایک سو میل لمبے راستے میں ہزاروں لوگوں نے خاتون پاکستان کا استقبال کیا۔ سڑک کے ساتھ ساتھ واقع دیہات کو جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا اور استقبالیہ محرابیں بنائی گئی تھیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ عوام کی خاص درخواست پر ان محرابوں سے گزریں۔ جب پشاور چھاؤنی سے محترمہ فاطمہ جناحؒ کا موٹر کاروں کا جلوس باہر نکلا تو گورنمنٹ ہائی سکول کے طلباء ان کے خیر مقدم کے لئے سکول سے باہر نکل آئے۔ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کے بس اڈے پر بھی لوگ جمع ہو چکے تھے جنہوں نے مادرِ ملتؒ زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ بینڈ پارٹیاں خوشی کے نغمے بکھیر رہی تھیں۔''

مادرِ ملتؒ جس سڑک سے بھی گزریں ان کے استقبال کے لئے جمع ہونے والے لوگوں نے مادرِ ملتؒ زندہ باد اور پاکستان پائندہ باد کے نعرے لگائے۔ جب خاتون پاکستان پشاور میں اڑتالیس گھنٹے قیام کرنے کے بعد راولپنڈی روانہ ہوئیں تو عوام کے ایک بہت بڑے ہجوم نے نہایت گرم جوشی سے انہیں رخصت کیا۔ پشاور کے ہزاروں افراد انہیں رخصت کرنے کی خاطر جلوس کی صورت میں اٹک کے پل تک گئے۔ خاتون پاکستان کا جلوس جوں جوں راولپنڈی کی طرف بڑھتا گیا ان کا استقبال کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

راستے میں پشاور جانے والی تمام بسیں اور گاڑیاں رُک گئیں۔ ہر مسافر مادرِ ملتؒ کی ایک جھلک دیکھنا چاہتا تھا۔ پبی اور کوٹ نوشہرہ کے ہزاروں دیہاتی سڑک کے دونوں جانب کھڑے تھے اور ڈھول اور نقارے بجا رہے تھے۔ جب مادرِ ملتؒ

ان کے قریب سے گزریں تو انہوں نے آتش بازی چلا کر خوشی کا اظہار کیا۔ راولپنڈی پہنچنے تک مادرِ ملتؒ کا جلوس اس قدر بڑھ گیا کہ اس کے لئے آگے بڑھنا دشوار ہو گیا۔ لگتا تھا پورا ملک مادرِ ملتؒ کے آگے اور پیچھے ایک گونہ بے خودی سے سفر کر رہا ہے۔ لاہور سے حیدر آباد کے عدیم المثال دورے کی روداد بھی نوائے وقت کے صفحات پر شائع ہوئی تھی۔ اس کے چند اقتباس ملاحظہ کریں۔

''ایک بزرگ اور بظاہر ضعیف خاتون کے دل میں شیروں کا تہور، پہاڑ کی سی استقامت اور غیر متزلزل ایمان کی جھلک دیکھنی ہو تو آپ کو مادرِ ملت مس فاطمہ جناحؒ سے بہتر کوئی دوسری مثال نہیں ملے گی۔ چلچلاتی دھوپ، لاکھوں افراد کے اژدھام، عقیدت و ارادت اور شیفتگی و محبت کی حشر سامانیاں اس عالم میں ایک خاتون کا نہ صرف اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا بلکہ اپنے ہمراہیوں کی حفاظت کا احساس و اہتمام کرنا ایسا منظر چشم فلک کم ہی دیکھے گی۔ لاہور کا ہوائی اڈہ چار اکتوبر کو سرتاسر عوامی کنٹرول میں تھا اور حفظ مراتب کے وہ تمام تقاضے جنہیں ایئرپورٹ پر نہایت اہم شخصیتوں کے لئے مخصوص سمجھا جاتا ہے ٹوٹ چکے تھے جب پی آئی اے والوں نے دیکھا کہ ہجوم کا سیلاب تھمنے میں نہیں آ رہا تو انہوں نے سب سے پہلے کراچی پرواز کرنے والے جہاز کو روانہ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ مادرِ ملتؒ کا طیارہ دس منٹ تاخیر سے پہنچا۔''

''اور جب یہ عفیفہ اور ضعیفہ سیاہ چشمہ لگائے سفید لباس میں ملبوس ہوائی جہاز سے باہر نکلیں تو ہوائی اڈے پر منظر قابل دید تھا۔ یہ مادرِ ملتؒ کا کمال اور استقلال تھا کہ وہ ہجوم کو چیرتی اور عوام کے جذب و عقیدت کا جواب دیتی شیرنی کی طرح اپنی کار کی طرف بڑھیں۔ یہ وہ وقت تھا جسے حشر کا سماں کہنا چاہئے لیکن جس حوصلہ مندی سے وہ اس سے نبرد آزما ہوئیں اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ جس منصب کے لئے انہوں نے معرکہ آرائی کا علم بلند کیا ہے وہ پوری طرح اس کی اہل ہیں اور

معترضین انکی اس ضعیفی کو جس انداز میں ہدف تنقید بنا رہے ہیں اس میں کوئی زیادہ جان اور وزن نہیں۔ اس استقلال اور جوش وخروش کی تصویر کھینچنا انسان کے بس سے باہر ہے اگر طوفان کی تندوتیز موجوں کے مطالب ومعانی بیان کئے جا سکتے ہیں تو آپ اس استقبال کی حشر سامانیوں کے معنی بھی بیان کر سکتے ہیں۔''

''مادرِ ملتؒ کا جلسہ عام بذات خود ایک سمندر تھا۔نعروں اور تالیوں کے یہ مناظر شاید ہی انسان دوبارہ دیکھ سکے۔والہانہ عقیدت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ لاؤڈ سپیکر کو بے طرح فٹ کرنے کے باعث نہ تو آواز سنی جاتی تھی اور نہ محترمہ فاطمہ جناحؒ کی انگریزی تقریر لوگ سمجھ پا رہے تھے لیکن ارادت اور محبت کے بحر مواج کا یہ عالم تھا کہ جونہی پاکستان اور قائداعظمؒ کا نام آتا لوگ تالیوں اور نعروں سے فضا کو بے اندازہ ارتعاش بخش دیتے۔محبت وشفقت کی زبان عام زبانوں میں مختلف ہوتی ہے اس پر کسی کا زور نہیں۔جذبات کو معانی کا لبادہ مل جاتا ہے اور دھڑکنوں کو کشادہ آنکھیں۔خاتون پاکستان سے ملاقات کے لئے ''المنظر'' میں سارا دن ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہا لیکن وہ نظارہ یقیناً قابل دید تھا جب مغربی پاکستان ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے دوسو وکلا نے مادرِ ملتؒ کو اپنی وفاداری اور ان کے لئے جمہوری جدوجہد میں امداد کا یقین دلایا۔فضا بار بار مادرِ ملتؒ زندہ باد جمہوریت زندہ باد اور قائداعظمؒ زندہ باد کے نعروں سے گونجتی رہی۔''

''گلستان فاطمہ باغ جناح کے ایک گوشے میں جو خاتون پاکستان کے اسم گرامی سے موسوم ہے شہریوں کی طرف سے مادرِ ملتؒ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔جب وہاں مادرِ ملتؒ تشریف لائیں تو سارے باغ کی فضا مادرِ ملتؒ کے نام کے نعروں سے معطر ہوگئی۔باغ جناح کے اس گوشہ میں جنت بدوش بہاریں کتنی بھلی لگ رہی تھیں۔اس میں سیاسی گرم جوشیوں نے توانائی پیدا کر رکھی تھی۔شہری زندگی کا کون سا طبقہ تھا جس کی رہنمائی کے لئے وہاں نمائندے موجود

نہیں تھے۔ مادرِ ملتؒ اپنے نحیف جسم میں دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان کی صورت جب تشریف لائیں تو عقیدت و ارادت کا وہی عالم تھا جس کا اظہار اس سے پہلے کئی بار کیا جا چکا ہے۔ اور جب چھ اکتوبر کی صبح کو انہوں نے لاہور ریلوے سٹیشن پر سبز ہلالی پرچم لہرایا تو نعروں کی گونج میں یوں دکھائی دیا جیسے قائداعظمؒ 1945ء کی تحریک پاکستان کے دوران پرچم لہرا رہے ہیں لاہور کے سیاسی جمود میں اس نحیف و ناتواں شخصیت نے زندگی کی کتنی عظیم لہر دوڑا دی ہے اور یہ لہر ان کے ساتھ امنڈتی اور بلند ہوتی چلی جا رہی ہے۔

مادرِ ملتؒ کے عقیدت مندوں کا ریلوے سٹیشن پر اس قدر ہجوم تھا کہ جب انہیں پلیٹ فارم پر جگہ نہ مل سکی تو وہ ریلوے کے پلوں پر چڑھ گئے۔ جب وہاں جگہ باقی نہ رہی تو بہت سے عقیدت مند ایک دوسرے کے کندھوں پر سوار ہو گئے بعض لوگ ریلوے یارڈ میں کھڑی دوسری ٹرینوں کی چھتوں پر سوار ہو گئے اور وہاں سے مادرِ ملتؒ کو ایک نظر دیکھنے لگے یہ اصحاب وہیں سے مادرِ ملتؒ کے حق میں پورے جوش و خروش کے ساتھ نعرے لگا رہے تھے۔ خاتون پاکستان کو الوداع کہنے اور انہیں ایک نظر دیکھنے کے لئے ریلوے سٹیشن پر سات بجے صبح ہی سے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ساڑھے سات بجے تک وہاں متحدہ مخالف جماعتوں کے سینکڑوں رضا کار پہنچ چکے تھے۔ ایک جانب خواتین کا ہجوم تھا۔ انہوں نے سبز جھنڈیاں پکڑ رکھی تھیں اور مادرِ ملتؒ زندہ باد کے نعرے لگا رہی تھیں۔ عقیدت مندوں اور رضا کاروں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ پونے آٹھ بجے تک درمیانہ درجے کی انتظار گاہ اور پلیٹ فارم نمبر چار پر ہزاروں لوگ جمع ہو چکے تھے۔ یہ اصحاب نعرہ بازی بھی کر رہے تھے۔

آٹھ بجے صبح سب حضرات نے درمیانہ درجے کی انتظار گاہ میں قطار بندی کر لی۔ یہ مادرِ ملتؒ کے ریلوے سٹیشن پر پہنچنے کا وقت تھا۔ اس وقت تک پلیٹ فارم

کے علاوہ ریلوے پلوں پر بھی لوگ چڑھ چکے تھے۔بعض اصحاب نے پلوں پر جھنڈے بھی نصب کر دیئے تھے۔انتظار گاہ اور پلیٹ فارم کے علاوہ ریلوے کے بیرونی میدان میں بھی ہزاروں اصحاب جمع ہو چکے تھے۔ان میں طلبا اور مزدوروں کی اکثریت تھی۔یہ اصحاب بھی جذبہ حریت اور جوش وعقیدت میں نعرے لگا رہے تھے۔اس تمام ہجوم کے باوجود ریلوے سٹیشن پر ٹریفک بھی معمول کے مطابق جاری تھی یہ انتظام خود حزب اختلاف کے لیڈروں نے کیا تھا۔مقصد یہ تھا کہ الوداعی تقریب کے دوران کسی کو پریشانی نہ ہو۔

آٹھ بج کر دومنٹ پر خاتون پاکستان کی کار ریلوے سٹیشن پر نمودار ہوئی تو ان کے ہزاروں عقیدت مند جوش پر قابو نہ رکھ سکے اور وارفتگی اور والہانہ انداز میں مادرِ ملتؒ زندہ باد جمہوریت زندہ باد عوامی حاکمیت زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔پھر جونہی مادرِ ملتؒ کار سے اُتر کر ٹرین کی جانب چلیں تو بہت سے لوگ آگے بڑھ کر عقیدت سے آپ کے ہاتھ چومنے لگے۔نعرے ہر لمحہ جاری تھے۔خاتون پاکستان اپنے لئے مخصوص ڈبے میں سوار ہوگئیں تو اس کے دروازے میں کھڑی ہو کر انہوں نے خود بھی پاکستان زندہ باد۔جمہوریت زندہ باد کے نعرے لگائے جن کا ہجوم نے جوش وخروش سے جواب دیا۔پھر جب ٹرین چلنے لگی تو لوگ بے قرار ہو کر ٹرین کے ساتھ دوڑنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ مادرِ ملتؒ زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔

صدارتی منصب کے لئے اپوزیشن پارٹیوں کے متحدہ محاذ کی نامزد امیدوار مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ جب خیبر میل کے ذریعے لاہور سے حیدر آباد جاتی ہوئیں مختلف سٹیشنوں پر پہنچیں تو ہر سٹیشن پر ہزاروں مشتاقان دید،عقیدت مندان کے لئے چشم براہ تھے۔رائے ونڈ ریلوے سٹیشن پر صبح آٹھ بجے ہی عوام کی خاصی تعداد جمع ہو چکی تھی اور لوگ حد نگاہ تک پلیٹ فارم کی جانب چلتے نظر آرہے تھے۔

آہستہ آہستہ عقیدت مندوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ورکروں نے اپنے ہاتھوں میں مختلف کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر سیاسی اسیروں کو رہا کرو۔ سیکورٹی اور سیفٹی قوانین ختم کرو۔ جمہوریت زندہ باد اور لے کر رہے گا ہر انسان روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے درج تھے۔ مادرِ ملت ؒ کی ٹرین جونہی ریلوے سٹیشن میں داخل ہوئی تو ہجوم بے قابو ہو کر ٹرین کے گرد جمع ہو گیا۔ قریباً دس ہزار لوگوں نے ٹرین کو روک رکھا تھا چنانچہ مادرِ ملت ؒ ڈبہ کے دروازے پر آ گئیں اور انہوں نے اردو زبان میں مختصر تقریر کی۔ جس سے اس چھوٹے سے شہر کے لوگ خوش ہو گئے اور مادرِ ملت ؒ زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ جب سوا گیارہ بجے اوکاڑہ ریلوے سٹیشن پہنچیں تو وہاں پر بھی ان کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ پولیس کے انتظامات کے باوجود ہجوم بے قابو ہو گیا۔ اور ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ وہ مادرِ ملت ؒ کے قریب تر پہنچ جائے۔ مردوں سے زیادہ عورتیں مادرِ ملت ؒ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھیں۔ مادرِ ملت ؒ نے ہاتھ ہلا ہلا کر عوام کے تحسین و آفرین کے نعروں کا جواب دیا۔ ایک خاتون ہجوم کو چیرتی ہوئی مادرِ ملت ؒ تک جا پہنچی اور اس نے مادرِ ملت ؒ کو ہار پہنائے۔ فضا جمہوریت زندہ باد قائد اعظم ؒ زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔

اسکے بعد مادرِ ملت ؒ چیچہ وطنی پہنچیں تو یہاں بھی ان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ لوگ دیوانہ وار ان کے ڈبے کی جانب دوڑ پڑے اور مادرِ ملت ؒ زندہ باد، شہری آزادی بحال کرو کالے قانون منسوخ کرو اور سیاسی قیدی رہا کرو کے نعرے لگانے لگے۔ چیچہ وطنی جیسے شہر میں بھی قریباً پچیس ہزار افراد ریلوے سٹیشن پر جمع ہو گئے تھے۔ جن میں کافی تعداد میں خواتین تھیں۔

خاتون پاکستان کو لئے ہوئے خیبر میل چھ اکتوبر کی چمکیلی دوپہر کو ملتان چھاؤنی

کے سٹیشن میں داخل ہوئی تو فضا پر جوش نعروں سے گونج اٹھی۔ یہاں مادرِ ملتؒ کو اکیس گولوں کی سلامی دی گئی۔ ڈیڑھ لاکھ افراد کا یہ بے پناہ ہجوم مادرِ ملتؒ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ٹرین پر ٹوٹ پڑا۔ بیسیوں افراد زخمی ہوئے۔ سینکڑوں آدمیوں کی گھڑیاں اور جوتیاں گم ہوگئیں۔ ملتان کی سیاسی تاریخ میں عوامی جوش و خروش کا یہ مظاہرہ یقیناً بے مثال تھا۔

صبح ہی سے دور دراز دیہات سے لوگ ریلوے سٹیشن پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ خانیوال ریلوے سٹیشن پر قریباً پچاس ہزار افراد نے مادرِ ملتؒ کا استقبال کیا ان میں سے ہزاروں کسان دیہات سے پیدل طویل مسافت طے کرکے آئے تھے۔ خاتون پاکستان پر پھولوں کی بارش کی گئی۔ اور جب انہوں نے ہار اتار کر عوام کی طرف پھینکے تو ان ہاروں کی کسی پتی اور پھول کو زمین پر نہ گرنے دیا گیا بلکہ لوگوں نے انہیں فضا میں ہی جھپٹ کر اپنے پاس بطور یادگار محفوظ کر لیا۔

رحیم یار خان اور صادق آباد ریلوے سٹیشنوں پر رات کے ابتدائی اندھیرے میں جب خیبر میل پہنچی تو فضا خاتون پاکستان زندہ باد پاکستان زندہ باد اور جمہوریت زندہ باد کے نعروں سے مرتعش ہوگئی ہزاروں لوگ ان کے استقبال کے لئے گھروں سے نکل آئے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کے دورے کے دوران جس بے پناہ عقیدت و محبت کا مظاہرہ کیا گیا اس سے ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ پاکستانی عوام کم تعلیم یافتہ سہی مگر جمہوری اقدار کے لئے اس کے حوصلے بلند ہیں اور قوم قائداعظمؒ کو نہیں بھولی۔

صبح کے وقت حیدآباد میں خاتون پاکستان کا زبردست استقبال کیا گیا۔ انہیں ایک میل لمبے جلوس کی شکل میں ریلوے سٹیشن سے متحدہ حزب اختلاف کے دفتر لے جایا گیا۔ راستے میں ہر جگہ لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم تھا کہ جلوس کو ریلوے سٹیشن سے شہر تک کا پانچ میل راستہ طے کرنے میں چار گھنٹے صرف ہوئے۔

لوگوں نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کا مادرِ ملتؒ زندہ باد قائداعظمؒ زندہ باد اور جمہوریت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے استقبال کیا۔کئی مقامات پر لوگوں نے مادرِ ملتؒ پر پھول بھی برسائے۔محترمہ فاطمہ جناحؒ جس ٹرک پر سوار تھیں اس کے آگے اور پیچھے موٹر رکشاؤں کا طویل جلوس تھا۔

جلوس کے ساتھ کئی بینڈ بھی تھے جو سندھی زبان کے مختلف نغموں کی دھنیں بجا رہے تھے۔راستے میں آرائشی محرابیں بنائی گئی تھیں جنہیں اپوزیشن کے لیڈروں کے ناموں سے معنون کیا گیا تھا۔اس ایک میل لمبے جلوس کو پانچ میل کا راستہ طے کر کے متحدہ حزب اختلاف کے دفتر تک پہنچنے میں چار گھنٹے لگے۔جلوس کے پیچھے کاروں میں اعلیٰ سول اور پولیس افسر بھی تھے اہم مقامات پر پولیس کے دستے متعین تھے تا کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہو۔جلوس راستہ بھر پر جوش نعرے لگاتا بخیر وخوبی ساڑھے بارہ بجے متحدہ حزب اختلاف کے دفتر پہنچ گیا۔

پندھرواں باب

آمریت لرز اٹھی

متحدہ آپوزیشن میں ایسی کوئی جماعت نہ تھی جو مادرِ ملتؒ کے نام کی مخالفت کرتی سب کو یہ نام سن کر بے حد خوشی ہوئی لیکن سوال یہ تھا کہ مادرِ ملتؒ کو صدارتی الیکشن لڑنے پر رضا مند کیسے کیا جائے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اس وقت تک کی ساری زندگی اگرچہ سیاست میں گزاری تھی لیکن انہوں نے کوئی سیاسی عہدہ قبول نہیں کیا تھا۔ وہ فرمایا کرتی تھیں: ''پاکستان میرے یا قائداعظمؒ کے لئے نہیں بنا بلکہ یہ پوری قوم کے لئے بنا ہے اور اس کے وسائل پر پوری قوم کا حق ہے۔'' اپوزیشن سمجھتی تھی کہ اگر مادرِ ملتؒ نے اس کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا تو ایوب خان کے لئے صدارتی انتخاب جیتنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسری طرف ایوب خان کو بھی اس کی خبر مل گئی کہ اپوزیشن محترمہ فاطمہ جناحؒ کو ان کے مقابلے میں لانا چاہتی ہے۔ انہیں اس خبر سے بہت پریشانی ہوئی۔ وہ جانتے تھے کہ قوم مادرِ ملتؒ کی بے حد عزت کرتی ہے اور اگر وہ صدارتی امیدوار بنیں تو قوم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔ تاہم وہ اس بات سے مطمئن بھی تھے کہ صدارتی انتخاب میں صرف بنیادی جمہوریتوں کے ارکان ہی ووٹ ڈالیں گے اس لئے یہ ممبر انہیں ضرور کامیاب کرا دیں گے اس طبقہ کو پالا ہی اسی مقصد کے لئے گیا تھا پھر بھی وہ کراچی پہنچے اور وہاں سی آئی ڈی والوں کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ محترمہ فاطمہ جناحؒ سے مل کر یہ معلوم کریں کہ وہ صدارتی انتخاب میں حصہ لیں گی یا نہیں۔ اس وقت اپوزیشن کا مادرِ ملتؒ سے رابطہ نہیں ہوا تھا چنانچہ سی آئی ڈی والے اپنی معلومات کے مطابق اس نتیجے پر پہنچے کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ اپوزیشن کی طرف سے صدارتی امیدوار نہیں بنیں گی۔ انہوں نے یہی رپورٹ ایوب خان کو پیش کر دی اور ایوب خان مطمئن ہو کر واپس اسلام آباد آ گئے۔

17 ستمبر کو متحدہ حزب اختلاف کا اجلاس ہوا جس میں کونسل مسلم لیگ کے سربراہ خواہ ناظم الدین، شفیق الاسلام اور بعض دیگر حضرات شریک ہوئے۔ جماعت اسلامی کی طرف سے شرکت کرنے والوں میں پروفیسر غلام اعظم اور رحمت الٰہی شامل تھے۔ نوابزادہ نصر اللہ خان، شیخ ظہیر الدین اور شیخ مجیب الرحمٰن نے عوامی لیگ کی طرف سے اور محمود الحق عثمانی، میاں محمود علی قصوری، افضل بنگش اور یوسف خٹک نے نیشنل عوامی پارٹی کی طرف سے شرکت کی۔ اس اجلاس میں محترمہ فاطمہ جناحؒ کے نام کی متفقہ طور پر منظوری دی گئی۔ اپوزیشن کے جن رہنماؤں نے ایوب خان کے ساتھ سازباز کر رکھی تھی انہوں نے بھی یہ سوچ کر اس نام کی مخالفت نہ کی کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ صدارتی امیدوار بننے پر رضامند ہی نہ ہوں گی اس لئے وہ مخالفت کر کے ساتھیوں کے دلوں میں کیوں شکوک پیدا کریں۔ ان حضرات کو ایوب خان کراچی سے واپسی پر آگاہ کر چکے تھے کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ ہرگز امیدوار نہیں بنیں گی۔ اس اجلاس کے فوراً بعد متحدہ اپوزیشن کا وفد محترمہ فاطمہ جناحؒ سے ملا وفد میں خواجہ ناظم الدین، چوہدری محمد علی، مولانا بھاشانی اور شیخ مجیب الرحمٰن شامل تھے۔ وفد نے مادرِ ملتؒ سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات کی۔ ابتدا میں انہوں نے اس جھمیلے میں پڑنے سے انکار کر دیا لیکن جب وفد نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ قوم اور ملک کی خاطر اب انہیں میدانِ عمل میں آنا چاہیے تو مادرِ ملتؒ انکار نہ کر سکیں۔ ان کی رضامندی حاصل کر کے وفد واپس لوٹ گیا اور مادرِ ملتؒ نے اخبار نویسوں کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے اس امر کی توثیق کر دی کہ صدارتی انتخاب میں وہ متحدہ اپوزیشن کی امیدوار ہونگی۔

جونہی یہ خبر عوام تک پہنچی پورے ملک میں اظہار مسرت کیا گیا۔ عوام نے جو تقریباً سات سال سے جمہوریت سے محروم تھے مادرِ ملتؒ کی رضامندی کو ملک کے لئے نیک فال قرار دیا لیکن کنونشن مسلم لیگ پر یہ فیصلہ بجلی بن کر گرا۔ جنرل ایوب

خان (جو خود ہی فیلڈ مارشل بن چکے تھے) یہ خبر سن کر بہت پریشان ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ انتخاب منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوا تو مادرِ ملتؒ کی کامیابی کو کوئی نہ روک سکے گا۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے گن گانے والے بنیادی جمہوریت کے ارکان مادرِ ملتؒ کے مقابلے میں انہیں ووٹ دینے کی جرات نہیں کرسکیں گے۔ مادرِ ملتؒ نے اس وقت تک کوئی عہدہ قبول نہیں کیا تھا ان کا دامن صاف تھا۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت تھی۔ بانی پاکستان کی بہن کی مخالف کون کرسکتا تھا لیکن آمریت کے دامن پر یہ دھبہ بھی لگنا تھا۔ جنرل ایوب خان نے جنہیں اقتدار کے سوا ملک وملت سے کوئی دلچسپی نہ تھی مادرِ ملتؒ کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی اور یہ فیصلہ کرتے ہوئے انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی خیال نہ آیا کہ بانیٔ پاکستان کی روح پر ان کے اس فیصلے سے کیا گزرے گی۔ ایوب خان نے یہ فیصلہ کرکے نہ صرف بانیٔ پاکستان کے احترام کو مجروح کیا بلکہ قوم پر بھی یہ ثابت کردیا کہ اقتدار کی خاطر ضمیر فروخت کردینا ان کے نزدیک کوئی مہنگا سودا نہیں۔ انہوں نے مادرِ ملتؒ کا مقابلہ کرتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ مادرِ ملتؒ کے عظیم بھائی کے حاصل کردہ پاکستان نے ہی انہیں اس عظیم عہدے تک پہنچایا ہے اور آج وہ جو کچھ ہیں قائداعظمؒ کے پاکستان کی وجہ سے ہی ہیں۔ معترضین کہہ سکتے ہیں کہ سیاست میں شخصیتیں نہیں اصول دیکھے جاتے ہیں۔ اس سے کسی کو انکار بھی نہیں ہوسکتا لیکن کوئی معترض سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ ایوب خان مادرِ ملتؒ کے مقابلے میں کسی پہلو سے بھی اس امیدواری کے حقدار تھے؟ ایوب خان کی سوانح حیات پر نظر ڈالی جائے تو تحریک پاکستان میں ان کا کوئی کردار نظر نہیں آتا جبکہ مادرِ ملتؒ کی زندگی اسی دشت کی سیاحی میں گزری تھی۔ ایوب خان کا مادرِ ملتؒ کے مقابلے پر آنا ایسی ناشکر گزاری تھی جس کی مثال نہیں ملتی اگر ایوب خان نے اپنے دورِ حکومت میں حصول اقتدار اور عوام کے حقوق غصب کرنے کے سوا کچھ اور کام بھی کیا ہوتا تو یقین سے کہا

جا سکتا ہے کہ مادرِ ملت ؒ کبھی ان کے مقابلے میں نہ آتیں انہیں عہدہ نہیں **ملک** عزیز تھا۔ اگر انہیں نام ونمود اور عہدوں کی خواہش ہوتی تو اپنے عظیم بھائی کے دور سیاست وحکمرانی میں وہ کیا کچھ حاصل نہیں کرسکتی تھیں لیکن انہوں نے قائداعظم ؒ کی وفات کے بعد خود کو صرف قومی دنوں پر بیانات جاری کرنے اور عوام کو حکمرانوں کی حرکتوں سے آگاہ کرنے تک محدود کرلیا تھا۔ ان کی نیک نیتی اور پاکستان سے محبت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ جب ایوب خان نے جمہوریت کا گلا گھونٹ کر اقتدار پر قبضہ کیا تو ابتدا میں مادرِ ملت ؒ نے جمہوریت پسند ہو کر بھی نا اہل سیاستدانوں سے تنگ آنے کی وجہ سے آمریت کو وقتی طور پر قبول کرلیا۔ اگر وہ چاہتیں تو وہ ایوب خان کے خلاف پہلے دن ہی محاذ قائم کرلیتیں اور انہیں عوامی طاقت کے ذریعہ پہلے دن ہی اقتدار سے محروم کردیتیں لیکن وطن کی محبت انہیں قیام امن پر مجبور کرتی تھیں ان کی کسی سے ذاتی لڑائی نہیں تھی اسی لئے انہوں نے ایوب خان کو موقع دیا کہ شاید وہی **ملک** سے سیاسی غلاظت کو دور کرسکیں لیکن جونہی انہوں نے دیکھا ایوب خان کی حکومت بھی اصلاح احوال کی بجائے برائیوں میں ہی اضافہ کررہی ہے تو انہوں نے اس حکومت پر بھی سخت تنقید کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی دوستی اور دشمنی صرف اور صرف پاکستان کی خاطر تھی۔

بہرحال ایوب خان نے مادرِ ملت ؒ کے فیصلے پر کڑی تنقید کی۔ یہاں تک الزام لگا دیا کہ وہ لیاقت علی خان کے دور میں غیر جانبداری ختم کرچکی تھیں۔ عوام میں اس تنقید سے بڑی بے چینی پھیلی لیکن وہ کر کچھ نہیں سکتے تھے اگر ایوب خان نے ان کا ووٹ دینے کا حق غصب نہ کیا ہوتا تو وہ صدارتی انتخاب میں قوم کی ماں کا مقابلہ کرنے کی انہیں ایسی سزا دیتے کہ ان کی آنے والی نسلیں بھی فراموش نہ کرسکتیں لیکن ووٹ کا حق صرف بنیادی جمہوریتوں کے اراکین کو حاصل تھا جنہیں مراعات و مفادات کی ڈگڈگی پر نچایا جا رہا تھا۔ بہرحال ایوب خان کے اشارے پر ان کی

کونشن مسلم لیگ نے بعض مذہبی جماعتوں کو اشارہ کیا کہ وہ عورت کی حکمرانی کی مخالفت شروع کر دیں۔ یہ اشارہ ملتے ہی فتوے آنے شروع ہو گئے کہ اسلام عورت کی حکمرانی کی اجازت نہیں دیتا۔ مادرِ ملتؒ صدارتی انتخاب نہ لڑیں کیونکہ اسلام کی رو سے کامیابی کے بعد بھی وہ مملکت کی صدر نہیں بن سکیں گی۔ یہ باتیں آمریت کو مضبوط بنانے کے لئے تھیں ورنہ معترضین بھی یہ جانتے تھے کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو ان کے یہ نظریات متحدہ بھارت میں کوئی جگہ نہ پا سکتے۔ معترضین قائداعظمؒ کے بارے میں بھی کہا کرتے تھے کہ ایک ایسا شخص اسلامی مملکت کیسے قائم کر سکتا ہے جو مونچھ اور داڑھی تک سے بے نیاز ہے لیکن جب اس عظیم قائد نے یہ ملک قائم کر دیا تو یہ فتویٰ باز ہی یہاں آ کر ملک کے ٹھیکیدار بن بیٹھے۔ بہر حال جماعت اسلامی متحدہ حزب اختلاف میں شامل رہی اور اس کے سربراہ مولانا مودودی نے کھل کر محترمہ فاطمہ جناحؒ کی حمایت کی۔ اگر مادرِ ملتؒ عوام کو بنیادی جمہوریتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ہدایت کر دیتیں تو وہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اس ایوب خانی نظام کو تباہ و برباد کر دیتے لیکن مادرِ ملتؒ قانون پسند تھیں۔ وہ جس جمہوریت کی قائل تھیں اس میں ہر شخص کو اظہار رائے کا حق ملتا تھا وہ اپنے اصولوں پر قائم رہیں۔ انہوں نے عوام کو بھی صبر و تحمل کی تلقین کی اور فرمایا کہ میں عوام کے پسندیدہ نظام کی بحالی کے لئے میدان عمل میں آئی ہوں چنانچہ انہوں نے بھی صبر و تحمل سے کام لیا۔ تاہم ایوب خان اور ان کے حامیوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ خواجہ ناظم الدین 23 اکتوبر کو دل کا دورہ پڑنے سے وفات پا گئے جس سے مادرِ ملتؒ کی مہم کو نقصان پہنچا۔

ایوب خان کی دھاندلی کے سامنے بظاہر تو مادرِ ملتؒ ہار گئیں لیکن جمہوریت کے حوالے سے وہ جیت گئیں کیونکہ اس الیکشن کے چند برس بعد پاکستانی عوام نے تحریک چلا کر ایوب خان کو معزول کر دیا انہوں نے ڈھاکہ میں میٹنگ سے خطاب کے دوران میں ایوب خان کی جمہوریت کے بارے میں مادرِ ملتؒ نے کہا:

''ایوب خان کا کہنا ہے کہ لوگ جاہل ہیں وہ جمہوریت کو نہیں سمجھتے اس لئے انہیں بتدریج اختیارات دینے چاہئیں۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جن لوگوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ریفرنڈم میں پاکستان کے حق مین اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کیا وہ جمہوریت کو نہ سمجھ سکیں۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ایک سپاہی جس نے کبھی سیاسی امور میں حصہ نہیں لیا آج لوگوں کو سیاست سکھانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

ایوب خان نے مادرِ ملتؒ کو شکست دینے کے لئے ہر قسم کی بے ایمانی اور مکاری سے کام لیا تھا۔ جنوری 1965ء میں مادرِ ملتؒ نے صدارتی انتخاب کے موقع پر یہ پیغام جاری کیا:

''آج پاکستان کے دونوں بازو جمہوریت کے پرچم تلے جس طرح متحد ہیں قائداعظمؒ کی وفات کے بعد وہ اس سے قبل کبھی اس طرح متحد نہیں ہوئے تھے۔ جمہوریت کی بحالی اب انکے ایمان کا حصہ بن چکی ہے۔''

آخری عمر میں بھی محترمہ فاطمہ جناحؒ نے جمہوریت ہی کو پیش نظر رکھا تھا۔ انہوں نے صدارتی انتخاب ہار جانے کے بعد 14 اگست 1965ء کو فرمایا:

''پاکستان کے لئے جمہوریت کا انتخاب کیا گیا تھا اور اسے اسی راہ پر گامزن رہنا چاہئے۔ جمہوریت قوم کے خون میں شامل ہے۔ اس لئے کہ تحریک پاکستان جمہوری مقاصد کے لئے تھی اور یہ قائداعظمؒ کی زیر قیادت خالصتاً جمہوری طریق سے کامیاب ہوئی۔ ہر پاکستانی کی اپنی اور اس کے وطن کی بہتری اور بقا کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں مکمل جمہوری نظام رائج ہو اور تمام جمہوریت مخالف رجحانات کا خاتمہ کیا جائے۔''

مادرِ ملتؒ کی ان خدمات کے حوالے سے قوم انہیں بطور محسنہ ملتؒ ہمیشہ یاد رکھے گی۔ وہ اگر ایوبی آمریت کے خلاف جمہوریت کا پرچم اٹھا کر باہر نہ نکلتیں تو

بعد میں پاکستانی عوام کے دلوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا جو احساس و ادراک نمو پذیر ہوا وہ کبھی پیدا نہ ہوتا۔ اس لحاظ سے قائداعظمؒ اگر بانئ پاکستان ہیں تو محترمہ فاطمہ جناحؒ پاکستان کے اندر جمہوریت کو عوام میں متعارف کرانے کے باعث بانئ جمہوریت ہیں۔

سولہواں باب

دھاندلی کا آغاز

ایوب خان نے طے کر رکھا تھا کہ وہ کبھی بھی اقتدار سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ اس مقصد کے لئے وہ سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار تھے۔ انہوں نے اپنے حامیوں کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ وہ انہیں (ایوب خان کو) برسر اقتدار رکھنے کے لئے جو چاہیں کر گزریں۔ ان سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی۔ چنانچہ دھاندلی کے منصوبے کھلم کھلا بننے لگے۔ مادرِ ملتؒ دوسری مرتبہ مغربی پاکستان کا دورہ شروع کر چکی تھیں کہ اچانک صدارتی امیدواروں سے کاغذات نامزدگی طلب کر لئے گئے۔ یہ اعلان 22 نومبر 1964ء کو ہوا۔ مادرِ ملتؒ نے اعتراض کیا کہ کاغذات نامزدگی داخل کرانے کا اعلان دانستہ طور پر اس وقت کیا گیا جب وہ مغربی پاکستان کے دورے پر تھیں لیکن ایوب خاں فیصلہ کر چکے تھے کہ مادرِ ملتؒ کے کسی اعتراض کو اہمیت نہیں دی جائے گی چنانچہ ان کے اس اعتراض کو مسترد کر دیا گیا۔ بالآخر ایوب خان اور مادرِ ملتؒ دونوں نے کاغذات نامزدگی داخل کرا دیئے۔ ایوب خان کے کیمپ سے ایک سازش یہ کی گئی کہ ایوب خاں کے علاوہ ان کی کابینہ کے تین وزیروں کے کاغذات بھی داخل کرا دیئے گئے۔ ایوب خاں کا نافذ کردہ قانون یہ تھا کہ چار سے زیادہ امیدوار صدارتی انتخاب میں حصہ نہیں لے سکتے۔ ان کی کابینہ کے تین وزیروں کے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کا مقصد یہی تھا کہ اس طرح مادرِ ملتؒ کو چار سے زائد امیدواروں میں شامل کر کے ان کے کاغذات نامزدگی مسترد کر دیئے جائیں لیکن متحدہ اپوزیشن نے اس سازش کو بھانپ کر ایک نہایت سخت بیان جاری کیا جس میں حکومت کو خبردار کیا گیا کہ اگر مادرِ ملتؒ کو انتخابی عمل سے باہر کرنے کی سازش کی گئی تو اس کے تباہ کن نتائج نکلیں گے۔ آمریت کی جڑیں عوام میں تو ہوتی نہیں اس لئے وہ عوام کا سامنا نہیں کر سکتی چنانچہ اس بیان کا خاطر خواہ اثر ہوا اور

ایوب کابینہ کے تینوں وزیروں نے اپنے نام واپس لے لئے۔ الیکن کمیشن نے 30 نومبر 1964ء کو اعلان کیا کہ ملک میں صدارتی انتخاب 2 جنوری 1965ء کو ہوگا۔ انتخاب میں حصہ لینے کے لئے محترمہ فاطمہ جناحؒ اور ایوب خان سمیت چار امیدواروں کا اعلان کیا گیا۔ باقی دو امیدوار کے ایم کمال اور میاں بشیر احمد تھے۔ انتخابی نشان کے طور پر ایوب خان نے پھول اور مادرِ ملتؒ نے لالٹین پسند کی۔ انتخابی مہم کے آخری ایام میں مادرِ ملتؒ اور ایوب خان نے بنیادی جمہوریتوں کے ارکان کے نام خطوط لکھے۔ مادرِ ملتؒ نے انہیں تلقین کی کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق پاکستان کی خوشحالی اور جمہوریت کی بحالی کے لئے ووٹ دیں۔ ایوب خان نے اپنے خط میں کہا کہ صدارتی نظام ہی ملک کے لئے موزوں ہے اس لئے وہ صدارتی نظام کے حق میں ووٹ ڈالیں۔ بظاہر اپوزیشن مادرِ ملتؒ کی کامیابی کے بارے میں پُر امید تھی اور ایوب خان کے کیمپ میں شکوک و شبہات پیدا ہو چکے تھے۔

2 جنوری 1965ء کو پولنگ ہوئی۔ پولنگ سے قبل ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ مادرِ ملتؒ کو شکست دینے کی تیاریاں مکمل کی جا چکی ہیں۔ ووٹروں کو جن کی تعداد ملک کے دونوں حصوں میں کل 80 ہزار تھی لالچ دیئے گئے۔ ڈرایا دھمکایا گیا۔ ان کے گھروں پر پولیس متعین کر دی گئی اور انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ ایوب خان کے حق میں ووٹ ڈالیں۔ سوچے سمجھے پروگرام کے تحت شام کے چار بجے ریڈیو پر ایوب خان کی کامیابی کا اعلان کر دیا گیا اور 8 جنوری کو اس اعلان کی سرکاری طور پر توثیق کر دی گئی۔ اس انتخاب پر ایوب خان کے ایک زبردست حامی اور مغربی پاکستان کابینہ کے ایک وزیر ملک خدا بخش بچہ نے جو تبصرہ کیا اس سے سب کچھ ظاہر ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا: ”ہم نے صدارتی انتخاب تو جیت لیا لیکن ہم قومی قیادت کی بازی ہار گئے۔“ محترمہ فاطمہ جناحؒ کی ساری عمر سیاست میں گزری تھی انہوں نے اس ناکامی کو صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ جو وفود انہیں ملنے آتے تھے وہ انہیں بھی یہی

تلقین فرماتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ عوام انتخابی نتائج کے خلاف کوئی ہنگامہ کھڑا کریں۔ وہ فرماتی تھیں کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے اور نتائج کو جس طرح بدلا گیا ہے اس سے عوام واقف ہیں۔ وہ فرماتی تھیں کہ اس انتخاب کے نتیجے میں ایوب خان کے لئے حکومت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ عوام بیدار ہو چکے ہیں وہ اپنے جمہوری حقوق واپس لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

اگر چہ آمر ایوب خان کی دھاندلی کی وجہ سے محترمہ فاطمہ جناحؒ صدارتی الیکشن ہار گئیں لیکن انہوں نے حسبِ عادت ہمت نہیں ہاری۔ وہ کونسل مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں مسلسل حصہ لیتی رہیں۔ انہوں نے تمام اپوزیشن جماعتوں کو مشورہ دیا کہ وہ کونسل مسلم لیگ میں ضم ہو جائیں تا کہ آمریت کا مقابلہ زیادہ دلجمعی کے ساتھ کیا جا سکے لیکن اس مشورے کی تکمیل میں چودھراہٹ پھر آڑے آ گئی اور اس پر عمل نہ ہو سکا۔ تاہم ایوب خان کے خلاف جدوجہد روز بروز آگے بڑھتی رہی۔ جون 1965ء میں کونسل مسلم لیگ کی صدارت کے لئے انتخاب ہونے والا تھا۔ اس عہدے کے لئے کونسل مسلم لیگ کے پاس ایسی کوئی شخصیت نہ تھی جس پر اتفاق رائے ہو سکتا اور قوم میں بھی اسے احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے کونسل مسلم لیگ کے رہنماؤں نے ایک بار پھر مادرِ ملتؒ سے رجوع کیا۔ مسلم لیگی کونسلروں کا ایک وفد ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ وہ کونسل مسلم لیگ کی صدارت قبول کر لیں لیکن مادرِ ملتؒ نے معذرت کر لی۔ دراصل مادرِ ملتؒ ایک طرف تو عہدوں سے دور بھاگتی تھیں، دوسری طرف ضعیف العمری ان کی امنگوں کی راہ میں حائل ہو چکی تھی۔ وہ کونسل مسلم لیگ کی صدارت قبول کرنے پر تو رضامند نہ ہوئیں لیکن وقتاً فوقتاً اسے مشوروں سے ضرور نوازتی رہیں۔ ایوب حکومت نے مادرِ ملتؒ کے خلاف پروپیگنڈا مہم جاری رکھی تھی۔ ایک افواہ یہ پھیلائی گئی کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ صدارتی انتخاب میں شکست

سے بددل ہو کر قومی خدمت سے دست کش ہو چکی ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ مادرِ ملتؒ نے کونسل مسلم لیگ کے اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ نہ وہ قومی خدمت سے دستبردار ہوئی ہیں اور نہ انہوں نے کونسل مسلم لیگ کی رکنیت ترک کی ہے۔ انہوں نے افواہیں پھیلانے پر حکومت کی مذمت کی اور کہا کہ مسلم لیگ سے میری وفاداری آخری سانس تک برقرار رہے گی۔ دراصل ایوب خان مخالفانہ پروپیگنڈے کے ذریعے مادرِ ملتؒ کے وقار کو کم کرنا چاہتے تھے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے، الٹا ان کا اپنا وقار قوم کی نگاہوں میں گرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ عوام نے سڑکوں پر آ کر ایوب خان کی آمریت کو ختم کر دیا۔ ملتِ اسلامیہ کی یہ عادت ہے کہ اس نے اپنے محسنوں کی خدمات کے اعتراف میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ قوم مادرِ ملتؒ کا نام آج بھی انتہائی احترام سے لیتی ہے۔ جبکہ ایوب خان گوشہ گمنامی میں پنہاں ہو چکے ہیں۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ نے قوم کی رہنمائی کو ایک فرض سمجھ کر آخری سانس تک انجام دیا۔ وہ قومی مواقع پر پیغامات جاری کر کے قوم کو خرابیوں، برائیوں اور کمزوریوں سے آگاہ فرماتی رہیں۔ حکومتوں پر ان کی تنقید ہمیشہ بے لاگ ہوا کرتی تھی۔ انہیں ان حکومتوں سے نہ کوئی لالچ تھا، نہ وہ ان سے خوف کھاتی تھیں۔ وہ ان کی جو برائی دیکھتیں اسے واشگاف الفاظ میں بیان کر دیتیں۔ جب 1965ء میں آئین زیرِ تکمیل تھا تو مادرِ ملتؒ بار بار اصرار کرتی رہیں کہ عوام کے جائز حقوق غصب نہ ہونے پائیں۔ پھر جب ایوب خان نے 1958ء میں مارشل لا نافذ کر کے آئین منسوخ کیا اور ملک 1962ء تک سرزمین بے آئین بنا رہا تو محترمہ فاطمہ جناحؒ بار بار ایسے آئین کی ضرورت پر زور دیتی رہیں جو قوم کی خوشحالی اور ملکی ترقی کا آئینہ دار ہو۔ درحقیقت یہ مادرِ ملتؒ کی رہنمائی کا ہی نتیجہ تھا کہ کونسل مسلم لیگ نے قائداعظمؒ کے مشن کو آگے بڑھایا اور کنونشن مسلم لیگ ایوب خان کے اقتدار سے

محروم ہوتے ہی فضا میں تحلیل ہو گئی۔ اپریل 1967ء میں مادرِ ملّتؒ نے قوم کو عید الاضحیٰ کے موقع پر جو پیغام دیا اس میں انہوں نے پارلیمنٹ کی خود مختاری اور عدلیہ اور پریس کی آزادی کو ایک آزاد معاشرے کی تشکیل کے لئے لازمی قرار دیا۔ یہ آخری پیغام تھا جس میں انہوں نے عوام کو تلقین کی کہ وہ اپنے مطالبات منظور کرانے کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ اس **ملک** کو قائم کرنے والوں کی صف اول میں تھیں۔ حصول آزادی کے بعد وہ جو چاہتیں اس **ملک** سے حاصل کر سکتی تھیں۔ وہ اس عظیم بھائی کی عظیم بہن تھیں جسے نہ انگریز حکمران کا رعب جھکا سکا نہ ہندو قوم کا سرمایہ خرید سکا۔ قیام پاکستان کے بعد مادرِ ملّتؒ نے اپنے لئے اپوزیشن کا کردار پسند کیا اور قوم کو بتایا کہ یہ **ملک** اس کا ہے اس لئے اسے اپنے جائز حقوق کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر مادرِ ملّتؒ اپنے لئے اپوزیشن کا کردار پسند نہ کرتیں تو خدا جانے طالع آزماؤں کے ہاتھوں **ملک** اور قوم پر کیا بیت جاتی مادرِ ملّتؒ نے **ملک** میں اپوزیشن کی بنیادیں اس قدر مضبوط کر دیں کہ آج تک کوئی آمریت انہیں اکھاڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ قائداعظمؒ نے اگر قوم کو ایک آزاد اور خود مختار **ملک** حاصل کر کے دیا تو مادرِ ملّتؒ نے اس **ملک** کے عوام کو جائز حقوق کے لئے جدوجہد کرنے کی راہ دکھائی۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں قوم اور افواج پاکستان نے جو کارہائے نمایاں ادا کئے مادرِ ملّتؒ نے ان پر دلی مسرت کا اظہار کیا لیکن جب ایوب خان نے معاہدہ تاشقند پر دستخط کر دیئے تو مادرِ ملّتؒ کو اس پر سخت صدمہ ہوا۔ انہوں نے نہایت دکھے ہوئے دل کے ساتھ صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''جو رہنما برسر اقتدار آنے کے بعد اصولی معاملات پر جرأت کا مظاہرہ نہ کرے وہ قوم کو تباہی سے ہم کنار کر دیا کرتا ہے۔ اس جنگ میں ہماری افواج اور عوام نے دشمن کے عزائم کو کامیاب نہ ہونے دیا لیکن ان قربانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ڈکٹیٹر کی بزدلی کے

باعث قوم کو یہ دن دیکھنا پڑا کہ ہمارے بہادر سپاہیوں نے میدان میں جو کچھ جیتا تھا ایوب خان ے اسے تاشقند میں کانفرنس کی میز پر ہار دیا۔"

سترھواں باب

کشمیر سے مادرِ ملّتؒ کی محبت

پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی ایک بہت بڑی آبادی گھر بار لٹا کر یہاں پہنچی تھی۔اس کی آبادکاری کا مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا تھا کہ ہندو حکمرانوں نے اپنی فوجیں مسلمانوں کی اکثریت والی ریاست جموں و کشمیر میں داخل کر دیں جن کی وجہ سے وہاں سے بھی ہزاروں مسلمان نقل مکانی کر کے پاکستان پہنچ گئے۔

قائداعظمؒ نے پاکستانی افواج کے اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی کو حکم دیا کہ وہ وادیٔ کشمیر میں در آنے والی بھارتی فوج پر حملہ کر کے اسے وادی سے نکال باہر کرے مگر جنرل گریسی نے قائداعظمؒ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ دونوں ملکوں کی مسلح افواج کے سپریم کمانڈر جنرل آکنلک کے ماتحت ہے اس لئے صرف انہیں کا آرڈر ماننے کا پابند ہے۔یوں بھارتی فوج کو وادی جموں و کشمیر میں قدم جمانے کا موقع مل گیا جس کے بعد اس کی شہ پر ڈوگرہ راجہ کی پولیس نے مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کر دیئے اور انہیں زبردستی پاکستان کی سرحدوں کی طرف دھکیل دیا۔

قائداعظمؒ کی وفات کے بعد محترمہ فاطمہ جناحؒ نے وادی جموں و کشمیر پر بھارت کی بالادستی کے خلاف بھرپور آواز اُٹھائی۔وہ مظلوم و مغلوب کشمیریوں کی امداد کی خاطر ویسے ہی سرگرم ہو گئیں جیسے بھارتی علاقوں میں ہجرت کر کے پاکستان آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے مصروف کار تھیں۔اس سے مادرِ ملّتؒ کی پاکستان اور کشمیر سے محبت کا پتہ چلتا ہے۔اس وقت کے حکمرانوں نے تو کشمیریوں کے مدد میں کوئی خاص سرگرمی نہیں دکھائی تھی لیکن مادرِ ملّتؒ کو چونکہ پاکستان کی خاک سے عشق تھا اس لئے وہ سرکاری سرپرستی حاصل نہ ہونے کے باوجود کشمیری مہاجرین کی ہر ممکن مدد کرنے لگیں۔وہ جانتی تھیں کہ وادی جموں و کشمیر

کی خطہ پاک کے لئے بیحد اہمیت ہے دوسرے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ کشمیریوں پر ڈوگرہ راجہ کیوں ظلم توڑ رہا ہے۔ محض اس لئے کہ وہ مسلمان تھے اور وادی کا الحاق ارضِ پاک کے ساتھ چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمان کشمیری مہاجرین کی امداد کے واسطے شہر شہر گھوم کر اہل زر سے عطیات وصول کرنے شروع کر دیئے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دسمبر 1948ء میں کراچی کی انجمنِ تاجران سے خطاب کرتے ہوئے وادی کشمیر کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی۔ ساتھ ہی ساتھ بے خانماں کشمیری مہاجرین کی حالتِ زار کا نقشہ بھی نہایت دردمندی سے کھینچا۔ مادرِ ملت نے فرمایا:

''گزشتہ کئی ماہ سے میں کشمیری مہاجرین اور مجاہدین کی امداد کے لئے اپنی ممکنہ کوشش کر رہی ہوں۔ اہل تجارت نے جس حب الوطنی کا اظہار کیا ہے میں بطور خاص اس کی قدر کرتی ہوں۔ ایسے اہم اور انتہائی ضروری مسئلہ میں ان کی سرپرستی بلاشبہ ہمارے ملک کے مستقبل کے لئے ایک نیک فال ہے۔ اس وقت پاکستان کو مختلف اہم مسائل کا سامنا ہے جن میں کشمیر سب سے زیادہ اہم ہے۔

مدافعتی نقطۂ نظر سے کشمیر پاکستان کی زندگی اور روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے کشمیر ہماری مرفع الحالی کا منبع ہے۔ پاکستان کے بڑے دریا اس ریاست کی حدود سے گزر کر پاکستان میں داخل ہوتے اور ہماری خوشحالی میں مدد دیتے ہیں۔ ان کے بغیر پاکستان کی خوشحالی خطرے میں پڑ جائے گی۔

آزاد غیر جانبدار رائے شماری جس میں کسی بھی قسم کا جبر یا اثر استعمال نہ کیا جائے فوری طور پر ہونی چاہیے۔ کشمیر کے عوام کو اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ کہ وہ آزادانہ طور پر اظہار رائے کر سکیں تا کہ اقوام متحدہ کی یہ ساکھ قائم رہ سکے کہ وہ دنیا کے مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ کشمیر کی تقسیم کے بارے میں بعض حلقوں میں لغو اور غلط قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ کشمیر اور پاکستان کے عوام اس بات پر کبھی راضی نہ ہوں

گے نہ ہی دنیا کی کوئی طاقت نہیں اپنے سے مضبوط ارادے سے ہٹا سکے گی۔ ایسا کرنے کی کوشش یقیناً دونوں ملکوں کو تباہی کی جانب لے جائے گی۔''

کشمیر کے مسئلے کو مادرِ ملتؒ کس درجہ اہم گردانتی تھیں اس کا اظہار ان کی اس تقریر سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے یوم اقبالؒ کے موقع پر 21 اپریل 1949ء کو لاہور میں کی تھی۔ اپنی صدارتی تقریر میں انہوں نے کشمیر کے ضمن میں فرمایا:

''آزاد اور غیر جانب دار استصوابِ رائے کا اہتمام کرنا فوری طور پر ضروری ہے جس میں کسی جبر اور ناجائز دباؤ سے کام نہ لیا جائے اور کشمیر کے باشندے پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کریں۔ کشمیر کی تقسیم سے متعلق جو مہمل تجویزیں سامنے آرہی ہیں وہ اہل کشمیر اور اہل پاکستان کے لئے ناقابل قبول ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آزاد کشمیر کے ارباب اقتدار بہت ہوشیار اور محتاط رہیں گے تاکہ یہاں اس صورتحال کا اعادہ نہ ہونے پائے جو فلسطین کے معاملہ میں پیش آئی ہے۔''

کشمیر میں عارضی جنگ بندی کے بعد مادرِ ملتؒ نے ان مجاہدوں کی حوصلہ افزائی کے لئے صوبہ سرحد کا خصوصی طور پر دورہ کیا جنہوں نے کشمیر کی جدوجہد آزادی میں بھرپور حصہ لیا تھا اور بھارتی اور ڈوگرہ فوج کو پے بہ پے شکست دے کر وادی کے اس خطے کو آزاد کرا لیا تھا جس پر آزاد کشمیر قائم ہے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے 30 اپریل 1949ء کو پشاور میں مسلم لیگ کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے سرحد کے جانبازوں کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا:

''کشمیر کے مسئلے پر آپ نے جس سرفروشی اور بہادری سے مجاہدانہ خدمات انجام دی ہیں اور کشمیر کے مصیبت زدوں کو امداد پہنچانے میں جو جدوجہد کی ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔ اس لئے اس کو تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ پاکستان کے ہر فرد کے دل و دماغ پر کشمیر کا مسئلہ قابض ہے۔ ہر شخص اس کے مستقبل کے بارے میں دلچسپی لیتا اور تجسس کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے بے قرار دلوں کو اس وقت تک آرام

نہیں مل سکتا جب تک کہ مسئلہ کشمیر پورے طور پر حل نہ ہو جائے اور ہم کو اپنے دیرینہ مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو جائے۔''

کشمیر کے معاملے میں مادرِ ملتؒ جہاں کشمیری مہاجرین کے لئے چندہ جمع کرتی رہیں وہاں مجاہدین کشمیر کے حوصلے بلند رکھنے کے لئے شہر شہر جا کر جلسوں سے بھی خطاب کرتی رہیں۔ پاکستان معرضِ وجود میں آ چکا تھا۔ حکومت قائم ہو چکی تھی مادرِ ملتؒ چاہتیں تو اب آرام سے گھر بیٹھ سکتی تھیں۔ لیکن انہیں چونکہ برصغیر کے مسلمانوں کا بے حد خیال تھا پھر پاکستان کی سالمیت اور ترقی بھی انہیں عزیز تھی اس لئے جہاں وہ پاکستان کے اقتصادی اور سماجی سدھار میں بھرپور دلچسپی لے رہی تھیں وہاں اس کے استحکام اور تحفظ کے لئے بھی متفکر تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ کشمیر کا حصول پاکستان کی سالمیت کے لئے بے حد ضروری ہے اس لئے باقی کام چھوڑ کر وہ کشمیر کے تنازعہ کو بہت زیادہ اہمیت دینے لگیں ان کے سینے میں پیارے بھائی کی دائمی جدائی کا زخم ابھی تازہ تھا کہ وہ مظفر آباد جا پہنچیں اور وہاں مجاہدین کو 9 مئی 1949ء کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں آج سرزمینِ کشمیر کے ان بہادروں کو مخاطب کر رہی ہوں جنہوں نے اپنی آزادی حاصل کرنے میں بیش بہا قربانیاں دی ہیں اور انقلاب کے طوفان کا زبردست مقابلہ کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ آپ لوگ مصائب و آلام کی جن منزلوں سے گزر رہے ہیں وہ اس قدر دردناک ہیں کہ کوئی انسانی محبت اور جذبہ رکھنے والا دل اس پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں آپ کے محبوب قائد مرحوم کو مسئلہ کشمیر سے دلی لگاؤ تھا اپنے بستر مرگ کے آخری لمحات میں جب ان کی روح دنیاوی تعلقات اور رشتوں سے منقطع ہو رہی تھی صرف ایک خیال جو ان کے دل میں خلش بنا ہوا تھا وہ کشمیر اور اس کی آزادی تھی۔''

محترمہ فاطمہ جناحؒ کشمیر اور پاکستان کو لازم و ملزوم قرار دیتی تھیں۔ اس وقت

کے حکمران ٹولے نے کشمیر کے معاملے میں ہندو شاطروں کے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی۔ کشمیری سرفروش اور صوبہ سرحد کے جیالے جانباز پوری وادی پر کنٹرول حاصل کرنے لگے تھے کہ بھارتی وزیراعظم جواہر لال نہرو سلامتی کونسل میں پہنچ گئے اور انہوں نے وادی کشمیر میں رائے شماری کرانے کی حامی بھر لی جسے پاکستانی حکومت نے بغیر سوچے سمجھے قبول کرلیا جس کے بعد کشمیر کا مسئلہ لٹک کر رہ گیا۔

وہ مہاجرین جو پاکستان آ گئے تھے واپس اپنے گھروں کو نہ جا سکے۔ مادرِ ملتؒ نے ان خانماں برباد لوگوں کی دلجوئی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہ مہاجر کیمپوں کا دورہ کرتی رہیں اور مہاجرین کا مورال اپنی تقریروں سے بلند کرتی رہیں۔ 24 مئی 1949ء کو انہوں نے واہ کینٹ کے مہاجر کیمپ کا دورہ کیا اور وہاں کشمیری مہاجرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں جانتی ہوں کہ آپ کو بہت سے آلام و مصائب برداشت کرنا پڑے ہیں اور کشمیر کی جدوجہد آزادی میں آپ نے جو قربانیاں دی ہیں وہ کبھی فراموش نہیں کی جا سکیں گی۔ ابھی آپ کو آخری کامیابی حاصل نہیں ہوئی مگر ہمت نہ ہاریئے۔ اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ آپ کسی صورت مایوس نہ ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اس مسئلہ پر ہر پاکستانی آپ کے ساتھ ہے اور ہر شہری کشمیریوں کی امداد کے لئے تیار ہے۔''

کشمیری مہاجرین کی امداد کے لئے مادرِ ملتؒ نے دن رات ایک کر دیا تھا وہ جہاں جاتیں عوام سے یہی اپیل کرتیں کہ کشمیری مجاہدین کی دل کھول کر مدد کیجئے۔ 14 اگست 1949ء کو انہوں نے سنٹرل زنانہ کالج کراچی میں جو صدارتی خطبہ دیا اس میں بھی خصوصی طور پر کشمیری مجاہدین کا تذکرہ تھا۔

خاتونِ پاکستان وادی جموں و کشمیر سے دلی لگاؤ رکھتی تھیں۔ حکومت میں نہ ہونے کے باعث وہ سرکاری سطح پر تو مظلوم کشمیریوں کے لئے کچھ نہ کر سکیں لیکن ذاتی

سطح پر انہوں نے تادم واپسیں کشمیر کو اپنی تقریروں کا حصہ بنا کر قوم اور اقوام عالم کے سامنے اسے زندہ رکھا۔ ان کا کشمیر کے مسلمانوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے۔

25 دسمبر 1965ء کو قائداعظمؒ کے یوم ولادت پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے بھی انہوں نے کشمیر کے بارے میں ان جذبات کا اظہار کیا:

''پاکستان کے سامنے اس وقت سب سے اہم مسئلہ کشمیر کا ہے۔ کشمیر پر بھارت کا قبضہ صریحاً نوآبادیاتی اقدام ہے۔ اقوام متحدہ اب تک کشمیر میں اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ہم پاکستانی یہ سمجھتے ہیں کہ امن اور انصاف کے نفاذ کے ذریعے کی حیثیت سے کشمیر کا مسئلہ اقوامِ متحدہ کے خلوص اور کارکردگی کی آزمائش ہے۔ انسانی حقوق اور بین الاقوامی تعاون کی باتیں سب کرتے ہیں لیکن جب تک دنیا کی تمام قوموں کو ان کا حقِ خودارادیت نہیں دیا جائے گا اس وقت تک امن، امن اور امن کی پکار بے معنی رہے گی۔''

عظیم اور مثالی شخصیت

مادرِ ملتؒ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھیں۔ اگر چہ انہوں نے انگریزی سکولوں میں تعلیم حاصل کی تھی اور بہت دنوں تک قائداعظمؒ کے ہمراہ انگلینڈ میں مقیم رہی تھیں اس کے باوجود دین اسلام ان کے خون میں رچا بسا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ مشرقی لباس اور طور اطوار کو ترجیح دی تھی۔ وہ اس قدر سادہ مزاج تھیں کہ ان سے ملنے جلنے والی خواتین ان کی تقلید کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتی تھیں۔ محترمہ شیریں جناح کہتی ہیں کہ خوش لباسی انہیں خاندانی ورثے میں ملی تھی اور وہ بھی قائداعظمؒ کی طرح عمدہ لباس پہننا پسند کرتی تھیں۔ زیادہ تر انہیں سفید رنگ پسند تھا۔ بمبئی سے کراچی آنے کے بعد کچھ عرصہ غرارہ بھی زیب تن کیا لیکن آخر میں شلوار قمیض کو مستقل لباس بنا لیا۔ سرخ موتیوں والے زیورات پسند تھے قائداعظمؒ انہیں نفیس زیورات خرید کر دیا کرتے تھے۔ 7 اگست 1947ء کو مادرِ ملتؒ قائداعظمؒ کے ہمراہ کراچی پہنچیں اور اپنے ہاتھ سے مکان کو آراستہ کیا۔ 1945ء میں قائداعظمؒ نے ایک پارسی باشندے سے فلیگ سٹاف ہاؤس خریدا تھا۔ بہن بھائی کی رہائش اسی مکان میں تھی۔ جب قائداعظمؒ مملکت خداداد پاکستان کے گورنر جنرل بنے اور گورنر جنرل ہاؤس میں منتقل ہو گئے تو مادرِ ملتؒ بھی ان کے ہمراہ گورنر جنرل ہاؤس چلی گئیں۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد وہ دوبارہ فلیگ سٹاف ہاؤس میں آ گئیں۔ چین کی عظیم خاتون مادام سن یات چواین لائی سویکارنو، شہنشاہ ایران، اندرا گاندھی، فرحت عباس، پنڈت نہرو اور دیگر غیر ملکی رہنماؤں نے اسی مکان میں مادرِ ملتؒ سے ملاقاتیں کی تھیں۔ ایوب خان کے خلاف جو متحدہ محاذ بنا اس کا انتخابی دفتر بھی یہی مکان تھا۔ اس وقت مادرِ ملتؒ قصر فاطمہ میں منتقل ہو گئی تھیں۔ اپنی رہائش کے لئے وہ صرف اس کا ایک کمرہ استعمال کرتی تھیں۔ باقی کمروں میں عظیم بھائی

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی اشیا سجا کر رکھی گئی تھیں۔آپ آخری وقت تک نظم وضبط کی پابند رہیں۔ بیڈٹی کے ساتھ اخبارات کا مطالعہ کرنا، دس بجے ناشتہ کرنا، فائلوں اور ڈاک کا مطالعہ کرنا، چار بجے تک ملاقاتیوں سے ملنے کے بعد سیر کو نکل جانا اور واپس آ کر رات کا کھانا کھا کر خواب گاہ میں چلے جانا۔ روزمرہ کا معمول تھا۔اس معمول میں انہوں نے کبھی فرق نہ آنے دیا۔

جو خواتین مادرِ ملتؒ کے قریب تھیں ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک شگفتہ مزاج خاتون تھیں۔ بیگم ثریا خورشید نے ان کی زندگی کے کچھ واقعات پیش کیے ہیں۔ 1965ء کے صدارتی انتخاب کا دور تھا۔ایک کارکن محترمہ فاطمہ جناحؒ کے ڈرائنگ روم میں چلا گیا وہاں مادرِ ملتؒ کے کتے نے کارکن کو کاٹ لیا۔اس کی چیخ و پکار سن کر مادرِ ملتؒ بالائی منزل سے اتر آئیں انہوں نے دیکھا کہ زخم زیادہ آیا ہے۔ انہوں نے کارکن کو حوصلہ دیا اور اس کا خوف دور کرنے کے لئے برجستہ کہا کہ میرے کتے نے آج تک کسی کو نہیں کاٹا تم کہیں مخالف کیمپ سے تو نہیں آئے؟ یہ سن کر تکلیف کے باوجود کارکن ہنس پڑا۔صدارتی الیکشن کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو مادرِ ملتؒ نے اپوزیشن رہنماؤں کے لئے افطار پارٹی کا اہتمام کیا۔افطار کے وقت میز کے تمام چمچے استعمال ہو گئے جب چائے آئی تو چمچوں کی قلت ہو گئی۔ رضوان احمد نے مادرِ ملتؒ سے پوچھا کہ کیا اور چمچے نہیں ہیں، مادرِ ملتؒ نے اپنے اردگرد بیٹھے سیاسی رہنماؤں کی طرف دیکھا اور برجستہ کہا کہ میرے پاس چمچوں کا کیا کام۔اس پر زبردست قہقہہ پڑا۔

مادرِ ملتؒ اخلاقی اقدار کو کبھی نظر انداز نہ ہونے دیتی تھیں۔ایوب خان کے ساتھ صدارتی انتخاب میں مقابلہ ہوا تو مادرِ ملتؒ نے ہدایت کی کہ اخلاق سے بعید کوئی بات انتخابی مہم میں نہ کی جائے۔ایک دن انہیں اطلاع ملی کہ کچھ نوجوان نے ایوب خان کے نام کا پٹہ کتے کے گلے میں ڈال کر اسے دوڑایا اور نعرے لگائے۔

مادرِ ملتؒ اس اقدام پر بہت ناراض ہوئیں اور فرمانے لگیں کہ ہم نے تو ایسی حرکتیں کانگریس اور ہندو مہا سبھا کے ساتھ بھی کبھی پسند نہ کی تھیں۔ مادرِ ملتؒ چونکہ نظم وضبط اور حساب کتاب کی بڑی پابند تھیں اس لئے بعض لوگ انہیں کنجوس کہنے لگے حالانکہ جو لوگ ان کے بہت قریب تھے وہ بتاتے ہیں کہ مادرِ ملتؒ کنجوس نہ تھیں وہ جب کسی کی دعوت کرتیں تو اس کے لئے بڑا اہتمام کرتیں۔ چونکہ وہ اسراف کے سخت خلاف تھیں اس لئے بعض حلقے انہوں کنجوس سمجھنے لگے تھے۔ رضوان احمد نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو بجلی کا کچھ کام کرانے کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے ایک بجلی والے کو بلایا اس نے جو سامان بتایا وہ فوراً گاڑی میں ساتھ جا کر خریدا۔ شام کو جب کام ختم ہوا تو مادرِ ملتؒ نے اسے نصف دن کی مزدوری دی۔ بجلی والا کہنے لگا اماں یہ آدھے دن کی اجرت ہے۔ مادرِ ملتؒ بولیں ہاں تم نے کام بھی تو آدھے دن ہی کیا ہے۔ آدھا دن تو تم میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر سامان خریدتے رہے ہو۔ جب وہ جانے لگا تو مادرِ ملتؒ نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ کل کام کرنے آئے گا؟ اس نے جواب دیا کہ ضرور آؤں گا لیکن صبح سے شام تک کام کروں گا کسی سامان کی ضرورت ہو تو وہ آپ خود خرید لائیں۔ چنانچہ اس نے سارا دن لگا کر کام مکمل کر دیا۔ شام کو مادرِ ملتؒ نے اسے پورے دن کی اجرت دی۔ اس کے ساتھ ہی کچھ انعام بھی دیا لیکن فرمایا کہ اسے آدھے دن کی بقایا اجرت نہ سمجھنا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مادرِ ملتؒ اصولوں کی کس قدر پابند تھیں۔ مادرِ ملتؒ نے جب کپڑے سلوانے ہوتے تھے تو وہ درزی کو گھر بلا لیتی تھیں۔ اس پر کڑی نگاہ رکھتیں اور کپڑے کو بار بار ناپتیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جو کچھ سلوانا ہے اس کے لئے کتنا کپڑا درکار ہو گا۔ وہ کترن تک ضائع نہ ہونے دیتی تھیں۔ بیرے اور خانسامے ان کے نظم وضبط کی شکایت کرتے رہتے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ بڑی خوش گفتار تھیں لیکن جب کوئی غلط بات کہتا تو انہیں غصہ آ جاتا تھا۔ نادار اور مستحق افراد کی امداد وہ کھلے دل سے کرتی

تھیں اور اس امداد کو دیکھ کر انہیں کنجوس کہنے والوں کو شرمسار ہونا پڑتا تھا۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ کی تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی اس نے انہیں نڈر اور بے باک بنا دیا تھا۔ جب پاکستان قائم ہو گیا تو وہ زندگی بھر حکمرانوں کو ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ٹوکتی رہیں۔ اس لئے حکمرانوں کے ساتھ ان کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے۔ بعض حکمرانوں نے انہیں دبانے کے ذلیل حربے اختیار کرنے میں بھی قباحت نہ سمجھی۔ مثلاً وہ فلیگ سٹاف ہاؤس میں رہائش پذیر تھیں تو اس کے باہر پولیس کے جاسوس مقرر کر دیئے گئے۔ ان کے ٹیلیفون ٹیپ کئے گئے اور ان کی ریڈیو تقریروں کے بعض حصے حذف کئے دیئے گئے۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان سے ان کے تعلقات پہلے ہی کشیدہ تھے۔ بیگم لیاقت علی خان کہتی ہیں کہ جب محترمہ فاطمہ جناحؒ کے ساتھ میرے تعلقات زیادہ خراب ہو گئے تو لیاقت علی خان نے وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ اس پر قائداعظمؒ نے لیاقت علی خان سے کہا کہ میرے اور اپنے درمیان میری بہن اور اپنی بیگم کو ہرگز نہ آنے دیں۔ اس سے قائداعظمؒ کی انصاف پسندی کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ دراصل بیگم لیاقت علی خان خود کو خاتون پاکستان کہلانا چاہتی تھیں لیکن عوام نے یہ خطاب مادرِ ملتؒ کو دے رکھا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو یہ دکھ بھی تھا کہ قائداعظمؒ کی علالت کے دوران ان کے علاج پر اتنی توجہ نہیں دی گئی جتنی دی جانی چاہئے تھی۔ وہ اپنی کتاب ''مائی برادر'' میں لکھتی ہیں کہ قائداعظمؒ کی علالت کے دوران ایک مرتبہ لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی، قائداعظمؒ سے ملنے آئے۔ ملاقات کے بعد کھانے کی میز پر وزیراعظم کا رویہ حد درجہ ناشائستہ تھا جس پر مادرِ ملتؒ اٹھ کر قائداعظمؒ کے کمرے میں چلی گئیں۔ پھر جب قائداعظمؒ کو کوئٹہ سے واپس کراچی لایا گیا تو جس طرح ان کی ایمبولنس لاوارث کھڑی رہی اس کا بھی مادرِ ملتؒ کو بہت رنج تھا۔ جو لوگ قائداعظمؒ کے طفیل بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے تھے وہ خوف کے مارے مادرِ

ملتؒ سے ملاقات تک نہ کرتے تھے لیکن جب لیاقت علی خان شہید ہوئے اور مادرِ ملتؒ کو یہ خبر پہنچی تو وہ فوراً ان کی رہائش گاہ پر جا پہنچیں اور اظہار رنج وغم کیا۔ 1955ء میں مادرِ ملتؒ نے یوم ولادت قائداعظمؒ پر ایک نشری تقریر میں حکومت پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ملک کو سیاسی چپقلش اور گروہی اختلافات کی آماجگاہ بنادیا گیا ہے اور آئین سازی کے کام کو سیاسی جوڑتوڑ اور سودے بازی میں بدل دیا گیا ہے۔18 جولائی 1956ء کو پیغامِ عید میں فرمایا ''مصائب وآلام کا یہ انبار جس کے نیچے دبے ہوئے عوام بری طرح کراہ رہے ہیں کسی کو اس کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں ہے۔بس ذاتی مفادات کی تکمیل کا چکر چل رہا ہے جس کی کوئی انتہا نظر نہیں آتی۔'' واضح رہے کہ یہ سکندر مرزا کا دور تھا۔ الغرض مادرِ ملتؒ نے کسی حکمران کی غلط کاریوں پر اسے معاف نہ کیا۔ انہیں عظیم بھائی کے ساتھ ساتھ پاکستان سے بڑی محبت تھی۔وہ چاہتی تھیں کہ قائداعظمؒ کے سوانح حیات کسی غیر ملکی کی بجائے کوئی پاکستانی لکھے۔اسی لئے ہیکٹر بولیتھو کو جب حکومت نے حیاتِ قائداعظم تحریر کرنے کا اختیار دیا تو مادرِ ملتؒ نے اسے ضروری ریکارد دینے سے انکار کر دیا۔ جب کوئی پاکستانی اس کام کے لئے تیار نہ ہوا تو انہوں نے خود یہ کام کرنے کا بیڑا اٹھایا۔لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی۔ بیگم مطلوب الحسن کہتی ہیں کہ مادرِ ملتؒ بیمار ہوئیں تو انہیں بیرون ملک جا کر علاج کرانے کا مشورہ دیا گیا لیکن انہوں نے جواب دیا ''میں کسی دوسرے ملک میں کیوں جاؤں میں تو اپنے ملک میں ہی علاج کرانا پسند کروں گی۔'' رشتے داروں کے اصرار پر وہ صرف ایک مرتبہ 1961ء میں علاج کی غرض سے جرمنی گئیں۔ قیام پاکستان کے بعد انگریزوں نے حکومت پاکستان کے تحت ملازمتیں کر لی تھیں۔اور مادرِ ملتؒ چاہتی تھیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو ان سے چھٹکارا حاصل کر کے پاکستانیوں کو یہ ملازمتیں دی جائیں۔

مادرِ ملتؒ نے قائداعظمؒ سے جو تربیت حاصل کی تھی اس پر وہ ہمیشہ فخر کرتی

رہیں۔ وہ قائداعظمؒ کی طرح اصولوں پر کاربند رہنا چاہتی تھیں۔ صدارتی انتخاب کے موقع پر صدر ایوب نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی انہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری کو وقت لینے کے لئے مادرِ ملتؒ کے پاس بھیجا لیکن مادرِ ملتؒ نے ملٹری سیکرٹری سے ملنے سے انکار کر دیا۔ صدارتی انتخاب کے وقت ایوب خان اور گورنر امیر محمد خان آف کالا باغ میں چپقلش شروع ہو چکی تھی۔ نواب کالا باغ نے مادرِ ملتؒ کو پیغام بھیجا کہ میں انتخاب میں آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ کوئی دھاندلی نہیں ہونے دوں گا لیکن آپ بھی یقین دلائیں کہ کامیاب ہونے پر میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گی لیکن مادرِ ملتؒ نے جواب دیا کہ احتساب ہر ظالم حاکم کا ہو گا۔ میاں منظر بشیر نے 22 جنوری 1976ء کو شائع ہونے والے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ''اگرچہ ہم نے صدارتی انتخاب ہار دیا تھا لیکن اخلاقی طور پر یہ انتخاب ہم نے جیتا کیونکہ مہم کے دوران مادرِ ملتؒ نے ایوب خان کے اس رعب کو ختم کر دیا جو انہوں نے مارشل لا کے دنوں میں قائم کر رکھا تھا۔''

محترمہ فاطمہ جناحؒ پاکستان کو خوشحال ملک دیکھنا چاہتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک اس ملک کا ایک ایک آدمی بنیادی سہولتیں حاصل نہیں کر لیتا اس وقت تک قیام پاکستان کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ مادرِ ملتؒ ملک کی سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ اقتصادی آزادی کی بھی خواہاں تھیں۔ انہوں نے صدارتی انتخاب میں حصہ لے کر مزدوروں، کسانوں، طالب علموں، نوجوانوں، الغرض معاشرے کے ہر طبقہ کو قوت گویائی عطا کر دی تھی۔ اس طرح سرمایہ دارانہ نظام پر کاری ضرب لگی تھی۔ اس لحاظ سے مادرِ ملتؒ ایک ترقی پسند خاتون تھیں لیکن ان کی ترقی پسندی اسلام کے تابع تھی وہ چاہتی تھیں کہ ملک اور قوم کی تقدیر اسلامی اصولوں کی روشنی میں مرتب ہو۔

مادرِ ملتؒ صرف کشمیر کی ہی تحریک آزادی کی حمایت نہیں کرتی تھیں بلکہ پوری

دنیا میں جو اسلامی تحریکیں جاری تھیں انہیں بھی مادرِ ملّت ؒ کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ مسئلہ فلسطین کے بارے میں وہ فرماتی تھیں۔ ”فلسطین کی مقدس سرزمین پر صدیوں تک امن و امان کا دور دورہ رہا لیکن اب یہ سرزمین میدان کارزار میں تبدیل کر دی گئی ہے۔ اس سرزمین کے ہزاروں باشندوں کو دربدر پھرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ راہ حق پر ہیں۔“ محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی قائداعظمؒ کی طرح فرقہ بندی کے سخت خلاف تھیں۔ وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان خاتون تھیں۔ وہ اسلام کی سربلندی کی علمبردار تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ امت مسلمہ صرف اسلامی اصولوں پر کاربند رہ کر ہی عظمت گم گشتہ حاصل کر سکتی ہے۔

قائداعظمؒ کی طرح محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی جمہوریت کی حامی تھیں تاہم وہ ایسی جمہوریت کی حمایت کرتی تھیں جس پر اسلامی اصولوں کی چھاپ لگی ہو۔ قائداعظمؒ کے بارے میں یہ واقعہ بڑا مشہور ہے کہ ایک مرتبہ جب مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں ایک صاحب ان کے مقابلہ پر کھڑے ہوئے تو قائداعظمؒ کے ساتھیوں کو اس کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ وہ قائداعظمؒ کو بلا مقابلہ کامیاب کرانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس امیدوار کو قائداعظمؒ کے حق میں بٹھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ نہ مانا۔ بالآخر قائداعظمؒ کے حامی ایک وفد کی صورت میں قائداعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ وہ مدمقابل امیدوار کو بٹھانے کے لئے سودے بازی کی اجازت دے دیں۔ وفد کی بات سن کر قائداعظمؒ بہت خفا ہوئے اور وفد سے فرمانے لگے ”تم ایک شخص کے جمہوری حق کو غصب کرنا چاہتے ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ شخص انتخاب لڑتا ہے تو ضرور لڑے۔ یہ تمہارا فرض ہے کہ اپنی محنت اور جدوجہد سے اس کی ضمانت ضبط کرا دیں۔“ یہ تھی قائداعظمؒ کی جمہوریت پسندی، مادرِ ملّت ؒ نے بھی اسی عظیم قائد کی صحبت میں تربیت پائی تھی۔ لہذا وہ بھی ملک میں صحیح جمہوری نظام قائم کرنا چاہتی تھیں۔

صدارتی انتخاب میں ایوب خان کا مقابلہ بھی انہوں نے اسی لئے کیا تھا کہ وہ ان کے بنیادی جمہوریتوں کے نظام کو جمہوریت سے مذاق تصور کرتی تھیں۔ قیام پاکستان سے قبل انہوں نے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ کی تقریر کا حوالہ دیا۔ فرمایا: ''مجھے یقین ہے کہ جمہوریت ہمارے خون اور ضمیر میں رچ بس چکی ہے۔ صدیوں کے ناموافق حالات نے ہمارے خون کی گردش کو منجمد اور رگوں کو بے جان کر دیا تھا۔'' جمہوریت کی خاطر وہ آزاد پریس کی قائل تھیں جو جمہوریت کو پٹڑی سے نہ اترنے دے لیکن یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ قائداعظمؒ اور مادرِ ملّتؒ کے حاصل کردہ اسی ملک میں آمروں نے ان نظریات کی مٹی پلید کر کے رکھ دی اور جمہوریت کو وہ نقصان پہنچایا کہ قوم آج تک اس عظیم نقصان کی تلافی نہ کر سکی۔ مادرِ ملّتؒ فرمایا کرتی تھیں کہ پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کا راز صرف اور صرف جمہوریت میں مضمر ہے۔ ان کی یہ پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ قوم نے دیکھا کہ جب آمروں نے ملک سے جمہوریت کا جنازہ نکالا تو نہ صرف ملک کی نشوونما رک گئی بلکہ وہ دولخت بھی ہو گیا۔ اپنے انتخابی جلسوں میں وہ اپنے اس نظریہ کو بار بار دہراتی رہیں کہ پاکستان جمہوری طریقے پر حاصل کیا گیا ہے اور جمہوری طریقے سے ہی اسے ترقی دی جا سکتی ہے۔ مادرِ ملّتؒ قوم کو بتاتی رہیں کہ جمہوریت میں قانون کسی ایک فرد کی مرضی کے تابع نہیں ہوا کرتا لیکن ایوب خان نے 1962ء کا نام نہاد آئین خود تیار کر کے قوم پر ٹھونس دیا۔ ایوب خان کو یہ جرات بھی اسی لئے ہوئی کہ اسے بعض نام نہاد سیاستدانوں کی حمایت حاصل تھی۔ حقیقت کو پردوں میں نہیں چھپایا جا سکتا چنانچہ جب ایوب خان کو اقتدار سے نکلنا پڑا تو انہوں نے اقتدار دوسرے جنرل یحیٰی خان کے سپرد کر دیا حالانکہ ان کے بنائے ہوئے آئین کے مطابق اقتدار اسپیکر یا چیف جسٹس کو سونپنا چاہیے تھا۔ یحیٰی خان جیسے مدہوش جرنیل کو اقتدار دے کر ایوب خان نے عملاً تسلیم کر لیا کہ واقعی آئین وہی چل

سکتا ہے جسے رائے عامہ کی بھرپور حمایت حاصل ہو۔ وطنِ عزیز میں آمروں نے جمہوریت کی شمع گل کرنے کے لئے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کئے لیکن وہ عوام سے اپنی ''افلاطونیت'' نہ منوا سکے اور جب بھی ملک سے آمرت کا خاتمہ ہوا تو اس کی جگہ جمہوریت نے ہی سنبھالی۔ مادرِملّتؒ اپنے عظیم بھائی کی تصویر تھیں۔ ان کے خیالات اور نظریات بھی وہی تھے جو ان کے عظیم بھائی کے تھے۔ اسی لئے قائداعظمؒ نے 1939ء میں ہی محترمہ فاطمہ جناحؒ کو اپنا وارث قرار دے دیا تھا۔ ان کا یہ وصیت نامہ 30 مئی 1939ء کو تیار کیا گیا تھا۔ مادرِملّتؒ کے قریبی ساتھیوں کا کہنا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں ہر جمعرات کو قائداعظمؒ کے مزار پر حاضری دیتی رہیں۔ وہاں سے ہی انہیں سیاسی روشنی ملتی تھی اور اسی روشنی کے سہارے وہ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد قوم کی رہنمائی کرتی رہیں۔ مادرِملّتؒ نے خواتین کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ پاکستان میں جب آل انڈیا پاکستان ویمن ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا تو مادرِملّتؒ ہی کو اس کا سرپرست بنایا گیا۔ یہاں سے ہی بیگم لیاقت علی خان کو مادرِملّتؒ سے اختلاف ہوا۔ بیگم لیاقت علی خان سمجھتی تھیں کہ مادرِملّتؒ کی موجودگی میں قوم انہیں کوئی نمایاں مقام نہیں دے گی اور رہا بھی یہی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کا قوم نے مادرِملّتؒ کا اعزاز قائم رکھا اور بیگم لیاقت علی خان خود کو خاتونِ اول کہلانے لگیں۔ مادرِملّتؒ خود اس اعزاز کے بارے میں فرمایا کرتی تھیں کہ جب خواجہ ناظم الدین جیسے معمر زعما مجھے ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں تو مجھے شرم محسوس ہوتی ہے لیکن قائداعظمؒ کے مخلص حامی محترمہ فاطمہ جناحؒ کو مادرِملّتؒ کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ میاں منظر بشیر اپنے ایک انٹرویو میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قائداعظمؒ مادرِملّتؒ کے ہمراہ میری قیام گاہ المنظر میں تشریف لائے۔ مجھے بہن بھائی سے مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یقین جانئے کہ میں نے 24 گھنٹے تک ہاتھ نہیں دھوئے۔ کیونکہ اس مصافحے کو میں اپنی خوش قسمتی تصور کرتا

تھا۔صدارتی انتخاب کے بعد کراچی میں فسادات ہوئے جس میں لوگوں کو زبردست جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔مادرِملتؒ کو جب فساد کی خبر ملی تو وہ فوراً متاثرہ علاقے میں پہنچیں اور اعلان کیا کہ عوام کو کیوں مارتے ہو میں حاضر ہوں تم میری جان لے کر شوق پورا کرلو۔میاں منظر بشیر اپنے انٹرویو میں بتاتے ہیں کہ مادرِملتؒ ہمیشہ قائداعظمؒ کے اصولوں کو پیش نظر رکھا کرتی تھیں۔وہ کہا کرتی تھیں کہ میں بھی انہی کے نقش قدم پر چل رہی ہوں۔میں نے صدارتی انتخاب میں صدر ایوب کا مقابلہ اس لئے کیا کہ عوام کے دلوں سے مارشل لا کا خوف ختم کیا جائے اور ملک کے گوشے گوشے میں جمہوریت کی آزادی اور معاشرتی انصاف کا پیغام پہنچاؤں۔سید کاوش رضوی ''محترمہ فاطمہ جناحؒ سامراج اور انقلاب'' میں لکھتے ہیں کہ صدارتی انتخاب میں جب مادرِملتؒ نے ایوب خان کا مقابلہ کیا تو انہوں نے ایک خفیہ پوسٹر چھپوایا تھا۔اس پوسٹر میں لکھا تھا ''نوجوان ابھرتا سورج ہیں نئے خون کو نئے دور کا انتظام خود سنبھالنا ہوگا۔ایوب شاہی کے خاتمے کے لئے متحد ہو جاؤ'' مادرِملتؒ اپنے اس خواب کی تعبیر اپنی زندگی میں تو نہ دیکھ سکیں لیکن انہوں نے نوجوانوں کو جو راہ دکھائی تھی انہوں نے اس پر چل کر ہی ایوب خاں جیسے آمر کو اقتدار سے محروم کر دیا تھا۔ مادرِملتؒ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے صدارتی انتخاب کے دوران اپنی انتخابی مہم میں عوام اور حکمرانوں کو خبردار کر دیا تھا کہ قومی دولت کی تقسیم میں جو ناہمواری ہے وہ عظیم تباہی پر منتج ہو سکتی ہے۔1970ء میں ان کا یہ انتباہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا جب مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔اگر ملک آمریت کے چنگل میں نہ جکڑا ہوتا تو اس کے دو ٹکڑے کبھی نہ ہوتے۔مادرِملتؒ اپنی انتخابی مہم کے دوران فرمایا کرتی تھیں کہ آمریت کو متحد ہو کر ہی شکست دی جا سکتی ہے۔اپنے بارے میں وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں اس عظیم بھائی کی بہن ہوں جسے کوئی نہیں خرید سکا۔اسی طرح میں بھی انہی کے راستے پر

چلتی ہوں اور مجھے بھی کوئی نہیں خرید سکتا۔ایوب خان کے بارے میں ان کا تاثر یہ تھا کہ وہ اچھے فوجی ہوں گے مگر اچھے سیاستدان ہرگز نہیں ہیں۔ جبکہ مادرِ ملّتؒ کو بچپن سے ہی جمہوری سیاست کی تربیت ملی تھیں۔

قائداعظمؒ کی طرح محترمہ فاطمہ جناحؒ کی زندگی بھی ایک لگے بندھے نظام الاوقات کے تحت گزری۔وہ گھر نہایت سلیقے کے ساتھ سجا کر رکھتی تھیں۔ ہر چیز اپنی مخصوص جگہ پر رکھتیں اگر کوئی چیز اپنی جگہ پر موجود نہ ہوتی تو انہیں فوراً اس کا علم ہو جاتا۔ملازمین کو ہدایت تھی کہ وہ کسی چیز کو بلا وجہ دوسری جگہ پر نہ رکھیں۔آپ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتیں۔ملاقاتیوں کی باتوں کو بڑے غور سے سنتیں۔ خود بہت آہستگی سے بات کرتیں۔ایک ایک لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتیں تا کہ وہ ان کی بات کو بخوبی سمجھ سکیں۔ اکثر اوقات وہ دوپہر کا کھانا بھی نہ کھا سکتیں اور محض شام کی چائے پر گزارہ کر لیتیں۔ جو شخصیتیں اور وفود ان سے ملتے تھے وہ ان کی سیاسی فہم و فراست اور معاملات پر ان کی نظر کی گہرائی سے بے حد متاثر ہوتے تھے۔پاکستان کا قیام کسی سیاسی معجزے سے کم نہیں جو قائداعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ کی سعی پیہم کے نتیجے میں سرزد ہوا۔ دنیا حیران تھی کہ دو شخصیتوں نے اپنی جدوجہد اور سیاسی فہم و فراست سے کس طرح دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک قائم کر دکھایا۔ دنیا بھر کے ملک ان دونوں قائدین کے سیاسی تدبر کے قائل ہو گئے لیکن بدقسمتی سے خود پاکستان میں ایسے حضرات اب بھی موجود ہیں جو قیام پاکستان کو ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کی جدوجہد کا ثمر نہیں سمجھتے بلکہ اسے انگریزوں کا منصوبہ قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ متحدہ ہندوستان کے قائل تھے وہ گاندھی کی قیادت کو اپنے لئے مفید سمجھتے تھے۔انہیں قوم کی بجائے صرف اپنا مفاد عزیز تھا۔جب وہ قیام پاکستان کو انگریز کا منصوبہ قرار دیتے ہیں تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انگریز وائسرائے ماؤنٹ بیٹن (جو حصول آزادی کے بعد بھارت کا پہلا گورنر جنرل بنا) کی موجودگی میں بھارت نے پاکستان کے حصے

میں آنے والے اثاثے اور سرمائے کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔ اگر یہ انگریزوں کا منصوبہ تھا تو بھارت کے پہلے گورنر جنرل نے بھارت کی حکومت کو بد دیانتی کرنے کی اجازت کیوں دی؟ کام کے **مسلسل** دباؤ نے قائداعظمؒ کے جسم کو کھوکھلا کر دیا تھا اور ان کے خصوصی ڈاکٹر نے انہیں آگاہ کر دیا تھا کہ آخری وقت زیادہ دور نہیں لیکن قائداعظمؒ نے ڈاکٹر کو سختی سے ہدایت کی کہ مرض کو راز میں رکھا جائے اور جب قیام پاکستان کے بعد بھارت کے انگریز گورنر جنرل پر اس **عظیم** قائد کی بیماری کا راز کھلا تو اس نے کف افسوس ملتے ہوئے کیوں کہا تھا کہ ''کاش مجھے قائداعظمؒ کی بیماری کا پہلے علم ہو جاتا تو میں ایک دو سال کے لئے آزادی کو مؤخر کر دیتا لیکن ہندوستان کو تقسیم ہونے سے بچا لیتا۔'' انگریز جیسا شاطر حاکم ''اپنے منصوبے'' کے بارے میں اس قسم کے الفاظ کہہ سکتا تھا؟ پھر لٹے پٹے مہاجرین کا سیلاب اسی انگریز گورنر جنرل کی آنکھوں کے سامنے پاکستان پہنچا تا کہ اس نوزائیدہ **ملک** کو اقتصادی طور پر ابتدا میں ہی تباہ کر دیا جائے۔ کیا کوئی ہوش مند انسان اپنے منصوبے کو یوں تباہ کرنے کی سوچتا ہے؟ پھر صوبوں بالخصوص پنجاب کی تقسیم میں ریڈکلف نے جو ہیرا پھیری کی اور جس طرح کشمیر کا تنازعہ کھڑا کرنے لئے مسلم اکثریت والے علاقے بھارت کو سونپے اور بھارت کو کشمیر تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ دکھایا تو اس کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ پاکستان کا قیام انگریزوں کے منصوبے کے تحت عمل میں آیا تھا؟ آزادی یونہی تحفے میں نہیں ملا کرتی۔ قائداعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ نے قوم کو ایک خودمختار **ملک** عطا کیا۔ کاش اپنوں کی خودغرضی سے یہ **ملک** نہ ٹوٹتا۔ اس **ملک** کے ٹوٹنے سے پوری دنیائے اسلام کی وہ امیدیں ٹوٹ گئیں جو اس **عظیم ملک** سے وابستہ کی تھیں۔ بہرحال یہ مضمون زیرِ نظر کتاب کا موضوع نہیں۔

پاکستان بننے سے قبل قائداعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناحؒ وہ کانٹے چننے میں لگے رہے جو اغیار کی شہہ پر نام نہاد اپنوں نے راہ میں بچھا دیئے تھے۔ جب پاکستان بن

گیا تو خیال تھا کہ اب بائیٔ پاکستان کو بھی سکھ کا سانس لینے کا موقع ملے گا لیکن گئو ماتا کے پجاریوں نے مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ لاکھوں لٹے پٹے مسلمان اپنے سینوں پر طرح طرح کے داغ سجائے اس نوزائیدہ ملک میں داخل ہو گئے۔ ابھی پاکستان میں حکومت بننے نہ پائی تھی کہ یہ افتاد آ پڑی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے پھر کمر ہمت کس لی اور ان لٹے پٹے مہاجرین کی بحالی اور آباد کاری کے لئے سرگرم عمل ہو گئیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ''مہاجرین کو کمتر سمجھنا قابلِ نفرین اور کفر ہے کیونکہ خود حضور اکرمؐ بھی مہاجر تھے۔'' انہوں نے مہاجرین کی آبادکاری میں نمایاں حصہ لیا۔ ان کے دکھے دلوں پر ہمدردی کا مرہم لگایا۔ مہاجرین کے کیمپوں میں جا کر ان کی دلجوئی کی۔ حکام وقت سے کہا کہ ان کی آبادکاری میں کسی قسم کے تساہل سے کام نہ لیا جائے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ جب تک زندہ رہیں مہاجرین کے غم میں برابر کی شریک رہیں۔

قیام پاکستان کے بعد مادرِ ملتؒ نے مسلمانوں میں صحیح اسلامی روح زندہ کرنے کی خاطر ہمیشہ دین حق کی بات کی اور عوام کو سچا مسلمان بننے کی تلقین کی۔ انہوں نے 11 نومبر 1947ء کو لاہور میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم مسلمانوں کو ناکارہ اور بیکار قوم قرار دیا گیا تھا۔ اس پروپیگنڈے کا ہم پر یہ اثر ہوا تھا کہ ہم خود اعتمادی سے محروم ہو گئے تھے۔ مگر تقسیم ہند کے بعد یہ فریب ٹوٹ گیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے پاکستان حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ وہ ایک زندہ اور بیدار قوم ہیں۔ لہٰذا اس لغو پروپیگنڈے کا اثر زائل کرنے کے لئے اب ہمیں اپنے فرائض نہایت عمدگی سے ادا کرنے چاہئیں۔''

28 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ ریڈیو سے قوم کو مخاطب کر کے انہوں نے مملکت پاکستان کے خدوخال یوں واضح کئے:

''آپ اپنے ادب اور آرٹ میں اسلامی تہذیب اور معاشرت کو زندہ کریں۔اپنے عظیم ماضی سے رشتہ جوڑیں۔جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔مجھے یقین ہے کہ آپ پاکستان کو اس کی السلامی و تاریخی روایات کے شایان شان ایک مضبوط اور طاقتور ملک بنانے میں کوئی کوتاہی نہیں برتیں گے۔''

2 نومبر 1948ء کو کراچی میں منعقد ہونے والے آل پاکستان مسلم یوتھ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے نوجوانوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''ہمیں اپنے ساجی ڈھانچے کو اسلامی اصولوں پر استوار اور منظم کرنا ہے۔رشوت، اقربا پروری، بدنیتی جیسی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔''

دراصل محترمہ فاطمہ جناحؒ ملک خداداد کے نوجوان طلبہ کو اسلامی قدروں سے روشناس کرانا چاہتی تھیں تاکہ وہ آگے چل کر ملک کو مکمل طور پر اسلامی فلاحی ریاست بناسکیں۔وہ نوجوان طالب علموں کے ساتھ ساتھ طالبات کو بھی اسلامی سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں۔چنانچہ کراچی کے مدرسہ بنات الاسلام کے افتتاح پر 30 جنوری 1949ء کو انہوں نے مسلمان طالبات کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ لوگ علم کے ساتھ ساتھ دین کا دامن بھی مضبوطی سے تھامنا چاہتی ہیں اس رجحان پر میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں۔اللہ کرے کہ ہماری بچیاں صحیح اسلامی زندگی کا نمونہ بن کر یہاں سے نکلیں۔اسلام ان کے رگ و پے میں رچا بسا ہو۔وہ اپنے بعد آنے والیوں کے لئے ایک مثال بنیں۔اگر آپ خلوص اور سچائی کے ساتھ اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کرتی رہیں تو ہم اس خطہ پاک میں اسلام کے نشاۃ الثانیہ کی ضرور بنیاد رکھ سکیں گے۔''

مادرِ ملتؒ کو دین اسلام سے کس درجہ محبت و عقیدت تھی اس کا اظہار ان کی اس تقریر سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے 20 فروری 1949ء کو موتمر عالم اسلامی کے

زنانہ اجلاس میں کی تھی اس تقریر کا ایک ایک لفظ خلوص وصداقت کی روشنی سے منور ہے اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ دین اسلام کی تمام خوبصورتیوں اور باریکیوں سے آشنا تھیں۔انہوں نے فرمایا:

''اسلام ایک ایسا مذہب نہیں ہے جو محض بندے کے خدا کے ساتھ تعلق تک محدود ہو۔بلکہ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ہمارے تمام اعمال ووظائف پر محیط ہے۔ اسلام کے ظہور سے ایک نئی تہذیب جس کی بنیاد عدل، انصاف، احسان، مساوات اور اخوت پر رکھی گئی ہے پوری قوت کے ساتھ عالم وجود میں آئی۔انسانی مساوات انصاف اور اخوت کا یہ سبق محض زبانی طور پر نہیں دیا گیا بلکہ اس کو عملی جامہ بھی پہنایا گیا۔معاشی، سماجی اور سیاسی زندگی میں ہر شخص کی کامل آزادی اس کا ثبوت ہے۔ کیا امیر اور کیا غریب سب ہی روزانہ پانچ مرتبہ باجماعت نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں اور مساوات انسانی کا دنیا کے سامنے عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔تہذیب جدید جو اسلامی فقہ کی بنیاد پر وجود میں آئی اس نے دنیا کے دور ونزدیک کے ہر حصہ کو شدید طور پر متاثرہ کیا۔چونکہ اس کے مخاطب عوام الناس تھے اور اس کا پیغام عام فہم تھا اس لئے اس نے اپنا کام کر دکھایا۔اس سے مختلف خطوں میں بسنے والے مختلف رنگوں اور نسلوں کے مسلمان آج ایک دوسرے سے یوں منسلک ہیں جیسے تسبیح کے دانے۔''

13 مئی 1949ء کو پارا چنار میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے دین حق کے بارے میں یہ الفاظ کہے:

''آپ کو سب سے پہلے تعلیم کی طرف توجہ دینی چاہیئے تاکہ آپ کا شعور بیدار ہو اور ساتھ ہی اسلامی اصول اور احکامات سے اچھی طرح واقفیت ہو جائے۔یاد رکھیئے کہ اسلام کا سب سے پہلا سبق محبت واخوت ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اس برادرانہ تعلق کے فرمان نے ہماری رنگ و نسل کی تفریق کو مٹا دیا ہے اور ہم سب مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔اس

کے بعد انصاف، شجاعت اور صداقت ہے۔ جس میں ہماری قوت پنہاں ہے اور یہی ہمارے عروج وارتقا کا خزانہ ہے۔ اسلام ایک تناور درخت ہے جس کی جڑیں اقصائے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اور وہ اس قدر مضبوط و مستحکم ہیں کہ بادصرصر کے جھونکے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

23 مارچ 1949ء کو خاتون پاکستان نے ایبٹ آباد میں ایک اجتماع سے مخاطب ہو کر اسلام کے بارے میں فرمایا:

''آپ اس امر کو ہرگز فراموش نہ کریں کہ ایمان اور اسلام کی لافانی قوت نے آپ کو پاکستان دلایا ہے اب اس کی بقا بھی اسلام کے اصولوں میں مضمر ہے آپ کو اس وقت تک ہرگز چین سے نہ بیٹھنا چاہئے جب تک آپ اپنے پیارے وطن کے ہر محکمہ اور شعبہ کو خالص اسلامی اور پاکستانی نہ بنالیں۔''

3 دسمبر 1949ء کو اسلامی اقتصادی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اللہ کے دین کی طاقت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

''اسلام سے جو ہمارا مشترکہ رشتہ ہے تمام حد بندیوں کو توڑ دیتا ہے چاہے وہ جغرفیائی ہوں یا کوئی اور یہ سارے عالم کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا مذہب ہے اور یہی وہ رشتہ ہے جس نے کرۂ ارض پر بسنے والے مسلمانوں کو مراکش تا ملایا، کراچی تا قاہرہ اور انقرہ تا اراکان باہم متحد کر دیا ہے۔ آج جب پوری دنیا انتشار کا شکار ہے انسانیت کے سمندر میں متضاد نظریات کے طوفان اٹھ رہے ہیں اسلام میں وہ طاقت ہے جو انسانیت کو دائمی امن اور عافیت بخش سکتی ہے۔''

مادرِ ملتؒ نے عید میلاد النبیؐ کے موقع پر 14 جنوری 1950ء کو ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے دین اسلام سے اپنی محکم وابستگی کا ثبوت ان الفاظ میں پیش کیا:

''زندگی میں ایسے واقعات اکثر آتے ہیں جب ہم ان مکروہات دنیوی سے پرہیز

کرتے ہیں جنہوں قرآن کریم اور رسول اکرم ﷺ نے خصوصی طور پر ممنوع قرار دیا ہے لہذا میں اس مبارک موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کراؤں گی جس نے تاریخ عالم میں ایک شاندار باب کا اضافہ کر دیا ہے جس نے گذشتہ تیرہ سو برس میں ہمارے خیالات کو رفعت اور ہمارے اعمال کو پاکیزگی بخشی ہے۔رسول مقبول ﷺ نے کبھی ایسی تلقین نہیں کی جس پر انہوں نے خود عمل نہ کیا ہو۔ انہوں نے عملی دنیا سے متصادم ایسے خیالات کا پرچار کبھی نہیں کیا جنہیں وہ روزمرہ زندگی میں خود پیش نہ کر سکے ہوں۔ان کا سب سے بڑا ایثار یہ تھا کہ اپنے نصب العین کی تکمیل میں انہوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اپنی تعلیمات اور تلقینات کا ایک مکمل نمونہ تھے۔ ناقابلِ برداشت آزمائشوں کے ماحول میں بھی انہیں اپنے نصب العین سے دلی لگاؤ تھا۔انہیں اپنے خالق کی قوت وقدرت پر کامل بھروسہ تھا۔انہوں نے اس صراطِ مستقیم کو ایک لمحہ کے لئے بھی ترک نہ کیا جس کا تعین قرآن پاک نے کیا تھا۔‘‘

غرض یہ کہ مادرِ ملتؒ اس اسلامی خطۂ اسلامی پر حقیقی اسلامی اقدار کو پروان چڑھتے ہوئے دیکھنے کی متمنی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے عیدین اور دوسرے مذہبی تہواروں پر جو تقاریر کیں وہ ان کے دلی جذبات کی شاہد وغماز تھیں۔وہ چاہتی تھیں کہ قوم کی بیٹیاں اور معصوم بچیاں معمولی مولویوں سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے برعکس اپنی تعلیمی درسگاہوں ہی میں سکالرز اور روشن خیال اور صاحب بصیرت اساتذہ سے قرآن مجید پڑھیں اور دینی تعلیم حاصل کریں۔اسی لئے انہوں نے 14 نومبر 1950ء کو کراچی میں ایک گرلز سکول کی تقریب میں فرمایا:

’’مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ اب تک ہمارے سکولوں میں قرآن پاک جیسی علم و حکمت سے لبریز کتاب کو شریک درس نہیں کیا گیا۔اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلامی ملک بنائیں تو اس کے لئے سچی اسلامی تعلیمات کا

اجرا بہت ضروری ہے اور یہ ضرورت اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے تمام مدرسوں میں قرآن کی تعلیم کو باقاعدہ درسی نصاب میں شامل کر لیں تاکہ بچے اس کتاب کے علم و حکمت سے آگاہی حاصل کر سکیں اور قرآنی تعلیم پر عمل پیرا ہو سکیں۔ میری دلی تمنا ہے کہ تمام سکولوں میں قرآن حکیم کی تدریس کا فوراً بندوبست کیا جائے۔"

مادرِ ملتؒ قوم کی بچیوں کو ان بیگمات کی بے جا تقلید اور سحر سے بھی نجات دلانا چاہتی تھیں جو دو ہزار روپے کے لباس پہن کر اور دو دو سو روپے کا میک اپ کر کے میلاد پڑھتی تھیں اور اس سے فارغ ہو کر نوکروں اور در پر آئے حاجت مندوں کو سو سو صلواتیں سناتی تھیں جبکہ محترمہ فاطمہ جناحؒ کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ لہذا وہ قیمتی ملبوسات، بھاری بھر کم زیورات اور بے ہنگم میک اپ کے بغیر بھی پر وقار اور معزز اور مثالی خاتون معلوم ہوتی تھیں۔

انیسواں باب

مادرِ ملتؒ اور روزنامہ ''نوائے وقت''

قیامِ پاکستان اور پھر استحکامِ پاکستان کے سلسلے میں ''نوائے وقت'' کا کردار پاکستان کی سیاسی اور صحافتی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ملک میں جمہوریت کی ترویج و ترقی اور ہر دور کی فوجی آمریت کو للکارنے میں ''نوائے وقت'' پیش پیش رہا ہے۔ مفکرِ پاکستان حضرت علامہ محمد اقبال اور بانی پاکستان حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کے افکار و نظریات کو لباسِ عمل پہنانے میں جب بھی کسی حکومت نے کوتاہی کی تو ''نوائے وقت'' نے نظریات کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر جمہوریت دشمنوں، سیاسی اجارہ داروں اور وردی اور وردی کے بغیر بیوروکریسی پر تابڑ توڑ حملے کیے اور کامیابیاں حاصل کیں۔ علیحدگی پسندوں اور صوبہ پرستوں کی سرکوبی میں بھی ''نوائے وقت'' ہمیشہ سرگرمِ عمل رہا ہے۔

''نوائے وقت'' کے بانی جناب حمید نظامی نے ایک طالبعلم لیڈر کی حیثیت سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ وہ قائدِ اعظمؒ کے جانثار سپاہی تھے، یہی وجہ ہے کہ جب ان کی قیادت میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن منظم ہوئی تو خاص طور پر متحدہ پنجاب میں نہ صرف طلبہ بلکہ دوسرے نوجوانوں میں بھی تحریکِ پاکستان سے والہانہ وابستگی کے جذبات پیدا ہوئے۔ قائدِ ، جناب حمید نظامی اور ان کے ساتھیوں کی خدمات کے معترف تھے اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو ان کی طرف سے ہدایات ملتی رہتی تھیں۔

23 مارچ 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے زیرِ اہتمام لاہور کے منٹو پارک (اب اقبال پارک) میں منعقدہ اجلاسِ عام میں ''قراردادِ لاہور'' منظور کی گئی جو بعد ازاں ''قراردادِ پاکستان'' کہلائی۔ اسی روز یعنی 23 مارچ 1940ء کو جناب حمید نظامی کی ادارت میں ''نوائے وقت'' پندرہ روزہ کی حیثیت سے منصۂ شہود میں

آیا۔ ''نوائے وقت'' آل انڈیا مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان نہیں تھا۔لیکن قائدِ اعظمؒ کے مشن اور مسلم لیگ کے اغراض ومقاصد کا علم لے کر میدان میں اترا جس کی تحریکِ پاکستان سے وابستہ طبقوں میں بے حد پذیرائی ہوئی،تحریکِ پاکستان کے مخالفوں کو منہ توڑ جواب دینے میں ''نوائے وقت'' میں شائع ہونے والے مدلّل مضامینِ نظم ونثر یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔

جناب حمید نظامی نے ''نوائے وقت'' کا اجراء کاروباری بنیادوں پر نہیں کیا اور نہ ہی دوسرے مالی مفادات کے حصول کیلئے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کبھی بھی حکمرانوں کی خوشامد یا بے جا تعریف نہیں کی۔ ''نوائے وقت'' کی فائلیں گواہ ہیں کہ اس نے ہمیشہ ہی پیغمبر انقلاب حضرت نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پاک کو مدِنظر رکھا کہ ''بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔'' جناب حمید نظامی سے جناب مجید نظامی تک ''بہترین جہاد'' کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر دور کے ''جابر سلطان'' کے سامنے ''کلمہ حق'' کہنا ''نوائے وقت'' کا مشن رہا اور ہے اور اس کیلئے نظامی خاندان کو بے حد مالی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا،مختلف ادوار میں ''نوائے وقت'' کے سرکاری اشتہارات بند کئے گئے اور نیوز پرنٹ کا کوٹہ ختم کیا گیا لیکن اس طرح کے سرکاری حربے ناکام ہوئے۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کے دور میں جناب حمید نظامی کی بیباکانہ اور جرأت مندانہ پالیسی کی وجہ سے ''نوائے وقت'' کا ڈیکلریشن حمید نظامی صاحب کے نام سے منسوخ کرکے ایک یونینسٹ صحافی ملک مظفر احسانی مرحوم کے نام کر دیا گیا،پھر واپس ہوا۔ پھر حمید نظامی صاحب نے ''نوائے پاکستان، جہاد'' اور دوسرے ناموں سے اخبارات جاری کئے جو دولتانہ صاحب نے یکے بعد دیگرے بند کر دیئے، اس کے بعد عزیز بیگ اور دوسرے لوگوں کی مداخلت سے صلح صفائی ہوگئی اور ڈیکلریشن نظامی صاحب کو واپس مل گیا لیکن یہ نہیں ہوا کہ نظامی صاحب نے اپنی پالیسی چھوڑ

دی‘‘

7اکتوبر 1958ء میں جنرل ایوب خان نے اقتدار پر قبضہ کیا تو فوجی آمر کو للکارنے والے پہلے صحافی جناب حمید نظامی تھے اور ان کے ’’نوائے وقت‘‘ نے بے خوف ہوکر عوام کی حاکمیت اور جمہوریت کی بحالی کیلئے جرآت مندانہ تحریریں شائع کیں۔’’نوائے وقت‘‘ نے سیاستدانوں کے ’’عروق مردہ خاکی میں خون زندگی دوڑا کر‘‘ انہیں میدان میں اتارا‘ عوام بیدار ہوئے اور ان کا سیاسی شعور بھی‘ مجبور ہوکر جنرل ایوب خان کو 1962 میں مارشل لا اٹھانا پڑا۔25فروری 1962ء کو جناب حمید نظامی وفات پا گئے۔علامہ اقبال اور قائداعظمؒ کے پاکستان میں آمریت کو وہ برداشت نہیں کر سکے‘ ان پر ذہنی دباؤ تھا۔

حمید نظامی صاحب کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی جناب مجید نظامی نے ’’نوائے وقت‘‘ کی ادارت سنبھالی جو خود بھی تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن رہے ہیں۔انہوں نے اپنے بھائی کے مشن کو ایک نئے ولولے اور عزم کے ساتھ آگے بڑھایا۔خداتعالیٰ نے انہیں حمید نظامی مرحوم کے مقابلے میں حکمرانوں سے معرکہ آرائی کے زیادہ مواقع دیئے ہیں جس میں وہ کامیابی سے سرخرو ہورہے ہیں۔ جناب مجید نظامی نے نہ صرف ادارہ ’’نوائے وقت‘‘ کو وسعت دی بلکہ اس کے نظریاتی تشخص کو مستحکم کرتے ہوئے اسے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ہے۔فکر علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ و مادرِملتؒ کی حیات وخدمات کو انہوں نے نا صرف اپنے لیے بلکہ پوری قوم کے لیے مشعل راہ بنایا ہے۔1962 سے مارچ 1969 تک یعنی ایوب خان کے اقتدار سے الگ ہوجانے تک جناب مجید نظامی نے فوجی آمریت کا قلعہ پاش پاش کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان ڈائجسٹ اسلام آباد کو انٹرویو دیتے ہوئے جناب مجید نظامی بیان کرتے ہیں۔’’یہ بہت مشکل اور ابتلا کا دور تھا۔سیاسی بھی اور اقتصادی بھی‘ میں آٹھ سال تک **ملک** سے باہر رہا تھا‘ یہ

نہیں کہ معاملات سے میری واقفیت نہیں تھی لیکن عملی طور پر آؤٹ آف ٹچ تھا۔ حمید نظامی صاحب کی دوستیاں بھی تھیں اور دشمنیاں بھی، میں نے کوشش یہی کی کہ جوان کے دوست ہیں ان سے دوستی لگائی جائے اور جو مخالفین ہیں ان کے ساتھ اسی طرح کا رویہ اختیار کیا جائے۔''

فیلڈ مارشل ایوب خان سے پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے جناب مجید نظامی بتاتے ہیں۔ ''ایوب خان سے میری پہلی ملاقات کراچی میں گورنر ہاؤس یا شاید سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ہوئی۔ یہ مارشل لا کا دور تھا، وہاں انہوں نے ایڈیٹرز کو بلوایا ہوا تھا۔ ہم آٹھ دس ایڈیٹر تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے آہستہ آہستہ پنجابی میں کہتے ہیں ''سُلگنا'' شروع کیا اور کہنے لگے کہ ''آپ لوگوں کو اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیے اور آپ لوگوں کو شرم آنا چاہیے'' میں نے کہا جان کی امان ہو فیلڈ مارشل صاحب! ایک تو میں نے انہیں ٹوکا، وہ روانی میں تھے، وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ ''کہیں'' وہ صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہم کرسیوں پر جس طرح استاد کلاس لیتا ہے، اس طرح کا ماحول تھا، میں نے کہا جب میں اپنے گریبان میں منہ ڈالتا ہوں تو میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے، شرم کس بات پر آنی چاہیے؟ کہنے لگے، میرا اشارہ آپ کی طرف نہیں تھا۔'' میرے ساتھ الطاف حسین اور فخر ماتری صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے میرا کوٹ پکڑ کر مجھے بٹھانے کی کوشش کی لیکن میں نے کہا کہ فیلڈ مارشل صاحب مجھے جان کی امان دے چکے ہیں۔ میں نے فیلڈ مارشل صاحب سے کہا کہ آئندہ آپ کا اشارہ جس کی طرف ہو، آپ اس کا نام لیا کریں اور اسے کہا کریں کہ ''اسے شرم آنی چاہیے کہ اس نے یہ کہا، یہ ایوب خان سے میری پہلی ملاقات تھی۔''

فیلڈ مارشل ایوب خان کئی اخباری اداروں کو سرکاری کنٹرول میں لے چکے تھے لیکن ''نوائے وقت'' کا توڑ نہیں کیا جا سکا۔ 1963ء میں مغربی پاکستان پریس

اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس جاری کر کے اخبارات پر نئی پابندیاں لگائی گئیں اور اخبارت کے نئے ڈیکلریشنز کا اجراء مشکل ترین بنا دیا گیا' پریس ایڈوائس کا سلسلہ تیز کر دیا گیا' لیکن ''نوائے وقت'' نے سرکاری پابندیاں قبول نہیں کیں اور جمہوریت کی مکمل بحالی کا علم بلند کئے رکھا۔

قائداعظمؒ کے مشن کو لے کر جس نیک نیتی' دیانت داری اور ثابت قدمی سے روزنامہ ''نوائے وقت'' نے اپنا سفر جاری رکھا ہے اس قدر خلوص اور سچائی کا مظاہرہ قائداعظمؒ کی جماعت مسلم لیگ نے بھی نہیں کیا۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' نے پاکستان کا سیاسی میدان کبھی بھی شخصی آمروں کیلئے خالی نہیں چھوڑا۔ اس نے خاندانی سیاستدانوں اور طاقتور فوجی اور سول حاکموں کے مقابلے پر درمیانے اور نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے مخلص اور جمہوریت پسند نوجوانوں کو سیاسی میدان میں متعارف کرایا۔ اس سے یہ ہوا کہ غیر سیاسی حکمرانوں اور پرانے سیاسی گھرانوں کے مقابلے پر مڈل کلاس کے سیاستدانوں کی ایک فوج تیار ہو گئی جس نے ملکی اقتدار کو کلی طور پر بالادست طبقوں کے ہاتھوں میں جانے سے بچالیا۔ آج یہ جو بڑے بڑے سیاستدان نظر آتے ہیں انہیں یہاں تک پہنچانے میں روزنامہ ''نوائے وقت'' کا ہاتھ ہے۔

پھر روزنامہ ''نوائے وقت'' کا ایک اور بھی اصول رہا ہے کہ اس نے کبھی کسی شخص کی کردار کشی نہیں کی۔ بلکہ اس کے نظریات اور سیاست سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ جونہی کوئی شخص اقتدار کے ایوانوں سے باہر آتا تھا ''نوائے وقت'' اس پر تنقید بند کر دیتا ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ اگر کوئی شخص جمہوریت اور عوام کی حکمرانی کیلئے آواز بلند کرتا تو ''نوائے وقت'' اس کا بھرپور ساتھ دیتا۔ اس سلسلے میں ذوالفقار علی بھٹو کی مثال دی جاسکتی ہے۔ وہ جب فیلڈ مارشل ایوب خان کو چھوڑ کر عوامی قوتوں کی صفوں میں شریک ہوئے تو یہ روزنامہ ''نوائے وقت'' ہی تھا جس نے بدترین آمریت میں

بھٹو کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ البتہ ''نوائے وقت'' نے ان افراد کو کبھی قبول نہیں کیا جو ملک کی نظریاتی سرحدوں کے خلاف ہیں۔ ملک توڑنا چاہتے ہیں یا مذہب و ملت دشمن کاروائیوں میں ملوث ہیں۔

1964ء میں فیلڈ مارشل ایوب خان مشرقی اور مغربی پاکستان سے 80 ہزار ممبران بنیادی جمہوریت کا انتخاب مکمل کرا چکے تھے۔ پھر انہی 80 ہزار ممبران جمہوریت کو صدارتی انتخاب کیلئے انتخابی ادارہ بنا دیا گیا۔ اس طرح سے ایوبی آمریت نے پاکستان کے ہر عاقل اور بالغ شخص مرد اور عورت کو صدارتی انتخاب میں براہ راست ووٹ ڈالنے کیلئے نا اہل قرار دے دیا۔ انتخاب سے قبل سب سے بڑی دھاندلی یہی تھی۔ 80 ہزار ممبران بنیادی جمہوریت کو قابو میں کرنا ایوب خان اور اس کے حواریوں کیلئے آسان کام تھا۔ متحدہ اپوزیشن کے پاس اس وقت فیلڈ مارشل ایوب خان کے مقابلے میں لانے کیلئے کوئی بھی صدارتی امیدوار نہیں تھا۔ چنانچہ کونسل مسلم لیگ کے لیڈروں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ہمشیرہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کو صدارتی امیدوار نامزد کیا۔ پھر دوسری جماعتوں' عوامی لیگ' نظام اسلام پارٹی' جماعت اسلامی اور نیشنل عوامی پارٹی (ولی خان گروپ) نے بھی مادرِ ملتؒ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی اور نیشنل عوامی پارٹی کے اکابرین نے قائداعظمؒ اور تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی لیکن ایوب خان کے مقابلے میں مادرِ ملتؒ کی حمایت کر کے ان دونوں جماعتوں نے قابل تحسین کردار ادا کیا۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ کو ''مادرِ ملتؒ'' کا خطاب ''نوائے وقت'' نے ہی دیا تھا۔ مادرِ ملتؒ ایوب خان کے مقابلے میں صدارتی انتخاب کے میدان میں اتریں تو فوجی اقتدار کے قلعہ میں زلزلہ آ گیا۔ مادرِ ملتؒ کے عام جلسوں میں حاضرین کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی اور اخبارات حتیٰ کہ ٹرسٹ کے اخبارات بھی ان کی خبروں کو نمایاں طور

پر شائع کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ایوب خان بوکھلا اٹھے' چنانچہ ان کے حکم پر وزارت اطلاعات ونشریات کی طرف سے قومی اخبارات کو پریس ایڈوائس جاری کی گئی کہ ''محترمہ فاطمہ جناحؒ کے نام کے ساتھ مادرِ ملتؒ'' نہ لکھا جائے۔ ''نوائے وقت'' کے سوا تمام اخبارات نے یہ پریس ایڈوائس تسلیم کرلی۔ اور مادرِ ملتؒ کی تقریریں کو توڑ مروڑ کر شائع کرنا شروع کر دیا۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کے بانی مدیر جناب حمید نظامی پر بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ بے حد اعتماد کرتے تھے اور ان کی ہمشیرہ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ روزنامہ ''نوائے وقت'' کو نہایت موقر' وقیع اور بااعتماد قرار دیتی تھیں۔ مادرِ ملتؒ نے دسمبر 1964ء میں ایک جلسہ میں روزنامہ ''نوائے وقت'' کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا: ''سرکاری اخبارات نے میری تقریریں غلط شائع کیں اور میں نے سوالات کے جو جوابات دیئے تھے انہیں غلط اور گمراہ کن عنوان لگا کر پیش کیا۔ اخباروں میں جو کچھ چھپتا ہے' آپ اس پر اعتبار نہ کریں یہ ان کے خریدے ہوئے اخبار ہیں' یہ سب ٹرسٹ کے اخبار ہیں' پاکستان میں اُردو کا اخبار صرف ''نوائے وقت'' ہے جو ہمت کر کے سچی بات کہتا ہے۔''

مادرِ ملتؒ صدارتی انتخاب لڑنے پر آمادہ ہوئیں تو جنرل ایوب خان اور اس کے حاشیہ نشینوں کے ہاں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ان کا خیال تھا مادرِ ملتؒ نحیف وناتواں ہونے کی وجہ سے اپنی سیاسی مہم پر زور انداز میں نہیں چلا سکیں گی اس لئے بری طرح سے ہار جائیں گی۔ لیکن محترمہ فاطمہ جناحؒ کی انتخابی مہم کو روزنامہ ''نوائے وقت'' نے اس قدر موثر اور دلیرانہ انداز میں پیش کیا کہ مادرِ ملتؒ کا پیغام اور منشور ملک کے طول وعرض میں پھیل گیا۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' نہ صرف مادرِ ملتؒ کی صفات کو زیادہ سے زیادہ عوام تک پہنچا رہا تھا بلکہ اس بے بنیاد پروپیگنڈے کا بھی مدلل جواب دے رہا تھا جو حکمرانوں اور ان کے کاسہ لیسوں کی جانب سے مادرِ ملتؒ پر

لگائے جا رہے تھے۔ مشکل یہ درپیش تھی کہ ایک جانب روزنامہ ''نوائے وقت'' اکیلا تھا اور دوسری طرف پورا مقبوضہ پریس اور ذرائع ابلاغ تھے۔ تاہم ''نوائے وقت'' چونکہ حق پر تھا اس لئے عوام اس کی تحریروں کا زیادہ اثر قبول کرتے تھے۔

فوجی ڈکٹیٹر کی جانب سے مادرِ ملتؒ پر جو سب سے خطرناک حملہ کیا گیا وہ تھا اسلامی مملکت میں ایک خاتون کا سربراہ بننا۔ اس کا اثر زائل کرنے کیلئے روزنامہ ''نوائے وقت'' نے اپنے صفحات پر بے شمار علمائے کرام کے فتوے شائع کیے جنہوں نے اپنے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ عورت ملک کی سربراہ بن سکتی ہے۔ علمائے عظام کے فتوؤں کے علاوہ روزنامہ ''نوائے وقت'' نے صاحب الرائے شخصیتوں کے ادارتی صفحات پر مضامین اور خبروں کے صفحات پر بیانات بھی چھاپے جن میں عورت کی حکمرانی جائز قرار دی گئی تھی۔ غرض یہ کہ انتہائی طاقتور سرکاری پروپیگنڈا مشینری کے مقابلے میں رونامہ ''نوائے وقت'' نے اپنی خبروں' اداریوں' کالموں' مضامین اور جلسوں کی رپورٹوں جھلکیوں کے ذریعے ایوان اقتدار میں کھلبلی مچا دی۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' کے اس دور کے چند اداریوں کے اقتباسات ملاخطہ کیجئے۔

15 اکتوبر 1964ء کو ''نوائے وقت'' کا اداریہ تھا۔

'' مادرملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کے میدان انتخاب میں اترنے سے ملکی سیاست میں یک بیک ایک جاندار اور خوشگوار تبدیلی ہوئی ہے۔ انتخابی معرکہ یک طرفہ اور بے رنگ نہیں رہا۔ بلکہ اسے دو مضبوط اور تقریباً مساوی طاقت کے فریقین کے درمیان ایسی نبرد آزمائی کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے جس میں ہر فریق اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لانے پر مجبور ہو جائے گا۔ ملکی سیاست میں یہ ایک ایسی خوشگوار تبدیلی ہے جس پر ہر جمہوریت پسند شخص کو دلی اطمینان ظاہر کرنا چاہیے۔ صدر ایوب نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز پشاور سے کیا ہے۔ وہاں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے

ہوئے جہاں انہوں نے اپنی صوابدید کے مطابق ملک کے حالات اور ثقافتوں کا تجزیہ کیا ہے وہاں انہوں نے دوٹوک اور صاف الفاظ میں کہا ہے کہ عوام ہی اپنی قسمت کا آخری فیصلہ کرنے کے مجاز ومختار ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے حاکم اور مقتدر ترین فرد کی طرف سے اس حقیقت کا برملا اعتراف کہ عوام ہی اپنی قسمت کا آخری فیصلہ کرنے کے مجاز ومختار ہیں ایک ایسی بات ہے جس کا واشگاف اظہار اس سے پہلے اس طرح کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہماری اس گزارش سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ہم یہ عرض کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ سلطانی جمہور کا اس طرح علم بلند ہونے میں اپوزیشن کی اس مضبوطی کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ جو مادرِ ملتؒ کے میدان انتخاب میں اترنے سے اپوزیشن کی نصیب ہوئی ہے۔ حکومتی پارٹی نے اس مضبوطی کو اپنے لئے چیلنج سمجھ لیا ہے۔ اور اس کا اظہار ملک بھر میں ہونے لگا ہے۔ اب اپوزیشن کو بھی حسن فکر، حسن کردار اور حسن تنظیم سے واضح کر دینا چاہیے کہ وہ اس مضبوطی کی اہل اور مستحق ہے۔ اپوزیشن کی طرف سے یہ وضاحت جس قدر جاندار اور موثر ہوگی پاکستان میں سلطانی جمہور کا پرچم اسی قدر شان دلآویزی سے اور بلندی پر لہرائے گا۔"

20 اکتوبر 1964ء کا اداریہ تھا۔

"بعض حلقے اب تک اس بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے یا نہیں لیکن یہ سمجھنے کیلئے غیر معمولی تدبر و دانش کی ضرورت نہیں کہ انتخابی مہم کا نقشہ ہی یکسر نہیں بدلا بلکہ انتخابی فکر و عمل کا اسلوب و اظہار بھی سراسر بدل رہا ہے۔ انتخابی بحث میں اب شخصیتوں کی جگہ نظام نے حاصل کر لی ہے اور وہ ساعت سعید دور نظر نہیں آتی جب نظام کے ساتھ پروگرام کا مسئلہ بھی اولین اہمیت اختیار کرلے گا۔ یعنی بحث وغور کا موضوع صرف جمہوریت نہیں ہوگا بلکہ بہبودی جمہور کا بنیادی مسئلہ بھی صحیح اہمیت اختیار کرے گا۔ یہ بات کسی خوف تردید کے بغیر کہی جا سکتی

ہے کہ ہماری انتخابی سیاست میں یہ اہم تبدیلی اور روح پرور کیفیت مادرِ ملت محترمہ جناحؒ کے صدارتی امیدوار بننے کا خوشگوار ثمر اور انقلاب آفریں نتیجہ ہے۔ مادرِ ملتؒ نے اپنے دورہ مشرقی پاکستان میں ہر جگہ یہ سوال خاص طور پر پوچھنا ضروری سمجھا ہے کہ جو لوگ ان کے استقبال کے لئے دور دراز کے علاقوں سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوئے اور ان کے ارشادات سننے کیلئے جلسوں میں جوق در جوق آتے ہیں وہ کیا چاہتے ہیں۔ اخباری اطلاع کے مطابق لوگ مادرِ ملتؒ کے اس استفسار کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم جمہوریت چاہتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے بیدار مغز عوام کے اس جواب کی دلآویز صدائے

بازگشت مغربی پاکستان میں بھی سنی جانے لگی ہے۔ صدر ایوب خان بھی اپنی تقریروں میں اس قسم کے جملوں کی تکرار کرنے لگے ہیں کہ عوام کی آزادانہ خواہش کی تعمیل کی جائے گی۔ عوام ہی اصل مالک ومختار ہیں۔ ہر معاملہ کے متعلق حتمی فیصلہ کرنے کے مجاز عوام ہی ہیں۔ عوام ہی اصل اور حقیقی طاقت ہیں۔ یہ فیصلہ کرنا ملک کے عوام کا حق و اختیار ہے کہ امور مملکت کون اور کس طرح سرانجام دے۔ وغیرہ وغیرہ اگر عوام نے اس تاریخی مرحلہ پر اپنی قدر نہ پہچانی یعنی اپنی قدر افزائی سے فائدہ نہ اٹھایا اور جمہوری اصولوں سے بے بہرہ اور بہبودی جمہور کے تقاضوں سے بے نیاز لوگوں کو نمائندگی کے مناصب پر فائز کر دیا تو پھر یہ اتنا بڑا المیہ ہوگا کہ اس کے مضمرات کا خیال وتصور ہی وحشت طاری کر دیتا ہے۔''

28 اکتوبر 1964 کا اداریہ تھا۔

''عورت کی سربراہی سے متعلق مصر کے علماء کا جو فتوی درآمد کیا گیا ہے تو اب دیکھنا ہے کہ جن علمائے مصر کی زبانیں کشمیر کے متعلق گنگ رہیں اور اب تک ہیں۔ جن مفتیان قاہرہ کی آنکھوں سے بھارت میں مسلمانوں کا خون مانند آب ارزاں ہونے پر ایک آنسو تک نہ ٹپکا۔ قبروں کے جلاد وسفاک پادری صدر میکاریوس نے

ترک اقلیت پر جوظلم کیا ہے وہ اور حاکمان مصر نے جس طرح مظلوم مسلمانوں کی جگہ ظالم قبرصیوں کی ہمت افزائی کی ہے اس میں جن مفتیان الازہر نے اعلائے کلمتہ الحق کا فریضہ ادا نہیں کیا ان کے فتوے پاکستانی سیاست میں اس زندگی بخش اور انقلاب آفرین لہر کو روکنے میں کیا جادو جگاتے ہیں جو مادر ملتؒ کے میدان سیاست میں آنے پر سورج کی روشنی کی طرح ہر جنت کو منور کر گئی ہے۔ ہر جمہوریت پسند اور روشن ضمیر شخص کا دل اس بات کی گواہی دے گا کہ مادر ملتؒ کی طرف سے صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کا فیصلہ و اعلان کے فوراً بعد سر اٹھا کے نہ چلنے کی رسم قصہ ماضی بن گئی ہے۔"

یکم نومبر 1964 کا اداریہ تھا:

"حکومت آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا وعدہ کر چکی ہے اور ہر حکومت کی طرح موجودہ حکومت بھی انتخابات میں سرکاری ملازمین کو استعمال کرنیکا الزام تسلیم کرنے سے انکار کرے گی لیکن ہم حکومت وقت افسران کرام اور دوسرے سرکاری ملازمین کو یہ یاد دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ موجودہ انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناحؒ اور ایوب میں مقابلے کی وجہ سے ساری دنیا کی نگاہیں پاکستان پر لگی ہوئی ہیں۔ خود پاکستانی عوام بھی آنکھیں اور کان رکھتے ہیں وہ سب کچھ دیکھ بھی رہے ہیں اور سن بھی رہے ہیں۔ صدر ایوب اور ان کے سیاسی مبلغ موجودہ صدارتی معرکے کو بجا طور پر حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اگر خدانخواستہ انتخابات آزادانہ اور منصفانہ نہ ہوئے اور جیتنے کیلئے سرکاری مشینری کو واقعی استعمال کیا گیا تو پاکستان اور پاکستان سے باہر اس کارنامے کی کیا وقعت باقی رہ جائے گی۔ سرکاری افسر اور سرکاری ملازمین خوف، لالچ اور دباؤ کے باوجود موجودہ انتخابات میں غیر جانبداری اور ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دینے کی کوشش کریں بصورتِ دیگر وہ ملک کی ساکھ خراب کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ انہیں یہ نہیں بھولنا

چاہیے کہ ایک روز انہیں حاکموں کے حاکم کے سامنے بھی حاضر ہونا ہے۔ وہ عوام کے محاسبے سے بے شک بے نیاز رہیں لیکن روزِ حساب یاد رکھیں اور محترمہ فاطمہ جناحؒ اور صدر ایوب کی ذات ہائے گرامی سے بے پرواہ ہو کر ہر ممکن حد تک غیر جانب داری سے کام لیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پیرانہ سالی کے باوجود مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ نے فوجی آمریت کے قلعہ میں دراڑیں ڈالنے میں اہم کردار ادا کی وہاں ''نوائے وقت'' نے جناب مجید نظامی کی قیادت میں مادرِ ملتؒ کی جدوجہد کی صحیح طور پر عکاسی کر کے پاکستان کی سیاست اور صحافت میں ایک روشن مثال قائم کی علامہ اقبالؒ' قائدِ اعظمؒ اور تحریک پاکستان کے افکار و نظریات اور مقاصد کی تکمیل کے ساتھ ساتھ جمہوریت کی بحالی اور خاص طور پر مادرِ ملتؒ کی جدوجہد کے حوالے سے جمہوریت کی اعلیٰ اقدار کو فروغ دینے میں ''نوائے وقت'' کا نام ایک مینارۂ نور کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

بیسواں باب

ہم نے وطن کو کیا دیا؟

پاکستان بنا تو اس نے قیادت کے دعویداروں کے علاوہ اکثر دیگر افراد کو بھی لکھ پتی اور کروڑ پتی بنا دیا۔ انہیں اس وطن کی بدولت عزت بھی ملی اور شہرت و حکومت بھی۔ لیکن یہ سوچنے کی زحمت کسی نے گوارہ نہ کی کہ آخر انہوں نے وطن عزیز کو کیا دیا۔ بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ نے قوم کو بے مثل اور وسائل سے مالا مال ملک لے کر دیا۔ انہوں نے انگریز حاکم کے جبر اور ہندو کی دولت کو مٹی میں ملا دیا لیکن صد افسوس کہ ہم نے وطن کی قدر و قیمت نہ جانی۔ یہ درست ہے کہ قائداعظمؒ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ بہت جلد خالق حقیقی سے جا ملے لیکن وفات سے قبل انہوں نے قوم کو آگے بڑھنے کی راہ دکھا دی تھی۔ قائداعظمؒ ہم سے جدا ہوئے تو مادرِ ملتؒ نے ان کی جگہ سنبھال لی۔ انہوں نے اپنے عظیم بھائی سے سیاسی تربیت پائی تھی۔ کٹھن حالات میں بھی انہوں نے بھائی کی طرح مایوس ہونا نہ سیکھا تھا۔ وہ قدم قدم پر قوم کو خطرات سے آگاہ کرتی رہیں۔ وہ فرماتی رہیں ''ہمیں اپنے وطن پر ناز ہے لیکن ہم اجتماعی اور شعوری طور پر اس بات کا تخمینہ لگانا چاہیے کہ ہم نے اپنے ملک کی کیا خدمت کی ہے۔ ہم نے ملک کی بہتری کے لئے کیا کیا ہے۔'' انہوں نے نوجوان نسل کو پکارا اور فرمایا: ''قوم کے نوجوانو قوم کی قسمت اور ملک کی باگ ڈور اب تمہارے ہاتھوں میں ہوگی۔ یہ ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے خود کو تیار رکھو۔'' لیکن مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ انہوں نے حکمرانوں کو بروقت للکارا۔ انہیں غلطیوں اور کمزوریوں سے آگاہ کیا لیکن سب نے سنی ان سنی کردی۔ قیام پاکستان کے بعد با اثر طبقے نے متروکہ املاک ہتھیانے کو ہی زندگی کا مشن بنا لیا۔ وہ عوام جنہوں نے صرف سات سال کی مدت میں ایک نیا ملک قائم کر دکھایا تھا وہ بھی اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی اسی راہ پر چل نکلے۔ یوں سب نے

مل جل کر اغیار کا وہ کام ہلکا کر دیا جسے وہ خود کبھی انجام نہ دے سکتے تھے۔ ایک طرف مسلم لیگ کے حصے بخرے کر کے متحدہ پلیٹ فارم کے پرخچے اڑا دیئے گئے، دوسری طرف قیادت کے دعویداروں نے پاکستان کی خالق جماعت کو فرسودہ قرار دے کر یہ نعرہ لگایا کہ اب اس جماعت کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ سب نے اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ کے اصول کو اپنا لیا۔ قائداعظمؒ نے کشمیر کو پاکستان کی شہہ رگ قرار دیا تھا۔ یہ شہہ رگ اب دشمن کے شکنجے میں تھی لیکن سب نے اس طرف سے آنکھیں موند لیں۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ قوم اور قیادت کو سمجھا رہی تھیں کہ کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے۔ ہمیں کشمیری عوام کی ہر ممکن امداد کرنی چاہیئے لیکن سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ کشمیر پر توجہ کون دیتا۔ چنانچہ مادرِ ملتؒ کی کوششیں بھی بار آور ثابت نہ ہو سکیں۔ یہ مسئلہ الجھتا ہی گیا اور اس وقت کی غفلت کا خمیازہ پاکستانی قوم اور کشمیری عوام آج تک بھگت رہے ہیں۔ مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ فرماتی تھیں ”ہمیں اپنی آنکھیں پوری طرح کھلی رکھنی چاہئیں۔ ہوش و حواس قائم رکھنے چاہئیں تاکہ ہم دشمن کی چالوں کو سمجھ سکیں کیونکہ ہمارا دشمن پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کر پایا۔“ یہ کس قدر حقیقت پسندانہ تخیل تھا۔ یہ بروقت انتباہ تھا قوم کے لئے بھی اور حکمرانوں کے لئے بھی لیکن کیا کسی نے مادرِ ملتؒ کے انتباہ پر توجہ دی؟ اگر ہم اپنے گریبان میں جھانکیں تو ہمیں اس کا جواب مل جائے گا۔ افسوس کہ وطن نے تو مانگنے والوں کو سب کچھ دیا لیکن لینے والے وطن عزیز کو کچھ نہ دے سکے۔ مادرِ ملتؒ فرماتی رہیں کہ اتحاد میں طاقت ہے لیکن ہمارا اتحاد پارہ پارہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ہم قائداعظمؒ کے ملک کو صحیح سلامت نہ رکھ سکے اور جب ہماری اپنی سیاسی حماقتوں اور دشمن کی چالبازیوں سے ملک دولخت ہو گیا تو ہم نے اس عظیم شکست پر نادم ہونے کی بجائے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مشرقی پاکستان نے تو ایک دن الگ ہونا ہی تھا۔ اچھا ہوا کہ یہ بوجھ جلد سر سے اتر گیا۔ پھر قوم میں وہ طبقہ بھی پیدا ہو گیا جس نے

آدھے پاکستان میں یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا کہ ''ملک کو کچھ نہیں ہوتا''معلوم نہیں '' کچھ نہیں ہوتا'' سے ان کی مراد کیا ہے۔ ملک ٹوٹ گیا ہم اپنی نصف سے زائد سر زمین سے محروم ہو گئے۔قوم پر قیامت گزر گئی۔قائداعظمؒ اور مادرِ ملتؒ کی ارواح سوچتی ہوں گی کہ ان کے قائم کردہ مثالی ملک پر ایسا وقت بھی آنا تھا کہ اس میں رہنے والے اور اس کے وسائل کی بدولت لاکھوں کروڑوں میں کھیلنے والے احساس زیاں سے اس قدر محروم ہو جائیں گے۔بہر حال یہ سب کچھ ہوا، اس سے بھی بڑھ کر افسوسناک امر یہ ہے کہ قائداعظمؒ اور مادرِ ملتؒ کے راستے کو ہم نے فراموش کر دیا۔ یہ وطن جمہوریت کے ذریعہ قائم ہوا لیکن یہاں آمریت نے ڈیرے ڈالے رکھے۔یہ ملک لا الہ الا اللہ کے نعرے کے طفیل حاصل کیا گیا لیکن یہاں غیر اسلامی نعرے لگنے لگے۔ قائداعظمؒ نے فرمایا تھا: ''یہ ملک وسائل سے مالا مال ہے ان وسائل سے کام لینا ہمارا کام ہے۔'' لیکن حکمرانوں نے قوم کو سنانا شروع کر دیا کہ ہم تو بے وسیلہ ہیں اور یہ کہہ کر ہم نے اپنے عظیم قائد کی نفی اور دشمنوں کی تائید کر دی کیونکہ یہ نعرہ دشمن کا تھا کہ پاکستان بے وسیلہ ملک ہوگا۔اس لئے وہ چل نہیں سکے گا ۔آخر وہ کونسی بات ہے جس پر قائداعظمؒ اور مادرِ ملتؒ نے قوم کو آگاہ نہیں کر دیا تھا۔ کاش ہم تسلیم کر لیتے کہ قیام پاکستان کے بعد ہم غفلت اور مفاد پرستی کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئے۔

قصہ مختصر کہ دشمن ہماری جڑیں کاٹنے میں مصروف رہا اور ہم خاموشی کے ساتھ اپنی تباہی کا تماشا دیکھتے رہے۔محترمہ فاطمہ جناحؒ نے 1962ء میں قوم کو آگاہ کر دیا تھا کہ ''آپ نے قائداعظمؒ کی قیادت میں اپنا ملک حاصل کرنے کے لئے دل و جان سے کوشش کی تھی ایسا ملک جس میں عوام کی حکومت ہو گی لیکن حالات وواقعات نے جمہوریت کی راہ میں روڑے اٹکائے اور عوام جمہوریت کے ہی متلاشی رہے۔'' مادرِ ملتؒ کی سیاسی بصیرت دیکھیے کہ انہوں نے 1962ء کے بعد آنے والے

حالات کا کس خوبصورتی سے نقشہ کھینچا۔لیکن اس کا کیا علاج کہ کسی نے بھی حالات کو بہتر بنانے کی طرف توجہ نہ دی۔اقتدار کی جنگ جاری رہی اور قومی معاملات پس منظر میں چلے گئے۔

مادرِ ملتؒ کو نہ اقتدار کی خواہش تھی نہ کسی عہدے کی تمنا۔وہ تو اپنے عظیم بھائی کے اس مشن کو آگے بڑھانا چاہتی تھیں جو ان کی وفات کے وجہ سے جامد ہو کر رہ گیا تھا۔ جب مسلم لیگ کا طوطی پورے ہندوستان میں بول رہا تھا اور دوسری تمام مسلمان جماعتیں اس کے مقابلے میں جھاگ کی طرح بیٹھ چکی تھیں تو مادرِ ملتؒ نے اس وقت بھی مسلم لیگ میں کسی عہدے کی خواہش ظاہر نہ کی حالانکہ انہوں نے بالخصوص طبقہ نسواں کو جگانے کے لئے جو عظیم کارنامے سرانجام دیئے ان کے صلے میں وہ بڑے سے بڑے اعزاز کی جائز طور پر مستحق تھیں لیکن ان کی جدوجہد اپنی ذات کے لئے نہیں قوم اور حصول پاکستان کے لئے تھی اور جب پاکستان بن گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''یہ **ملک** میرے یا قائداعظمؒ کے لئے نہیں بلکہ پوری قوم کے لئے بنا ہے۔''اس لئے وہ جب تک زندہ رہیں اپنے عظیم بھائی کی طرح دنیاوی جاہ وجلال سے بے نیاز ہو کر وطن کی خدمت کرتی رہیں وہ چاہتی تھیں کہ قوم اپنے قائد کے ارشادات اور ان کے کردار کو ہمیشہ یاد رکھے۔ انہوں نے فرمایا: ''اگرچہ قائداعظمؒ ہم سے جدا ہو چکے ہیں لیکن ہم آج بھی ان کے غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ہم آج بھی ایسا محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا عظیم قائد کہیں آس پاس ہی موجود ہے اگرچہ وہ ہم میں موجود نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگلی اٹھا کر قوم کو ایمان۔ اتحاد۔ تنظیم اور یقین محکم کی یاد دلا رہا ہے اور ان کا یہی ارشاد ہمیں عمل پر قائل کرتا ہے۔''لیکن قیادت کے دعویداروں نے قوم کو ہمیشہ دھوکا دیا جبکہ یہ قوم ہمیشہ ہر امتحان میں پوری اتری ہے۔

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ نے 1962ء میں قائداعظمؒ کی برسی کے موقع پر

اپنے پیغام میں فرمایا: ''جمہوری معاشرے میں عوام ہی مثبت اور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔انہیں خاموش تماشائی کی طرح نہیں رہنا چاہیئے۔عوام ہی اصل حاکم ہیں''لیکن ہم مادرِملتؒ کے اس سنہری حروف میں لکھے جانے والے مشورے کونظر انداز کرکے آمریت کے دلدادہ بن گئے۔قوانین فطرت کے مطابق اس کا وہی نتیجہ نکلنا چاہیے تھا جونکلا۔راولپنڈی کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: ''میں نے ماضی میں آپ کو ہرآنے والے خطرے سے آگاہ کیا لیکن آپ خواب خرگوش میں ڈوبے رہے۔میں اپنی پوری توانائیاں صرف کررہی ہوں کہ آپ کی توجہ آپ کی ذمہ داریوں کی طرف مبذول کراؤں اورآپ کوآپ کے حقوق سے آگاہ کروں اوران ذمہ داریوں کا احساس دلاؤں جووطن کی طرف سے آپ پر عائد ہوتی ہیں۔روشنی کی شعاؤں کا انحصارآپ کی جدوجہد پر ہے۔''

اکیسواں باب

عصبیت اور استعمار کی مخالفت

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم کو اس کی بنیادیں مضبوط کرنے کی مہلت نہ ملی تاہم وہ آخری دم تک قوم کو عصبیت کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے رہے۔ دوسری طرف محترمہ فاطمہ جناحؒ جنہیں قوم مادرِ ملتؒ کا خطاب دے چکی تھی قوم کو خبردار کرتی رہیں کہ عصبیت خواہ صوبائی ہو یا مذہبی ایک ایسا اژدھا ہے جو قوموں کو نگل جایا کرتا ہے۔ حیدرآباد (سندھ) میں ایک تقریر کے دوران انہوں نے فرمایا: ''اسلام میں صوبائی تعصب کی قطعاً جگہ نہیں ہے۔ زمین یا شہر کے فرق سے مسلمانوں میں فرق پیدا کرنا اسلامی مساوات کے سراسر منافی ہے۔'' اسی طرح مادرِ ملتؒ سرمایہ داری اور استعماریت کے بھی سخت خلاف تھیں۔ وہ فرماتی تھیں۔ ''سرمایہ داری اور استعماریت کو پاکستان میں ہرگز نہیں پنپنا چاہیے کیونکہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے اور اس میں ان کی کوئی گنجائش نہیں۔'' افسوس صد افسوس کہ قائداعظمؒ اور مادرِ ملتؒ کی وفات کے بعد ان کے قائم کردہ وطن میں سب سے زیادہ فروغ انہی دونوں مصیبتوں کو حاصل ہوا۔ اور کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ ان نقصانات کا اندازہ کر سکتا جو ان دونوں برائیوں کے سبب وطن عزیز کو پہنچ چکا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو اسلام سے دلی لگاؤ تھا۔ وہ پاکستان کے عوام کو تلقین کرتی رہیں۔ کہ ''نبی کریمؐ کی حیات پاک کو مشعل راہ بناؤ کیونکہ انہی کے اصولوں پر عمل کرنے اور انہی کے نقش قدم پر چلنے میں ہماری نجات مضمر ہے۔'' قوم کو گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ وہ مادرِ ملتؒ کے اس پیغام پر کہاں تک عمل پیرا ہے۔ آج اسلام کا نقاب برائیوں کی پردہ پوشی کے لئے تو استعمال ہو رہا ہے لیکن اس عالمگیر دین کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک میں اسلام کا ہی جو حشر ہوا ہے وہ کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ قومی پریس کو آزاد، خود مختار اور بے باک دیکھنے کی متمنی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے قومی پریس کو مشورہ دیا "قلم تلوار سے زیادہ قوی ہے اور پروپیگنڈے کے جدید دور میں **ملک** اور اس کے کروڑوں عوام کی قسمتوں کو بنانے میں اس کا حصہ نہایت اہم ہے۔ اس لحاظ سے صحافت کی ذمہ داری بھی بیش از بیش ہوگئی ہے۔ **ملک** اور قوم کی خدمت کے مقصد واحد کے تحت ہمیشہ اپنی رائے کو بے باکی صداقت اور آزادی کے ساتھ پیش کیجئے۔"

بائیسواں باب

سیاسی و سماجی خدمات

مادرِملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کو بچپن سے ہی مطالعہ کا شوق تھا اور انہوں نے قائداعظمؒ کی ذاتی لائبریری سے بھرپور استفادہ کیا تھا جس میں ہر موضوع پر نایاب کتب موجود تھیں۔ چنانچہ مطالعہ کی وجہ سے ان کے دل میں بنی نوع انسان کی خدمت کا شوق پیدا ہوا۔ جب قائداعظمؒ نے ان کو ڈینٹل کالج میں داخل کروایا تو محترمہ فاطمہ جناحؒ نے یہ کام بھی عوام کی خدمت کے جذبہ کے تحت ہی سیکھا تھا۔اور جب انہوں نے اپنا کلینک قائم کیا تو عوام کی خدمت کے لئے وہ ایک اور کلینک میں بھی بلا معاوضہ وقت یاد کرتی تھیں۔ان کا نظریہ تھا کہ انسان کو ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے کیونکہ انسانیت کو اسی جذبے کے تحت فروغ دیا جاسکتا ہے۔محترمہ فاطمہ جناحؒ کی زندگی میں خدمت عوام کی خواہش نے اس وقت زور پکڑا جب وہ 1930ء میں قائداعظمؒ کے ہمراہ لندن گئیں۔ اس وقت وہاں گول میز کانفرنس ہونے والی تھی۔ یہ کانفرنس ناکام رہی اور قائداعظمؒ نے انگریزوں کی سیاست سے مایوس ہو کر لندن میں سکونت اختیار کرلی۔ وہ 1934ء تک لندن میں قیام پذیر رہے۔محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔اس عرصے میں انہوں نے یورپی معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا۔اس دور میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہندوستانی لوگ محض عیش وعشرت کیلئے یورپ جاتے ہیں لیکن محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اس خیال کو غلط ثابت کردیا۔وہ کئی سال یورپ میں قیام پذیر رہیں لیکن وہاں کی رنگین فضائیں انہیں متاثر نہ کرسکیں۔ مادرِملتؒ سوچتی رہتی تھیں کہ یہ ملک آخر اتنی ترقی کیسے کر گیا۔ یہاں کوئی بھکاری نظر نہیں آتا۔ یہاں افلاس نام کی کوئی شے نہیں۔آخر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کے عوام کو یہ سہولتیں میسر نہیں ہیں؟ اس سوچ بچار کا انہیں ایک ہی جواب ملتا کہ یہ ملک آزاد ہے اور ہندوستان غلام۔ چنانچہ اسی

دور میں انہوں نے ہندوستان کی آزادی اور عوام کی خوشحالی کی سکیمیں مرتب کرنی شروع کر دیں۔ ممتاز ہستیوں اور وفود کے ساتھ ملاقاتوں نے انہیں زندگی کے تجربے سے آگاہی حاصل کرنے میں بڑی مدد دی۔ اس طرح ان میں قائدانہ صفات جمع ہو گئیں۔ اگرچہ قائداعظمؒ عمر کے لحاظ سے ان سے سترہ سال بڑے تھے لیکن سیاست میں بہن بھائی ایک دوسرے کے ہم پلہ ہو گئے۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ سمجھ چکی تھیں کہ جب تک مسلم خواتین میدان عمل میں نہیں نکلیں گی ملت کی مشکلات کا ازالہ نہ ہو سکے گا۔ اس لئے یورپ سے واپس آتے ہی انہوں نے تعلیم نسواں کی تحریک شروع کر دی۔ یہ وہ دور تھا جب قائداعظمؒ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب کر لئے گئے تھے (1935)۔ چنانچہ جہاں قائداعظمؒ نے مسلمان مردوں میں بیداری کی روح پھونکنی شروع کی وہاں محترمہ فاطمہ جناحؒ نے خواتین کو منظم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ وہ سمجھ چکی تھیں کہ مسلم خواتین کی پسماندگی کا اصل سبب ناخواندگی ہے چنانچہ وہ خواتین کو سمجھانے لگیں کہ تعلیم یافتہ مائیں ہی ایک صحیح قوم اور دیانتدار معاشرہ قائم کر سکتی ہیں۔ انہوں نے ملک کے دورے شروع کئے۔ وہ جہاں بھی مسلمان خواتین کے اجتماع سے خطاب کرتیں انہیں سب سے پہلے حصول تعلیم کا احساس دلاتیں۔ پھر انہیں مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہونے کی تلقین کرتیں۔ رجعت پسندانہ خیالات ان کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ اس دور میں مسلمان یہ کہہ کر تعلیم نسواں کی مخالفت کیا کرتے تھے کہ ہم نے تعلیم دلوا کر لڑکیوں سے ملازمتیں نہیں کروانیں لیکن محترمہ فاطمہ جناحؒ انہیں بتاتی کہ تعلیم صرف ملازمتیں حاصل کرنے کے لئے ہی نہیں حاصل کی جاتی بلکہ اس کا اصل مقصد خاندان کی صحیح پرورش اور اسے اجتماعی قومی امور کی انجام دہی کے لئے تیار کرنا ہے۔ وہ فرماتی تھیں کہ خاندان معاشرے کا بنیادی یونٹ ہوتا ہے۔ اگر بنیادی یونٹ درست ہو گا تو دیانتدار معاشرہ خود بخود تعمیر ہوتا چلا جائے گا۔ اس لئے اس بنیادی یونٹ کا مستحکم ہونا

ضروری ہے۔ یہ استحکام اسے خواندہ خواتین ہی بخش سکتی ہیں جن کی گود میں نئی نسل پرورش پاتی ہے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ خواتین کو بتایا کرتی تھیں کہ انہیں اس بات پر فخر کرنا چاہیے کہ ہمارے پیارے نبی حضور اکرمؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی ایک خاتون (حضرت خدیجہ الکبریٰؓ) تھیں۔ ان کی روشن کی ہوئی شمع بھٹکے ہوؤں کو صراطِ مستقیم دکھانے کا ذریعہ بنی۔ وہ فرماتی تھیں کہ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں ان کی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ پھر وہ اس ضرورت کا احساس دلاتیں کہ خواتین کو یہ حقوق آگے بڑھ کر حاصل کر لینے چاہئیں۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ نے طالبات کی انجمنیں قائم کیں اور انہیں تلقین کی کہ وہ اپنے فرصت کے اوقات میں اور تعطیلات کے دوران اپنی ناخواندہ بہنوں کو تعلیم دیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر ہو۔ وہ ایسی تعلیم کے خلاف تھیں جس سے طالب علم کو معاشی رہنمائی نہ ملے۔ وہ فرماتی تھیں کہ تعلیم نسواں کے سکول گلی گلی کھولے جائیں۔ ان میں نہ صرف بچیوں کو تعلیم دی جائے بلکہ ایسے ہنر بھی سکھائے جائیں جو ان کی خاندانی آمدنی بڑھانے میں مددو معاون ہوں۔ وہ چاہتی تھیں کہ زنانہ سٹور قائم ہوں جن پر صرف خواتین ہی کام کریں۔ اس طرح قوم کی مفلسی دور کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمان تعلیم اور صنعت و حرفت سے کوسوں دور تھے۔ مسلمان کا بچہ اگر کام سیکھتا تھا تو درزی کا اور تجارت کرتا تھا تو صرف پان بیڑی کی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ قوم کے بچوں کو اس سے بہت آگے لے جانا چاہتی تھیں۔ جس کے لئے تعلیم حاصل کرنا نہایت ضروری تھا۔ ان کی اس جدوجہد کے شاندار نتائج نکلے چنانچہ پاکستان بننے کے بعد 15 جنوری 1950ء کو لیڈیز کلب حیدر آباد میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا ''جب میں حصول پاکستان کے ضمن میں ہندوستان کی مسلم خواتین کی جدوجہد کو یاد کرتی ہوں تو میرا دل فخر سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہی خواتین تھیں جنہوں نے بچوں کو تحریک پاکستان کے

لئے تیار کیا اور آج یہی بچے نوجوان بن کر ملک اور قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔''

محترمہ فاطمہ جناحؒ نے تعلیم نسواں کی تحریک قیام پاکستان کے بعد بھی جاری رکھی۔ 30 جون 1949ء کو انہوں نے مدرسہ بنات الاسلام کراچی کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''مسلمانوں میں عام طور پر سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ وہ لڑکوں کو تو تعلیم دلواتے ہیں لیکن لڑکیوں کو ناخواندہ رکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ نہایت غلط اور نقصان دہ ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم ان فرسودہ روایات کو ترک کر کے صحیح راہ اپنائیں۔ میں تعلیم نسواں سے لاپرواہی کو بہت بڑا قومی جرم سمجھتی ہوں۔ والدین کو چاہیئے کہ وہ لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو بھی تعلیم دلوائیں۔'' 12 مئی 1950ء کو نیو ٹاؤن گرلز سکول کراچی کے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے محترمہ فاطمہ جناحؒ نے فرمایا: ''اب ملک بھر میں تعلیم نسواں میں دلچسپی بڑھ رہی ہے جس سے مجھے بہت سکون ملتا ہے۔ امید ہے کہ تعلیم نسواں روز بروز ترقی کی منازل طے کرے گی۔'' 24 اگست 1947ء کو مادرِ ملّتؒ کا ایک بیان روزنامہ ''ڈان'' میں شائع ہوا جس میں انہوں نے پاکستانی خواتین کو ان کی نئی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا ''قومی خدمت کے اور بھی کئی شعبے ہیں جن میں خواتین حصہ لے سکتی ہیں مثلاً معاشرتی بہبود، طبّی امداد، بہبودی اطفال اور حفظانِ صحت وغیرہ۔ بعض لوگ ان شعبوں کو اہمیت نہیں دیتے لیکن درحقیقت یہی شعبے ہیں جن پر قوموں کا مستقبل تعمیر ہوتا ہے۔'' خاتونِ پاکستان کالج کراچی محترمہ فاطمہ جناحؒ کی ہی یادگار ہے۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ خود ایک ڈاکٹر تھیں وہ چاہتی تھیں کہ ہمارا معاشرہ بھی یورپ کے معاشرے کی طرح صحت مند ہو۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو کوششیں کیں وہ انہی کے الفاظ میں سنیئے۔ وہ فرماتی ہیں ''اکتوبر 1947ء میں جب میں لاہور آئی تو حالات کا جائزہ لے کر میں اس نتیجے پر پہنچی کہ یہاں لیڈی ڈاکٹروں

کے تربیتی ادارے کی اشد ضرورت ہے۔ میں نے زنانہ میڈیکل کالج قائم کرنے کے لئے وزیر صحت پنجاب کرامت علی سے مشورہ کیا۔ سول ہسپتالوں کے انسپکٹر جنرل کرنل ملک سے بھی صلاح مشورہ کیا۔ تجویز کیا گیا کہ بالک رام میڈیکل کالج اور اس سے ملحقہ اداروں کو بحال کر کے انہیں زنانہ کالج کا درجہ دے دیا جائے۔ ''12 دسمبر 1947ء کو لاہور میں تپدق کانفرنس منعقد ہوئی۔ اپنی افتتاحی تقریر میں محترمہ فاطمہ جناحؒ نے فرمایا کہ تپ دق کا مرض قوم کا دشمن ہے۔ اس لئے اس کے خاتمے کے لئے جنگی بنیادوں پر کارروائی کی جانی چاہیے۔ انہوں نے ڈاکٹروں سے اپیل کی کہ وہ پاکستان کو تپدق سے پاک ملک بنا دیں۔ مادرِ ملتؒ کو احساس تھا کہ اس نوزائیدہ ملک میں شفاخانوں، ڈاکٹروں اور نرسوں کے بے حد کمی ہے۔ چنانچہ 22 نومبر 1949ء کو ڈاڈر سینی ٹوریم کا معائنہ کرتے ہوئے فرمایا: ''افسوس ہے کہ سرمایہ کی کمی کی وجہ سے ڈاکٹروں کی تسلی بخش ادویات اور ضروری سامان مہیا نہیں کیا جا سکا لیکن اب چونکہ کل ہندٹی بی سینی ٹوریم سے ہمارا حصہ ملنے والا ہے اس لئے اس رقم سے ڈاکٹروں، نرسوں اور ادویات کی قلت پر قابو پایا جا سکے گا۔'' تعلیم نسواں کی طرح مادرِ ملتؒ نے خواتین کو ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کی بھی ترغیب دی۔ ان کی یہ مہم بھی کامیاب رہی۔ انہوں نے حکومت اور صاحب ثروت حضرات کو تلقین کی کہ صحت کے مسئلہ پر خصوصی توجہ دیں اور اس مقصد کے لئے سرمایہ کی کمی کو آڑ بنانے کی کوشش نہ کریں۔'' یکم مارچ 1950ء کو پنجاب ڈینٹل ہسپتال لاہور میں یوم کل پاکستان صحت دندان منایا گیا۔ اس موقع پر مادرِ ملتؒ نے فرمایا: ''یہ امر افسوسناک ہے کہ پاکستان میں صرف ایک ڈینٹل کالج ہے اور وہ بھی ابتدائی حالت میں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں ہسپتالوں اور میڈیکل کالجوں کا جال بچھا دیا جائے۔'' مادرِ ملتؒ کو اس امر کا بھی احساس تھا کہ شہروں میں تو تھوڑی بہت طبی امداد میسر آ جاتی ہے۔ لیکن دیہات میں اس کا سرے سے کوئی وجود نہیں۔ چنانچہ

انہوں نے پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے استقبالئے سے خطاب کرتے ہوئے دردمندانہ اپیل کی کہ ڈاکٹر حضرات دیہات پر خصوصی توجہ دیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ کو وسائل کی کمی کا بھی احساس تھا۔ چنانچہ انہوں نے 23 دسمبر 1949ء کو کل پاکستان ہومیو پیتھک کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طریقہ علاج پر بھی خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ وہ یونانی طریق علاج کی بھی حامی تھیں۔ چنانچہ 22 مارچ 1950ء کو کل پاکستان یونانی طبی کانفرنس کے افتتاحی خطبے میں انہوں نے فرمایا کہ آپ سائنٹفک طریقے اختیار کر کے اپنے کالج اور سکول کھولیں تاکہ نہ صرف آپ کا پیشہ باعزت قرار پائے بلکہ آپ کی خدمات سے عوام بھی استفادہ کر سکیں۔ مادرِ ملتؒ قوم کو صحت مند اور ملک کو امراض سے پاک دیکھنا چاہتی تھیں اس لئے ان کی خواہش تھی کہ ایلو پیتھک طریق علاج کے ساتھ ساتھ ہومیو پیتھک اور طب یونانی کو بھی فروغ دیا جائے۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اگرچہ انگریزی تعلیم حاصل کی تھی اور یورپ میں بھی خاصا وقت گزارا تھا لیکن وہ سچی مسلمان خاتون تھیں۔ وہ اسلام کو ہی انسانیت کی سر بلندی کا ذریعہ سمجھتی تھیں۔ تحریک پاکستان کے دوران وہ جب بھی خواتین کے کسی اجتماع سے خطاب کرتیں تو انہیں اپنی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی تلقین کرتیں۔ وہ طالبات اور دیگر خواتین سے فرماتیں کہ اگر تم نے اسلامی روایات ترک کر دیں تو تم زندگی کا مقصد کبھی حاصل نہ کر سکو گی۔ 28 مارچ 1948ء کو انہوں نے ڈھاکہ ریڈیو سے قوم کو تلقین کی کہ اب چونکہ وہ آزادی کی نعمت سے مالا مال ہو چکی ہے اس لئے اسے اپنی اسلامی تہذیب، ادب اور آرٹ کا احیا کرنا چاہیئے۔ ان میدانوں میں دنیا کی کوئی دوسری قوم ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد 27 ستمبر کو انہوں نے اپنے ریڈیائی پیغام میں کہا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ پاکستان کو ایک ایسا ملک بنائیں گے جو اسلام کی تاریخی عظمت کے

شایانِ شان ہو گا۔ نومبر 1948ء کو انہوں نے نوجوانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''ہمیں اپنے معاشرے کو اسلامی اصولوں پر منظم کرنا اور اپنی مملکت کو قائداعظمؒ کی خواہش کے مطابق ایک زبردست قوت بنانا ہے۔ ہم نے پاکستان کی بالعموم اور دنیائے اسلام کی بالخصوص خدمت کرنی ہے۔'' 30 جنوری 1949ء کو مدرسہ بنات الاسلام کراچی میں محفلِ میلاد منعقد ہوئی۔ اس موقع پر مادرِ ملتؒ نے فرمایا: ''مجھے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی ہے کہ آپ دنیاوی علم کے ساتھ ساتھ مذہب کا دامن بھی مضبوطی سے پکڑنا چاہتی ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری بچیاں یہاں سے صحیح اسلامی شعار کا نمونہ بن کر نکلیں اور اپنے اور اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے صحیح راستہ قائم کر جائیں۔ اگر آپ خلوص کے ساتھ اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھ سکیں گے۔ عربوں کے سینے پر اسرائیل کا ناسور ابھرا تو مادرِ ملتؒ تڑپ اٹھیں۔ 25 فروری 1949ء کو جہانگیر پارک کراچی میں یوم فلسطین کے موقع پر جلسہ عام ہوا۔ مادرِ ملتؒ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''عالم اسلام نے فلسطین کے معاملے سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ موجودہ صورتحال کی ذمہ داری اس سرزمین کے باشندوں پر نہیں بلکہ ان بیرونی طاقتوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے دوسروں کو بھینٹ چڑھا کر اپنی مشکلات گھٹانے کی کوشش کی ہے۔ عالم عرب کو آج پہلے سے زیادہ امداد کی ضرورت ہے۔ انفرادی نفع و نقصان کا خیال کئے بغیر ایک متحدہ محاذ کے قیام کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سے انحراف تباہ کن ہو گا۔'' 3 دسمبر 1949ء کو اسلامی اقتصادی کانفرنس کے موقع پر اپنے ان خیالات کا پھر اعادہ کیا فرمایا ''دنیا بھر کے مسلمانو متحد ہو جاؤ۔ اسلام زندہ باد۔'' افسوس کہ دنیائے اسلام نے مادرِ ملتؒ کے مخلصانہ مشوروں کی قدر نہ کی۔

مادرِ ملتؒ کو صرف پاکستان سے ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام سے محبت

تھی۔ 1949ء میں انڈونیشیا آزاد ہوا تو مادرِ ملّتؒ نے دلی مسرت کا اظہار کیا۔ 27 دسمبر 1949ء کو کراچی میں جلسہ عام ہوا جس کی صدارت مادرِ ملّتؒ نے کی۔ انہوں نے آزادی کے لئے انڈونیشی عوام کی قربانیوں کو سراہا اور حصول آزادی پر اہل پاکستان کی طرف سے مبارکباد پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اور انڈونیشیا دونوں اسلامی ملک ہیں، دونوں کے درمیان اسلامی اخوت کے رشتے استوار ہونے چاہئیں۔ مادرِ ملّتؒ کو اسلام سے کس قدر محبت تھی اس کے اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ عید میلاد النبیؐ کے مبارک موقع پر وہ میلاد کی محفلوں میں شریک ہوتیں اور مسلمانوں کو حضور اکرمؐ کے اسوہ پاک پر چلنے کی تلقین فرماتیں۔ 15 جنوری 1950ء کو حیدرآباد میں محفل میلاد ہوئی۔ مادرِ ملّتؒ نے فرمایا کہ سیرت پاکؐ کی پیروی کر کے ہی ہم عظمت گم گشتہ حاصل کر سکتے ہیں۔ 14 نومبر 1950ء کو کراچی کے ایک گرلز ہائی سکول کے جلسہ میں فرمایا ''مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے سکولوں میں اب تک قرآن پاک جیسی علم و حکمت کی روشن کتاب کو نصاب میں شامل کرنے کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی۔ اگر ملک کے ارباب اختیار پاکستان کو واقعی صحیح اسلامی مملکت بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے سچی اسلامی تعلیمات کا اجراء نہایت ضروری ہے اور یہ ضرورت اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ ہم سکولوں کے نصاب میں قرآن حکیم کو شامل کریں تاکہ بچے اس کتاب مقدس کے مفہوم سے آگاہ ہو سکیں۔ میری دلی تمنا ہے کہ تمام سکولوں میں قرآن حکیم کی تعلیم کا اہتمام فی الفور ہو جائے۔''

تیئسواں باب

قوم کی رہنمائی

قیام پاکستان کے بعد مادرِ ملتؒ نے انتہائی کٹھن اور نامساعد حالات میں بھی قوم کی رہنمائی میں کوتاہی نہیں کی۔ انہیں نہ اقتدار کی خواہش تھی اور نہ مملکت سے ان کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ تھا اسلئے وہ حکمرانوں پر کھل کر تنقید کرتی تھیں۔ انہوں نے اپنے اس مشن میں کبھی مصلحتوں کو آڑے نہیں آنے دیا۔ ان کی خواہش تھی کہ اس مشن کو مکمل کیا جائے جو قائد اعظمؒ کی وفات کے باعث ادھورا رہ گیا تھا۔ انہوں نے مہاجرین کی بحالی اور آبادکاری کے لئے حکومت کو سختی سے توجہ دلائی۔ مسئلہ کشمیر پر وہ بار بار قوم اور حکمرانوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتی رہیں۔ انہوں نے آئین کی تیاری میں تاخیر کا سختی سے نوٹس لیا۔ اگرچہ وہ عملی سیاست سے دور رہنا چاہتی تھیں لیکن حکومتی اور قومی معاملات پر ان کی گہری نظر تھی اور جب اس جمہوری ملک پر ایوب خان جیسے آمر نے قبضہ جمالیا تو وہ آمر کے ہاتھوں جمہوریت کی تباہی کو برداشت نہ کرسکیں اور متحدہ اپوزیشن کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ایوب خان کے اقتدار کی چولیں ہلادیں اگرچہ وہ دھاندلی کے سبب صدارتی انتخاب جیت تو نہ سکیں لیکن انہوں نے مایوس قوم کے دل سے مارشل لا کا خود دور کردیا اور پھر عوام نے ایسی زوردار تحریک چلائی کہ ایوب خان کو حکومت چھوڑتے ہی بن پڑی۔

محترمہ فاطمہ جناحؒ نے سیاست کا آغاز اس وقت کیا تھا جب ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی نے جکڑ رکھا تھا۔ جمہوری سیاست شجر ممنوعہ تھی ایک طرف انگریز کے جبر نے عوام کی زبانوں پر تالے ڈال رکھے تھے دوسری طرف ہندو کی سازشیں تھیں اور اس کا سرمایہ مسلم کشی پر بے دردی سے خرچ ہو رہا تھا۔ انگریز حکمران ہندوستان جیسی سونے کی چڑیا کو جسے اس نے اپنے مفادات کے پنجرے میں گرفتار کر رکھا تھا۔ آزاد کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا جس نے آزادی کا نام لیا اسے یا تو دریائے شور

(کالا پانی) کی سزا ملی یا اسے سیاسی آزادی کی بجائے قید حیات سے ہی آزاد کر دیا گیا، مسلمان پر انگریز حاکموں کی خصوصی ''نظر کرم'' تھی کیونکہ ہندوستان کا اقتدار انہوں نے اسی قوم سے چھینا تھا۔ مسلمانوں کو ہر لحاظ سے تباہ کرنے کے لئے انگریزوں نے ہندو اکثریت سے سمجھوتہ کر لیا اور دنوں نے مل کر دین خداوندی کے حامیوں کو اقتصادی سیاسی اور معاشی طور پر تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انگریز اور ہندو تو مسلمانوں کے دشمن تھے ہی کچھ اپنوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹانے میں کوئی ندامت محسوس نہ کی۔ انگریزوں کے یہ کاسہ لیس جاگیروں اور دیگر مراعات کے بدلے قومی مفادات کو پاؤں تلے روندتے رہے۔ اس وقت کوئی ایسی منظم جماعتیں نہ تھیں جو ان مظلوم مسلمانوں کی پرسانِ حال بنتیں جو چھوٹی موٹی مسلم جماعتیں تھیں ان کی ہمدردیاں بھی ہندو کانگریس کے ساتھ تھیں۔ امام الہند کہلانے والے مولانا ابو الکلام آزاد جیسے جید علما جن کی ذات سے قوم کی بڑی امیدیں وابستہ تھیں گاندھی کے ہاتھ پر ''بیعت'' کر چکے تھے۔ اگرچہ کانگریس نے اپنے حامی ان مسلمانوں پر کبھی اعتبار نہ کیا لیکن یہ حضرات آخری سانس تک ہندو کانگریس سے اظہار وفاداری کرتے رہے۔ ان کے اسی رویہ سے تنگ آ کر قائداعظمؒ نے مولانا آزاد کو اس وقت ''شو بوائے'' کا نام دیا تھا جب انگریزوں کو ورغلانے کیلئے کانگریس نے انہیں اپنا صدر بنا لیا تھا۔ 46-1945ء میں جب ہندوستانی سیاستدانوں سے ان کی ملاقاتیں ہونے لگیں تو مولانا آزاد کو بھی صدر کانگریس کی حیثیت سے بلایا گیا لیکن کانگریس کی ہندو قیادت کو زندگی بھر کی وفاداری کے باوجود مولانا آزاد پر بھروسہ نہ تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ مولانا آزاد مذاکرات کے دوران مسلمانوں کے حق میں کوئی کلمہ خیر نہ کہہ بیٹھیں چنانچہ مذاکرات کے وقت ان کے ساتھ ایک ہندو کو نتھی کر دیا گیا تاکہ وہ مولانا کو گاندھی پرستی سے بھٹکنے نہ دے۔ قائداعظمؒ نے انہیں ''شو بوائے'' کا خطاب اسی موقع پر دیا تھا اور کہا تھا کہ بظاہر ایک مسلمان کو ہندو کانگریس

کا صدر بنا کر اسے تمام قوموں کی نمائندہ جماعت نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ قائداعظمؒ ہندوستانی مسلمانوں کو محض اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم منوانے پر تلے ہوئے تھے اور گاندھی کو ضد تھی کہ وہ مسلمانوں کو اقلیت تو مانتا ہے لیکن وہ انہیں علیحدہ قوم تسلیم نہیں کر سکتا اور جب تک 1946ء کے انتخابات میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ملک بھر میں قریباً تمام مسلم نشستیں جیت کر یہ ثابت نہ کر دیا کہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کانگریس نہیں بلکہ مسلم لیگ ہے اس وقت تک کانگریس راہ راست پر نہ آئی۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ 1946ء کے انتخابات کے بعد کانگریس کے پاس تو مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا لیکن جو مٹھی بھر مسلمان اپنے مفادات کی خاطر کانگرس سے چمٹے ہوئے تھے وہ قوم کے اس فیصلے کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے ان کی ارواح کو شاید اس وقت پشیمانی ہوئی ہو جب غنڈوں نے انہیں بھی مسلمان ہونے کے ''جرم'' میں قتل کیا اور ان کا کانگرسی اور قوم پرست کہلانا زندگی بچانے کے کام نہ آیا۔ بہر حال اس تاریک دور میں قائداعظمؒ کی شخصیت تھی جسے مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی خاطر چومکھی لڑائی لڑنی پڑی۔ یہ سارے کھیل محترمہ فاطمہ جناحؒ نے بھی اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے دیکھے۔ جس طرح نحیف و لاغر بھائی نے مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر کئی محاذ سنبھال رکھے تھے اسی طرح مادرِ ملتؒ نے بھی فرائض کی ادائیگی میں ادنیٰ سی کوتاہی سرزد نہ ہونے دی۔ ایک طرف وہ بھائی کی صحت کا خیال رکھتیں جو کثرت کار کے سبب گرتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف وہ خواتین کو بیدار رکھتیں تاکہ تحریک آزادی کا یہ محاذ بھی کمزور نہ رہ جائے۔ انہوں نے یہ خدمت تحریک پاکستان کے دوران ہی انجام نہیں دی بلکہ قیام پاکستان کے بعد بالخصوص قائداعظمؒ کی وفات کے بعد بھی جاری رکھی۔ قیام پاکستان کے بعد اگرچہ بظاہر حالات بدل چکے تھے۔ انگریز اور ہندو کی پیدا کردہ رکاوٹیں دور ہو چکی تھیں لیکن تعمیر پاکستان میں حصہ لینے کی بجائے

اس وقت کی قیادت جو کچھ کر رہی تھی وہ انگریزوں اور ہندوؤں کی سازشوں سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ قائداعظمؒ نے بکھری ہوئی اور مایوس قوم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا تھا لیکن اس قیادت نے قوم کو پھر بکھیر ڈالا۔ صحیح اور مخلص قیادت وہ ہوتی ہے جو قوم کے بارے میں صرف آج کی نہیں بلکہ آنے والے کل کی بات بھی سوچے اور قوم کو آنے والے خطرات سے قبل از وقت آگاہ کرتی رہے۔ قائداعظمؒ کی اسی دور رس سوچ کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور مادرِ ملتؒ بھی اسی سوچ کے ذریعہ قوم کو قدم قدم پر پیش آنے والی مشکلات سے قبل از وقت آگاہ کرتی رہیں۔ تحریک پاکستان میں اگر ان کا کردار اپنے عظیم بھائی کا عکسِ جمیل ہے تو قیام پاکستان کے بعد بھی ضعیف العمری ان کی قومی جدوجہد کا راستہ نہ روک سکی۔ بلکہ اس دور میں انہوں نے اپنی قومی ذمہ داریوں کو ایک پاکستانی کے جذبے سے بھی بڑھ کر شاندار طریقہ سے نبھایا۔ تحریک پاکستان کے دوران بھائی کو بہن اور بہن کو بھائی کا سہارا تھا۔ لیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد بہن کا یہ سہارا چھن گیا۔ اب انہوں نے سیاست کا پرخار راستہ اکیلے ہی طے کرنا تھا۔ انہوں نے ہمت نہ ہاری اور اس مشن کو جاری رکھا جو قائداعظمؒ کی وفات کے سبب ادھورا رہ گیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد کی جدوجہد میں قوم ان کا وہ کارنامہ کبھی فراموش نہ کر سکے گی جب انہوں نے ایوب خان کی آمریت سے ٹکر لی۔ وہ کب گوارا کر سکتی تھیں کہ اس ملک پر جسے ان کے عظیم بھائی نے جمہوری اور آئینی جدوجہد سے قائم کیا تھا کوئی آمر قابض ہو کر بیٹھ جائے اگرچہ وہ اپنی اسی جدوجہد کے ثمرات اپنی زندگی میں نہ دیکھ سکیں لیکن انہوں نے قوم کو ایسی راہ پر ڈال دیا جس نے مشکلات کے باوجود ہر آمریت کا بہادری اور جرأت سے مقابلہ کیا۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا کہ آج اہل پاکستان اگر جمہوریت کے داعی ہیں تو یہ مادرِ ملتؒ کی ہی عملی تربیت کا نتیجہ ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران اور ان کے بعد مادرِ ملتؒ نے اپنی تقاریر میں جس طرح قوم کو سیدھی راہ دکھائی اگرچہ

اس پر طویل مدت گزر چکی ہے لیکن ان کے خیالات آج بھی قوم کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ان کی تقریروں کے مندرجہ ذیل اقتباسات کا مطالعہ کر کے آپ یقیناً راقم الحروف کی رائے سے متفق ہو جائیں گے:

مسلمان ایک قوم ہیں

''دس کروڑ مسلمان ایک قوم ہیں جن کی تہذیب ہے، زبان ہے، روایات ہیں، تاریخ ہے اور اپنا سماجی نظام ہے۔ وہ کبھی کسی دوسری قوم کی غلامی قبول نہیں کر سکتے نہ ہی وہ دوسروں کو اپنے اوپر حکومت کرنے دیں گے۔ ایسا کرنا ایک ناممکن بات ہے۔''

(مسلم ویمن سٹوڈنٹس فیڈریشن دہلی کے سالانہ اجلاس سے خطاب اپریل 1943ء)

چار سیاسی فریق

''جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ملک میں چار بڑی سیاسی قوتیں ہیں۔ برطانوی حکومت، کانگرس، روسا اور مسلم لیگ گزشتہ تین سال تک مسلمان بحیثیت ایک قوم عملاً مردہ تھے اور اس کے باوصف کہ ہم سب کے سب اس بات کو محسوس کر چکے تھے کہ ہم روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں پھر بھی کسی شخص نے ہمارے عوام کی اجتماعیت اور اتحاد و استحکام کی طرف توجہ نہ دی۔ ہم مسلم لیگ کے ممنون ہیں کہ اس کی بدولت اس مشکل پر قابو پا لیا گیا ہے۔ ہمارے حریف بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ہم ایک عظیم سیاسی قوت ہیں۔ مسلم لیگ کا مقصد مسلمانوں کی سیاسی آزادی ہے اس کے برعکس کا مطمح نظر مسلمانوں اور دوسرے فرقوں پر غلبہ و اقتدار حاصل کرنا ہے لیکن مسلمان اب ان کی چالوں سے واقف ہو چکے ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں۔''

(مسلم لیگ وومن سب کمیٹی دہلی کے جلسے سے خطاب 1943ء)

تعمیر وطن کی ضرورت

''اب کہ ہم نے پاکستان حاصل کرلیا ہے یہ ہمارا فرض ہے کہ مقدور بھر کوشش کریں کہ ہماری یہ نئی مملکت اپنے پاؤں پر مضبوطی سے کھڑی ہو جائے۔ ہم مسلمانوں کو ازکارِ رفتہ نسل قرار دیدیا گیا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد یہ فریب ٹوٹ چکا ہے۔''

(لیڈی میکلیگن کالج میں تقریر۔11 نومبر 1947ء)

تاریخ کا نیا باب

''ہم اپنی مملکت کی تاریخ کے ایک اہم دور سے گزر رہے ہیں ہم نے ایک آزاد اور خود مختار مملکت قائم کر کے تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کیا ہے۔اس مملکت کی بقاو تحفظ میں ہم ہرگز کوتاہی نہیں کریں گے۔ پاکستان کے استحکام کو دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہیں کرسکتی۔اپنی قوم کے لئے میرا یہ پیغام ہے کہ وہ اپنے **ملک** کی بے لوث خدمت کرے اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں **ملک** کو مستحکم اور طاقتور بنانے میں صرف کردے۔''

(لاہور ریڈیو سے نشری تقریر۔25 نومبر 1947ء)

پارٹی بازی وقت کا ضیاع ہے

''میں انتباہ کے طور پر آپ سے چند باتیں کہنا چاہتی ہوں۔ نئے نعروں اور ایسے لیڈروں کی باتوں سے بہک نہ جایئے جن کا ماضی مشتبہ رہا ہے اپنے وقت اور توانائی کو پارٹی بازی میں ضائع نہ کیجئے۔ مسلم لیگ کو اس کے اندر رہ کر تقویت بخشئے یہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے آپ اتحاد تنظیم اور یقین محکم کے ذریعہ حاصل نہ کرسکیں۔ ہماری قوم اور **ملک** کی ساری ترقی انہی اصولوں پر منحصر ہے۔''

(ڈھاکہ میں خواتین مسلم لیگ سے خطاب۔22 مارچ 1948ء)

خرابیوں کو اکھاڑ پھینکئے

”ایک اور بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں یہ ہے کہ مشرقی بنگال بالخصوص چھوٹے اضلاع اور دیہات میں غیر اسلامی معاشرتی طریقے ہماری سوسائٹی میں داخل ہو چکے ہیں ان خرابیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکئے اور اسلامی تہذیب و معاشرت اور اپنے ادب اور آرٹ کا احیا کیجئے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

(ڈھاکہ ریڈیو اسٹیشن سے خطاب۔28 مارچ 1948ء)

عوام اور جمہوریت

”مجھے اس بات کی بڑی آرزو ہے کہ ہمارے آج کے نوجوان اپنے آپ کو اس طرح ڈھالیں کہ وہ مملکت کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کر سکیں میں نے آپ کی اس منشا کو بھی نوٹ کیا ہے کہ پاکستان کی بنیاد جمہوریت کے اصولوں پر ہونی چاہئیے اس لفظ کو بہت کم لوگ صحیح معنوں میں سمجھتے ہیں۔ جمہوریت عوام میں دینی، تہذیبی، اقتصادی اور جسمانی یکسانیت کا مطالبہ کرتی ہے جہاں عوام کی حکومت، عوام سے حکومت اور عوام کے لئے حکومت کا مطالبہ کیا جائے جس میں مساوات اور عدل و انصاف کی بنیاد پر ہر شخص کو ترقی کے یکساں مواقع مل سکتے ہوں۔ جہاں ایک شخص اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے دوسرے کو اپنی اغراض کا شکار نہیں بنا سکتا۔ اصلی جمہوریت کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوام اپنے آپ کو اس طرح تیار کر لیں کہ وہ صرف ایسے اشخاص کو منتخب کر سکیں جنہوں نے عوام کی سچی خدمت کی ہو۔“

(آل پاکستان مسلم یوتھ کنونشن منعقدہ کراچی سے خطاب۔نومبر 1948ء)

کشمیر -----زندگی اور روح

''اس وقت پاکستان کو مختلف اہم مسائل کا سامنا ہے اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ان میں مسئلہ کشمیر سب سے زیادہ اہم ہے۔ مدافعتی نقطۂ نگاہ سے کشمیر پاکستان کی زندگی اور روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقتصادی لحاظ سے کشمیر ہماری مرفع الحالی کا منبع ہے۔ پاکستان کے بڑے دریا اسی ریاست کی حدود سے گزر کر پاکستان میں داخل ہوتے اور ہماری خوشحالی میں مدد دیتے ہیں اس کے بغیر پاکستان کی مرفع الحالی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اگر خدا نہ کرے ہم کشمیر سے محروم ہو جائیں تو قدرت کی عطا کردہ نعمت عظمیٰ کا بڑا حصہ ہم سے چھن جائے گا۔ کشمیر ہماری مدافعت کا کلیدی نقطۂ ہے۔ اگر دشمن کو کشمیر کی خوبصورت وادی اور پہاڑیوں میں مورچہ بندی کا موقع مل جائے تو پھر یہ اٹل امر ہے کہ وہ ہمارے معاملات میں مداخلت اور اپنی مرضی چلانے کی کوشش کرے گا۔ پس اپنے آپ کو مضبوط اور حقیقتاً طاقتور قوم بنانے کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ پاکستان کو دشمن کی ایسی سرگرمیوں کی زد میں نہ آنے دیا جائے۔ اس لحاظ سے کشمیر کی مدد ہمارا اولین فرض ہو جاتا ہے۔''

(انجمن تاجران کراچی سے خطاب - دسمبر 1948ء)

آئین کی ضرورت

''ہم ایک آزاد اور مقتدر قوم ہیں لیکن ہماری حکومت اب تک 1935ء کے قانون کے تحت چلائی جا رہی ہے اگر چہ اس قانون میں کچھ ترامیم و تصرف سے کام لیا گیا ہے اور اسے عارضی طور پر اختیار کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ قانون بالکل فرسودہ اور ناکارہ ہے۔ مجلس دستور ساز کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ پر پوری توجہ دے اور ایسا جدید آئین مدون کرے جو ہماری آزاد اور مقتدر مملکت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔''

(لاہور میں یوم اقبالؒ پر صدارتی تقریر۔ 21 اپریل 1949ء)

پرعزم رہنے کی تلقین

''کشمیر کے سرفروش بہادرو! تمہاری قوت ایمانی نے دنیا کو حیران کر رکھا ہے۔ تمہارے نعرہ ہائے تکبیر نے دلوں کو ہلا دیا ہے۔ آج ساری دنیا کی نگاہیں تم پر لگی ہیں۔ تمہیں اپنے ایمان اور روحانی قوت کا واسطہ اپنے عزائم کو بلند سے بلند کرتے جاؤ۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش نہ ہونے والی یہ قوت تم کو تمہارا حق دلا کر رہے گی کشمیر ہمارا ہے اور قدرت نے اسے ہر طرح سے پاکستان کا جزو بنایا ہے۔ یہ پاکستان کا ہو کر رہے گا۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص اپنے احساس ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرے۔''

(مظفر آباد میں خطاب۔ 9 مئی 1949ء)

صلاحیتوں کا امتحان

''تم نے ایک قوم کی حیثیت سے دنیا کو یہ دکھانا ہے کہ تم میں اپنے بے بہا گوہر آزادی کی بقا اور حفاظت کی صلاحیت موجود ہے مجھے امید ہے کہ آپ اپنا فرض ادا کریں گے۔ یاد رکھیئے کہ اسلام ہر شخص سے ملت کے مفاد اور ادائیگی فرض کی خواہش رکھتا ہے میں دیکھتی ہوں کہ ہماری معاشرت اصلاح طلب ہے اور فوری توجہ کی محتاج ہے۔ ہماری تہذیب وتمدن کو اب کروٹ بدلنی ہو گی ورنہ دست و بازو شل ہو جائیں گے۔''

(ایبٹ آباد میں اجتماع سے خطاب۔ 23 مئی 1949ء)

سب پاکستانی ہیں

''میں بصد اصرار اہالیان مملکت کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ دنیا بھر کے آلام و مصائب اٹھا کر پاکستان آنے والا کوئی مہاجر نہیں ہے۔ حصول پاکستان سے قائداعظم کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی کوئی ایسی جائے پناہ ہو جہاں وہ اطمینان سے

عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور کوئی ایسی جگہ ہو جسے وہ اپنا گھر سمجھ سکیں۔ مسلمانوں کی یہ آماجگاہ پاکستان ہے۔ ہر وہ شخص جو رہنے کے لئے یہاں آئے وہ پاکستانی ہو جاتا ہے۔ آج کے بعد مہاجر و انصار کے الفاظ ختم کر دینے چاہئیں۔''

(شب برات کو مزار قائد پر یوم شہداء کے جلسہ سے خطاب۔12 جون 1949ء)

اسلامی تعلیمات پر عمل کی تلقین

''اس وقت دنیا عجیب دور سے گزر رہی ہے اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کشمکش کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ جو ساری دنیا کے لئے دردسر بنا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بنی نوع انسان میں کس طرح یگانگت اور مساوات قائم کی جائے کیونکہ نصب العین کے اختلاف نے مختلف طبقوں میں بھاری اختلافات پیدا کر دیئے ہیں۔ زندگی کے مادی مفادات اس بری طرح حاوی ہو گئے ہیں کہ اخلاقی قدریں بالکل ختم ہو گئی ہیں۔ ملوکیت واشتراکیت کے چنگل ہر طرف کھلم کھلا بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ دنیا کے اس سب سے بڑے طوفان سے بچ نکلنا اب بھی ممکن ہے بشرطیکہ سب لوگ اسوۂ رسولؐ کی پیروی کا سچے دل سے تہیہ کر لیں۔ اسلام دنیا بھر کے لئے ایک بلند مطمح نظر پیش کرتا ہے جس سے بلاشبہ ہر مرض کا علاج کیا جا سکتا ہے۔''

(عید میلاد النبیؐ کی ایک تقریب سے خطاب۔14 جنوری 1950ء)

ضمیر کے خلاف ووٹ نہ دیں

''پاکستان میں جمہوری نظام رائج کیا جانا تھا اور جمہوری دستور کے بنیادی تقاضے یہ ہوا کرتے ہیں کہ عوام کو آزاد انتخاب کا حق دیا جائے اہل پنجاب کے لئے میرا یہ پیغام ہے کہ وہ بلا خوف و خطر صحیح نمائندوں کو ووٹ دیں۔ انہیں دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی دلفریب وعدوں سے متاثر ہونا چاہیے ووٹ ایک مقدس امانت ہے۔ یہ متاع خرید و فروخت نہیں۔ یاد رکھیئے کہ اگر آپ نے اپنے

ضمیر کے خلاف ووٹ دیا تو یہ قوم سے غداری ہوگی۔''

(پنجاب کے عوام کو پیغام ۔6 مارچ 1951ء)

پاکستان کی بنیاد اور صحیح جمہوریت

''آج ہمارے عوام کا یہی مطالبہ ہے کہ پاکستان کی بنیاد صحیح جمہوریت کے اصولوں پر رکھی جائے جس سے مساوات اور عدل و انصاف کی بنیاد پر انسان کو ترقی کے یکساں مواقع مل سکیں اور جہاں کوئی شخص اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دوسرے اشخاص کو اپنی اغراض کا شکار نہ بنا سکے۔ ہمارا نیا آئین ہنوز زیر ترتیب ہے اور تین طویل سال گزر جانے کے باوجود اب بھی اس کی جلد تکمیل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میرے حالیہ دورہ لاہور کے دوران کئی موقع پر مجھے دستور کی تدوین میں تاخیر کی طرف متوجہ کیا گیا۔ اس غیر معمولی تاخیر کو سمجھنے سے میں خود قاصر ہوں۔ کسی قوم کی آزادی کی بنیاد اس کے دستور پر ہی ہوتی ہے اور وہ ترقی کے مدارج طے نہیں کرسکتی جب تک کہ اس کے دستور کا نفاذ نہ ہو جائے اس لئے اس اہم قومی ضرورت کی تکمیل کی طرف فوری توجہ دی جائے۔''

(زمیندار کالج گجرات میں خطاب ۔28 اپریل 1951ء)

قومی وقار کو ٹھیس نہ لگنے دیں

''پاکستان کی آزادی اور بقا کے نعرے لگانے والو! اپنی مملکت کی اس عظمت کو قائم رکھو جس کی خاطر تم نے دنیا سے اپنے حقوق منوائے۔ اپنے ملک کی بقا کے لئے اندرونی اور بیرونی کسی ایسے اثر کو قبول نہ کرنا جس سے تمہارے قومی وقار کو ٹھیس پہنچے قوم کی قسمت کی امید تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانو اور اپنی بے پناہ قوت سے پاکستان کو ہر تباہی سے محفوظ رکھو۔ دنیا تمہیں آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتی ہے۔ اسے تمہاری طاقت کا امتحان مقصود ہے ایسا نہ ہو کہ تمہارے عزائم کو ٹھیس لگ جائے۔''

(قوم سے نشری خطاب۔25 ستمبر 1951ء)

وعدے بھلا دیئے گئے

''ہماری موجودہ مشکلات کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے وعدے اور عہد بھول گئے۔ہم میں حقائق کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں رہی اور رہم ملکی مفاد کے لئے بھی سچی بات کہتے ڈرتے ہیں۔وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے قومی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کریں۔''

(قوم کے نام پیغام۔11 ستمبر 1952ء)

پہلے گھر کو درست کرنا چاہیے

''آج صورتحال کیا ہے؟ داخلی طور پر ہم مقصد عمل کے اتحاد سے محروم ہیں بیرونی طور پر ہمیں وہ وقار اور عزت حاصل نہیں جس کے ہم مستحق ہیں۔آپ احتساب نفس کریں اور سوچیں کہ اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔یقیناً آپ کو اب وہ دشواریاں پیش نہیں جو آزادی سے قبل دو عظیم طاقتوں کے مقابلے میں درپیش تھیں۔کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اب تک ایسی قیادت پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں جو آپ کے نظریات اور مساوات کی صدق دل سے حامی ہو؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے آزادی کا مطلب محنت اور جدوجہد کی بجائے آرام اور تن آسانی سمجھ لیا ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کو موقع دیا جائے کہ وہ دوستوں کے بھیس میں آپ کی صفوں میں انتشار پیدا کریں اور ان نظریات سے آپ کو بہکائیں جن کی خاطر پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب خود آپ کو دینا چاہئے۔آج کل خارجہ پالیسی اور خارجہ معاملات پر یہاں بڑی باتیں ہو رہی ہیں لیکن میری رائے یہ ہے کہ ان باتوں میں حقیقت شناسی کو بہت کم دخل ہے۔سب سے مقدم یہ ہے کہ ہم اپنے اندرونی حالات کو سدھاریں اگر حکومت کو سیاسی اور اقتصادی استحکام حاصل ہو جائے تو اسے بیرون ملک بھی عزت نصیب ہوتی

ہے۔اسی کی خارجہ پالیسی تو شاید کسی کو پسند آئے یا نہ آئے لیکن اسے احترام سے دیکھا جاتا ہے۔''

(قائداعظمؒ کے یوم ولادت پر نشری تقریر۔25 دسمبر 1956ء)

جمہوریت کے لئے ڈٹ جانے کی تلقین

''ہمارے راستے میں داخلی اور بیرونی مشکلات حائل ہوئی ہیں۔ہم مختلف آزمائشوں سے گزرے ہیں۔ہم پر پریشان کن لمحے آئے ہیں لیکن ہمارا یقین متزلزل نہیں ہوا اور ہم مایوس نہیں ہوئے۔آج دس سال بعد ہمیں اس امر کا جائزہ چاہئے کہ ہم قومی امنگوں کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔پاکستان چند جاہ پسند افراد کی شکار گاہ بننے کے لئے قائم نہیں ہوا تھا جہاں وہ لاکھوں افراد کے آنسوؤں، پسینے اور خون پر پل کر موٹے ہوتے رہیں پاکستان سماجی انصاف، مساوات، اخوت، اجتماعی بھلائی امن اور مسرت کے حصول کے لئے قائم کیا گیا تھا۔آج ہمیں اس نصب العین سے دور پھینک دیا گیا ہے۔آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ چھپا ہوا ہاتھ کس کا ہے جس نے پبلک کی زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔ذاتی مفادات اور اقتدار کے لئے سازشیں اور مول تول کے رجحانات بڑھ رہے ہیں۔ لوگوں کو جمہوری حقوق کے استعمال سے محروم رکھنے کے لئے پیہم کوششیں ہو رہی ہیں۔آپ کو دستور کی حفاظت اور غیر جمہوری رجحانات کو روکنے کے لئے متحد ہو جانا چاہئیے جلد از جلد انتخابات کا مطالبہ ہی اس صورتحال کا واحد حل ہے۔''

(پاکستان کی دسویں سالگرہ کے موقع پر قوم کے نام پیغام۔14 اگست 1957ء)

چند افراد کی خوشنودی

''سوال یہ ہے کہ جب آئین میں صاف طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ عوام اپنے نمائندوں کے توسط سے اپنی خودمختاری قائم کریں گے تو اس کے لئے چند افراد کی خوشنودی کا انتظار کیوں؟ میری خواہش ہے کہ عوام اپنے آپ کو انتخابات کے لئے

تیار کریں۔ قیام پاکستان کا مقصد ایک مکمل آزاد جمہوریہ کا قیام تھا خواہ اسے اسلامی نصب العین کے اعتبار سے دیکھا جائے یا جدید نظریات کے لحاظ سے جمہوریت صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے کہ قانون کی حکمرانی سب کے لئے ہو۔ اگر قانون ختم ہو تو پھر لاقانونیت اور انتشار ہی باقی رہ جائے گا۔"

(قائداعظمؒ کی نویں برسی پر نشری تقریر۔ 11 ستمبر 1957ء)

چور دروازے اور مسند اقتدار

"حکمران اور ممبران اسمبلی نے اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے جو طریق کار اختیار کیا ہے اس سے نہ تو ان کی ذات کو فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ہی ملک کو۔ ان کی اس ناکامی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے ملک میں جمہوریت کو پنپنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ عوام جاہل، ان پڑھ اور حالات کے اتار چڑھاؤ کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے اگر اقتدار عوام کو منتقل ہو گیا تو ملک میں بحران پیدا ہو جائے گا لیکن میں ان سے پوچھتی ہوں کہ ملک میں حالیہ بحران اور بے چینی و افسردگی سے زیادہ شدید اور خطرناک بحران اور کیا ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں نے ہمیشہ حقائق سے چشم پوشی کی ہے اور عوامی مفادات اور اساسی نظریات سے اغماض برتا ہے۔ یہ لوگ اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں کہ اصل طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں اگر یہ لوگ چور دروازوں سے گھس کر مسند اقتدار پر فائز ہو گئے ہیں تو ان کی یہ کامیابی عارضی ہے انہوں نے ابھی تک کوئی مسئلہ حل نہیں کیا اور وہ سیاسی توازن سالمیت اور استحکام کے لئے بھی ملک کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ اگر قائداعظمؒ کی مثال سامنے رکھی جائے تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے اپنی نظریں کبھی افراد پر نہیں ڈالیں بلکہ انہوں نے عوام سے رابطہ کیا اور ان کی حمایت سے کامیاب تحریک چلائی۔"

(قائداعظمؒ کے یوم ولادت پر نشری تقریر۔ 25 دسمبر 1957ء)

سامراج کے خلاف جنگ

’’قائداعظمؒ نے ہمیشہ سامراجی اور نوآبادیاتی نظام کی خواہ وہ کسی صورت میں ہو مخالفت کی انہوں نے اپنی ساری عمران قوتوں کے خلاف جنگ میں گزاری جو لوگوں کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہیں۔سامراجی اور نوآبادیاتی نظام بھی اب اپنی شکل اور طریق کار بدل رہے ہیں۔انکا نیا طریقہ اقتصادی اثر ورسوخ حاصل کر کے پسماندہ ملک کو اپنا دست نگر بنانا ہے چنانچہ اقتصادی آزادی کے بغیر سیاسی آزادکوئی معنے نہیں رکھتی۔‘‘

(قائداعظمؒ کے یوم پیدائش پر قوم کے نام پیغام۔25دسمبر 1960ء)

اظہار رائے پر مہریں لگی ہیں

’’مجھے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ ملک میں آج بھی جمہوری اداروں کو معمول کے مطابق کام کرنے کی اجازت نہیں اور اظہار رائے پر مہریں لگی ہیں۔امیدوں کی سرزمین میں ایسے حالات پیدا کیئے گئے جنہوں نے ہمیں صدمے پہنچائے اور غیر یقینی فضا پیدا کر کے قومی وقار کو زبردست ٹھیس پہنچائی تاہم مجھے کامل یقین ہے کہ کوئی بھی خفیہ حربہ اور غیر ملکی چالیں قوم کو تقسیم نہیں کر سکیں گی اور ہم جہاں بھی ہونگے بحثیت پاکستانی ایک رہیں گے۔‘‘

(عیدالاضحیٰ پر قوم کے نام پیغام۔5 مئی 1963ء)

ایوب خان---- محض ڈرل ماسٹر

’’ایوب خان سیاست کو کیا سمجھ سکتے ہیں وہ کبھی سیاست میں نہیں آئے وہ ملٹری میں ڈرل ماسٹر کی طرح کام کرتے رہے اسی وجہ سے ملک کا یہ حال ہوگیا ہے۔ گزشتہ چھ سال کے دوران شدید بدعنوانیاں کی گئیں ملک کا وقار بہت زیادہ گرا دیا گیا اور لوگوں کو بدعنوان بنا دیا گیا۔ان کے ضمیر خرید لئے گئے انہیں ضمیر فروشی پر مجبور

کیا گیا، اگر قوم کو اس طرح ختم کر دیا گیا تو ملک کو کون چلائے گا۔"

(لاہور میں صدارتی انتخابی جلسہ عام سے خطاب۔ 11 ستمبر 1964ء)

افسوسناک رجحان

"میں نے ملک میں ایک افسوسناک رجحان دیکھا ہے یعنی چند لوگوں نے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ برسر اقتدار لوگوں کی تو تعریف و حمایت کرتے ہیں مگر اقتدار سے محروم لوگوں پر کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں اگر اس رجحان کو ختم نہ کیا گیا تو کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے گا جس کے ذریعہ ہم کسی پروگرام یا پالیسی کی اچھائی برائی کو پرکھ سکیں۔ ایک دوسرا قابل افسوس رجحان یہ ہے کہ ہر اس شخص کو ناپسند اور ملک دشمن قرار دے دیا جاتا ہے جو مختلف رائے رکھتا ہو۔ حکومت پر نکتہ چینی یا اختلاف رائے کو ملکی استحکام کے خلاف اور ملک سے غداری خیال کیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ آمرانہ فلسفہ تو ہو سکتا ہے مگر جمہوری تصورات کے خلاف ہے کیونکہ حب الوطنی کسی کی اجارہ داری نہیں۔"

(پشاور میں انتخابی جلسہ سے خطاب۔ 2 اکتوبر 1964ء)

پاکستان آپ نے بنایا یا ایوب خان نے؟

"آج ہماری آزادی پر پابندیاں لگا دی گئی ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ ہم ووٹ دینے کے قابل نہیں ہیں، ہم اپنی پارلیمنٹ کا انتخاب کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ پاکستان کس نے بنایا ہے؟ آپ نے یا صدر ایوب نے؟ اگر پاکستان آپ لوگوں نے بنایا ہے اور صدر ایوب نے نہیں بنایا تو لوگوں سے حقِ حکمرانی کس بنا پر چھینا جا رہا ہے؟"

(موچی دروازہ لاہور میں انتخابی جلسہ سے خطاب۔ 5 اکتوبر 1964ء)

پارلیمانی دستور کی حمایت

''اس قسم کا دستور جس میں عوام کا کوئی دخل نہیں ہمیں منظور نہیں ایسا دستور نہیں چاہتے۔ ہمارا دستو پارلیمانی ہوگا جس میں صدر، وزیر اعظم اور اسمبلیاں ہوں گی یہ سب کچھ قوم کے فائدے کے لئے ہوگا۔ ہم جو کچھ کریں گے قوم کے مشورے سے کریں گے۔ یہ کیا دستور ہوا جس کے تحت عوام ووٹ بھی نہ دے سکیں۔ پیسہ قوم دیتی ہے اسے حساب کتاب اور خرچ کا پتہ ہونا چاہئے اسی لئے ہمارے دستور کے تحت پارلیمنٹ ہوگی اس میں بجٹ پیش کیا جائے گا اور پارلیمنٹ ہی اسے منظور کرے گی۔''

(چٹا گانگ میں انتخابی جلسے سے خطاب۔ 17 اکتوبر 1964ء)

عوام سے ہی ملک زندہ رہے گا

''عوام ہی ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہیں ان کی تائید وحمایت کے بغیر کوئی بھی قیادت یہاں برسر اقتدار نہیں رہ سکتی اس ملک کو عوام نے عظیم قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے اور وہ ضرورت کے وقت اپنے ملک کے تحفظ اور دفاع کے لئے بھی عظیم قربانیوں کے لئے تیار ہیں میری جدوجہد کسی ذاتی مقصد کے لئے نہیں بلکہ میرا جہاد جمہوریت کے لئے ہے۔''

(ڈیرہ اسماعیل خان میں خطاب۔ 23 نومبر 1964ء)

صدارتی طرز حکومت موزوں نہیں

''صدارتی طرزِ حکومت پاکستان کے لئے موزوں نہیں جس طرح گاڑی کو ٹھیک طرح سے چلانے کے لئے بریکوں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح حکومت کو بھی ٹھیک طرح سے چلانے کے لئے اس پر پابندیوں اور احتساب کی ضرورت ہوتی ہے۔ صدارتی طرز حکومت میں اگر کوئی شخص منتخب ہوجائے تو وہ قومی مفاد کے تقاضے

پورے کرے یا نہ کرے اپنے زمانہ اقتدار میں اس پر عوامی کنٹرول اور احتساب ختم ہو جاتا ہے۔اس کے مقابلے میں پارلیمانی طرز حکومت میں مجلس قانون ساز، وزیراعظم اور صدر ہوتے ہیں اور اگر کوئی حکومت بدعنوانی اور بے قاعدگی کی مرتکب ہو اور وہ قومی مفاد پورا نہ کرے تو اسے الگ کیا جا سکتا ہے۔“

(پشاور کے انتخابی جلسے سے خطاب۔24 نومبر 1964ء)

اقتدار کی بھوک

”1954ء میں دستور ساز اسمبلی توڑنے میں ایوب خان کا ہاتھ تھا۔وہ اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے اور انہوں نے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے اس وقت کے گورنر جنرل مسٹر غلام محمد کی مدد کی تھی اس کے بعد وہ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے تین چار سال تک موقع کی تلاش میں رہے۔اقتدار کے بھوکے خود وہ تھے نہ کہ مجھے اقتدار کی بھوک ہے۔میں سیاست میں اپنے فائدے یا کرسی کے لئے نہیں آئی کرسی یا عہدہ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔میں تو صرف عوام کی خدمت کے لئے سیاست میں آئی ہوں کیونکہ عوام ایک شخص کی حکومت سے نالاں ہیں اور جمہوریت چاہتے ہیں۔“

(حیدرآباد میں انتخابی ادارے کے ارکان سے خطاب۔15 دسمبر 1964ء)

چوبیسواں باب

ملکی سیاست میں خواتین کا مقام

قائداعظمؒ سمجھتے تھے کہ خواتین کو سیاست سے الگ رکھ کر منزل تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ 1938ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس میں منعقد ہوا اس میں تجویز کیا گیا کہ تحریک پاکستان کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے ہندوستان بھر میں خواتین کی سب کمیٹیوں کا جال بچھا دیا جائے جو نہ صرف مسلم لیگ کی رکنیت میں اضافہ کریں بلکہ ان کے ذریعہ خواتین کی سیاسی تربیت بھی کی جائے۔ اس اجلاس کے بعد خواتین کی تنظیم کا بیڑا محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اٹھالیا۔ انہوں نے ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے دورے کئے اور خواتین کی کمیٹیاں تشکیل دیں۔ 1943ء میں مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں ہوا جس میں خواتین کو کل ہند کی سطح پر مسلم لیگ میں نمائندگی دینے کا فیصلہ کیا گیا چنانچہ اس دور کی مسلم خواتین میں محترمہ فاطمہ جناحؒ کے علاوہ جو نمایاں نام نظر آتے ہیں ان میں بیگم محمد علی، بیگم ہارون، بیگم بشیر احمد اور بیگم سلمیٰ تصدیق حسین شامل ہیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ خواتین میں بے حد مقبول تھیں۔ وہ ہر مرحلہ پر ان سے رہنمائی کرتی تھیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے اس دور میں ہندوستان کا طوفانی دورہ کر کے لاتعداد جلسوں سے خطاب کیا۔ 1939ء میں خواتین کا ایک اجتماع بمبئی کے قیصر باغ میں ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے محترمہ فاطمہ جناحؒ نے فرمایا۔ ’’مجھ سے اکثر مسلم لیگ کی کارکردگی کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے میں انہیں بتاتی ہوں کہ مسلم لیگ نے ہندوستان کے خوابیدہ مسلمانوں کو جگایا اور ان میں سیاسی شعور پیدا کیا وہ بکھرے ہوئے تھے، مسلم لیگ نے انہیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دیا۔ اب حریف جماعتیں بھی مسلمانوں کے احترام پر مجبور ہو گئی ہیں۔‘‘ مخالف جماعتیں مسلم لیگ کے بارے میں خواتین کے ذہن کو مسموم کرتی رہتی تھیں لیکن مادرِ ملتؒ نے جلسوں میں ان شکوک کا ازالہ کیا جس کی وجہ سے وہ خواتین کی

مقبول ترین رہنما بن گئیں۔ وہ جلسوں میں بڑی عقیدت کے ساتھ انہیں ہار پہناتیں اور ان سے مصافحہ کرنے کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتیں۔ اگست 1942ء میں کوئٹہ میں خواتین کا عظیم الشان جلسہ ہوا اس سے خطاب کرتے ہوئے محترمہ فاطمہ جناحؒ نے فرمایا: ''خواتین اقتصادی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی شعبوں میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ان چاروں شعبوں میں کام کریں۔ اس مقصد کے لئے ہم اپنے عزیز و اقارب دوستوں اور ہمسایوں میں عمل کی روح پھونک سکتی ہیں اور ان میں قومیت کا صحیح جذبہ پیدا کر سکتی ہیں'' محترمہ فاطمہ جناحؒ کی اس تلقین سے خواتین نے بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے لئے کمر باندھ لی۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ چاہتی تھیں کہ خواتین قومی تعمیر میں مردوں سے پیچھے نہ رہیں چنانچہ خواتین نے ان کی مخلصانہ آواز پر لبیک کہتے ہوئے کام شروع کر دیا اور دنیا نے دیکھا کہ تحریک پاکستان میں جو عظیم قربانیاں پیش کی گئیں ان میں خواتین کے عملی کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ 1943ء میں دہلی میں خواتین کی سب کمیٹی کا ایک اجلاس ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے محترمہ فاطمہ جناحؒ نے فرمایا:

''اس وقت قوم کی عظیم جدوجہد میں خواتین کیا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ آپ میرے اس خیال کی تائید کریں گی کہ مسلم انڈیا کی تشکیل کے لئے ہمارے سامنے وسیع میدان ہے اور خواتین کا اس جدوجہد میں حصہ لینا وقت کی اہم ضرورت ہے کیونکہ عورت ہی آج کے بچوں کو مستقبل کے باہمت نوجوانوں میں ڈھال سکتی ہے۔ آیئے ہم سب مل کر مسلم لیگ کو مضبوط اور مستحکم بنائیں کیونکہ یہی مسلمانوں کا مقتدر اور واحد نمائندہ ادارہ ہے۔ ہمیں ورثے میں شاندار تاریخ ملی ہے لیکن گزشتہ دو سو سال کی گردش زمانہ نے ہمیں پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اسلام کی نشاۃ الثانیہ کی لہر حرکت میں آ چکی ہے اور توقع رکھنی چاہیے کہ زیادہ عرصہ گزرنے سے قبل ہی ہم اپنی اصل حالت پر آ جائیں گی۔''

یہ محترمہ فاطمہ جناحؒ کی تلقین کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمان خواتین میدان عمل میں نکل آئیں۔انہوں نے تحریک کی مالی مشکلات پر قابو پانے کے لئے مینا بازار لگائے ایسا ہی ایک مینا بازار 1944ء میں لاہور میں لگایا گیا تھا۔محترمہ فاطمہ جناحؒ نے منتظمین کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: ''مینا بازار لگانا واقعی فائدہ مند ہے کیونکہ اس طرح خواتین اپنے مسلمان مردوں کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں مجھے امید ہے کہ قوم کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں قوم کی اقتصادی حالت سدھارنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گی۔''

لاہور میں 1946ء کے انتخابات میں جب مسلم لیگ نے کامیابی حاصل کر لی تو محترمہ فاطمہ جناحؒ نے خواتین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''میں اپنی بہنوں کو مبارکباد دیتی ہوں کہ آپ نے ان انتخابات میں بہت عمدہ کارکردگی دکھائی آپ نے پنجاب اسمبلی کی 79 نشستیں جیت لیں اور اس طرح یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان صرف پاکستان چاہتے ہیں۔'' دسمبر 1946ء میں کراچی میں مسلم لیگی خواتین سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: ''میں سندھ کے مسلمانوں کو ان کی عظیم کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں جس کے ذریعہ انہوں نے حصول پاکستان پر اپنا غیر متزلزل ایقان ثابت کر دیا ہے۔'' انتخابات میں یہ کامیابیاں حاصل کرنے میں قائداعظمؒ کے ساتھ ساتھ محترمہ فاطمہ جناحؒ کا بھی نمایاں ہاتھ تھا جنہوں نے ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جگہ جگہ جلسے منعقد کر کے خواتین میں بیداری کی روح پھونکی۔3 جون 1947ء کو جب ہندوستان کی آزادی اور قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو مسلمان مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی دلی مسرت کا اظہار کیا کیونکہ مطالبے کی تکمیل میں ان کی جدوجہد کا بھی نمایاں حصہ تھا۔چنانچہ 27 جولائی 1947ء کو محترمہ فاطمہ جناحؒ نے خواتین کو ان کی کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کی۔

تحریک پاکستان کے دوران ایک طرف قائداعظمؒ کی اپیل پر طلبا نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد ڈالی جس نے اس تحریک کو چند سال میں ہی منزل مقصود پر پہنچا دیا دوسری طرف محترمہ فاطمہ جناحؒ نے مسلم ویمن سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کی جس نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے شانہ بشانہ جدوجہد کر کے قوم کو آزادی سے ہمکنار کر دیا۔ مسلم ویمن سٹوڈنٹس فیڈریشن کے قیام اور اس کی رہنمائی کی ذمہ دار محترمہ فاطمہ جناحؒ تھیں۔ اپریل 1943ء میں طالبات کی اس فیڈریشن کا اجلاس دہلی میں ہوا جس میں محترمہ فاطمہ جناحؒ مہمان خصوصی تھیں۔ فیڈریشن کی کارکردگی کی رپورٹ سن کر آپ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا: ''رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے سال گزشتہ کے دوران شاندار کام کیا ہے اور اب آپ کی تنظیم بہت مضبوط ہو گئی ہے آپ کا فرض ہے کہ آپ کو حصول تعلیم کا جو زریں موقع ملا ہے اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ اپنی ان بے وسیلہ بہنوں کے لئے بھی کام کریں جنہیں حصول تعلیم کے مواقع میسر نہیں۔ دو سال بعد پھر دہلی میں ہی فیڈریشن کا جلسہ ہوا اس سے خطاب کرتے ہوئے محترمہ فاطمہ جناحؒ نے فرمایا: ''دو سال کے دوران آپ کی تنظیم بہت آگے بڑھ چکی ہے اور آپ کی کوششوں سے اب مسلم خواتین قومی حکومت کے لئے بے تاب دکھائی دیتی ہیں۔''

اکثر خواتین رہنمائی حاصل کرنے کے لئے قائداعظمؒ کی قیام گاہ پر حاضر ہوتیں لیکن قائداعظمؒ بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے وقت نہ نکال سکتے تو محترمہ فاطمہ جناحؒ ہی ان خواتین کی رہنمائی کرتیں اور انہیں مفید مشوروں سے نوازتیں۔ اس طرح اس محاذ پر انہوں نے قائداعظمؒ کو بے نیاز کر دیا تھا اور قائداعظمؒ بھی اپنی عظیم بہن کی کارکردگی سے پوری طرح خوش و مطمئن تھے۔ اگرچہ محترمہ فاطمہ جناحؒ مسلم لیگ کی خواتین سب کمیٹی میں کسی عہدے پر فائز نہ تھیں لیکن خواتین کے لئے وہی سب کچھ تھیں اور انہوں نے ہی انہیں خاتون پاکستان کا خطاب عطا کیا۔ قائداعظمؒ اگر چاہتے تو وہ

اپنی اس عظیم بہن کو بڑے سے بڑا عہدہ دے سکتے تھے لیکن وہ مخلصانہ کردار کے قائل تھے۔ انہوں نے محترمہ فاطمہ جناحؒ کو کوئی عہدہ نہ دیکر یہ ثابت کر دیا کہ ان کے نزدیک عہدوں کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ وہ خویش پروری میں ملوث ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک قومی جدوجہد میں سب برابر تھے۔ پھر بھی محترمہ فاطمہ جناحؒ نے تحریک پاکستان میں جو کردار ادا کیا اس نے ان کی شخصیت کو لازوال بنا دیا۔ ابتدائی دور میں قائداعظمؒ خود فرمایا کرتے تھے مسلم لیگ نام ہے میری بہن اور میرے ٹائپ رائٹر کا۔ اس دور میں قائداعظمؒ کے پاس کوئی سٹاف نہیں تھا وہ خود ہی سارا کام انجام دیتے تھے یا پھر محترمہ فاطمہ جناحؒ ان کی معاونت کرتی تھیں۔

پچیسواں باب

مادرِ ملّتؒ اور قائداعظمؒ کا مشن

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک دور اندیش سیاست دان اور سچے قوم پرست رہنما تھے۔ انہوں نے انگریز سامراج سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جہاں برصغیر کے مسلمانوں کا جذبۂ حریت جوان کیا وہاں مستقبل کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر نوجوان نسل کی تربیت و تنظیم میں بھی خصوصی دلچسپی لی۔ خصوصاً برصغیر کی خواتین کو منظم و بیدار کرنے میں انہوں نے بہت توجہ صرف کی۔ انگلستان میں قیام کے دوران قائداعظمؒ نے اس امر کا بخوبی جائزہ و مشاہدہ کر لیا تھا کہ جب تک خواتین مردوں کے دوش بدوش کام نہ کریں گی نہ کوئی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی ملک ارتقائی منازل طے کر سکتا ہے۔ چنانچہ برصغیر کے مسلمانوں بالخصوص حضرت علامہ اقبالؒ کے اصرار پر وہ جب دوبارہ 1935ء میں ہندوستان تشریف لائے اور مسلم لیگ کی قیادت قبول کر کے انہوں نے پھر سے جدو جہد آزادی میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا تو انہوں نے نوجوانوں کو متحرک کرنے کے لئے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن اور مسلم لیگ یوتھ ونگ کو منظم کرنے کے ساتھ ساتھ برصغیر کی مسلم خواتین کو بھی مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کرنا شروع کیا۔ اس کام میں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ نے ان کی پرجوش معاونت کی۔ اگر وہ اپنے عظیم بھائی کے شانہ بشانہ سیاست میں عملی حصہ نہ لیتیں تو امکان غالب تھا کہ پاکستان کی منزل دور ہو جاتی۔ حقیقت میں وہ محسنۂ ملتؒ ہیں جنہوں نے ایثار و قربانی کی لازوال مثال قائم کی اور ہمہ وقت قائداعظمؒ کے ساتھ رہیں۔ یہ مادرِ ملّتؒ کی پرخلوص اور انتھک کاوش تھی کہ ہندوستان کی مسلمان عورتیں جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہونے لگیں۔ مادرِ ملّتؒ نے شبانہ روز کی محبت سے نہ صرف مسلمان خواتین کو سیاسی اور سماجی شعور بخشا بلکہ انہیں تعلیم کی طرف بھی راغب کیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ تعلیم

صنف نازک میں اعتماد، جرأت اور پاکیزگی پیدا کرتی ہے۔

1936ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی عوامی رابطہ مہم عروج پر پہنچ گئی۔ اس مہم میں مادرِ ملت ؒ بھی شریک تھیں وہ فرماتی تھیں: ''قائداعظم ؒ کے ساتھ رہ کر میں سیاست سے الگ نہیں رہ سکتی۔ ویسے بھی مجھے ملکی سیاست سے گہری دلچسپی ہے۔ میں اس محاذ پر بھی اپنے بھائی کا ضرور ساتھ دوں گی'' اور انہوں نے اپنی انتھک جدوجہد سے ثابت کردیا کہ واقعی بھائی کی طرح بہن کے خمیر میں بھی سیاست رچ بس چکی تھی۔ قائداعظم ؒ مردوں کو مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم تلے جمع کررہے تھے۔ فاطمہ جناح ؒ خواتین کو بیدار کرنے کی مہم میں لگ گئیں۔ وہ اپنے عظیم بھائی کے اس نظرئے سے متفق تھیں کہ خواتین کی بیداری کے بغیر حصول منزل ناممکن ہے چنانچہ بھائی کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے محترمہ فاطمہ جناح ؒ نے ملک کے کونے کونے کے دورے کیے۔ وہ دہلی کی تنگ وتاریک گلیوں میں پیدل چل کر جاتیں اور خواتین کو منظم کرتیں۔ جب وہ اپنی کارکردگی کی رپورٹ قائداعظم ؒ کو پیش کرتیں تو وہ اسے سن کر بہت خوش ہوتے۔ مادرِ ملت ؒ مسلمان خواتین کو بتاتیں کہ ان کے اتحاد ہی میں ان کی کامیابی کا راز مضمر ہے اور یہ اتحاد انہیں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ہی مل سکتا ہے۔ وہ خواتین کو بتاتیں کہ آج کی مائیں وہ قابل قدر سپوت مہیا کرسکتی ہیں جنہوں نے آگے چل کر قوم کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ خواتین ان کی باتیں غور سے سنتیں اور انہیں قبول کرلیتیں چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان بھر میں خواتین مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہونے لگیں اس دور میں جس طرح قائداعظم ؒ نے قومی مشن کی تکمیل کے لئے مسلم طلبا کو پکارا اسی طرح مادرِ ملت ؒ نے مسلم خواتین اور مسلم طالبات کو ان کے قومی فرائض سے روشناس کرایا۔ وہ مسلم ویمن سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ اجلاسوں میں شریک ہوتیں اور ان کی حوصلہ افزائی ہی نہیں بلکہ رہنمائی بھی کرتیں۔ 1943ء میں دہلی میں طالبات کی فیڈریشن کا سالانہ اجلاس ہوا۔ محترمہ

فاطمہ جناحؒ مہمان خصوصی کی حیثیت سے اس اجلاس میں شریک ہوئیں۔ انہوں نے اپنے خطاب میں طالبات کو تلقین کی کہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ سے بھی باخبر رہیں اور ان مسائل میں عملاً دلچسپی لیں جن کی اثرات پوری قوم پر مرتب ہوتے ہیں۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے خواتین کے لئے جگہ جگہ تعلیمی مراکز قائم کئے۔ مادرِ ملتؒ سے خواتین کی محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ جس علاقہ میں جا کر جلسہ کرتیں تو وہاں تمام خواتین گھریلو کام کاج چھوڑ کر جلسہ میں شرکت کے لئے چلی آتیں۔ یوں تو محترمہ فاطمہ جناحؒ جب سے عملی زندگی میں داخل ہوئیں وہ خواتین کی بیداری کے لئے کام کرتی رہیں لیکن 1940ء سے 1947ء تک کا دوران کی سرگرمیوں کا سنہری دور ہے۔ خود قائداعظمؒ نے ان کی شاندار قومی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا: ''میں آج ایسے واقعات کا انکشاف کرتا ہوں جو غالباً آپ نہیں جانتے۔ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ ہمیں ایک عظیم انقلاب کا سامنا تھا۔ ہم گولیوں کی بوچھاڑ میں تھے حتیٰ کہ موت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے اس نازک وقت میں میری بہن نے ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا۔ وہ میرے شانہ بشانہ رہیں اور میری اس معتمد ساتھی نے مجھے سنبھالے رکھا'' قائداعظمؒ کا اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا جب انہوں نے گورنر لارڈ ولنگٹن کو للکارا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب پورے ہندوستان پر انگریز کا دبدبہ پوری طرح قائم تھا اور کسی کو غیر ملکی حکمرانوں کے سامنے دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ اس معرکے نے پورے ملک میں قائداعظمؒ کی حق گوئی اور بیباکی کی دھوم مچادی۔ بمبئی کا جناحؒ میموریل ہال اسی واقعہ کی یاد میں تعمیر ہوا تھا۔ اس سارے دور میں محترمہ فاطمہ جناحؒ اپنے عظیم بھائی کے ساتھ رہیں۔ اگرچہ انہوں نے خواتین کی بیداری کے لئے جو کام کیا وہ کسی اور خاتون کے بس کا روگ نہ تھا لیکن انہوں نے یہ کام کسی عہدے کی تمنا میں نہیں کیا وہ زندگی بھر خود کو تحریک آزادی کا سپاہی سمجھتی رہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آل انڈیا مسلم

لیگ کی مجلسِ عاملہ میں خواتین کی نمائندگی مادرِ ملتؒ کی بجائے بیگم محمد علی جوہر کیا کرتی تھیں۔

قائداعظمؒ محترمہ فاطمہ جناحؒ کا احترام محض بہن ہونے کے ناطے نہیں کرتے تھے کیونکہ بہنیں تو تین اور بھی تھیں انہیں مادرِ ملتؒ کے ساتھ سیاسی رشتہ زیادہ پسند تھا اور واقعات شاہد ہیں کہ اگر قائداعظمؒ کو محترمہ فاطمہ جناحؒ جیسی معتمد بہن کا سہارا نہ ملتا تو خدا جانے آل انڈیا مسلم لیگ کی منزل مقصود کتنی دور چلی جاتی۔ بعض ناقدین یہ سمجھتے ہیں کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ چونکہ بچپن میں ہی یتیم ہوگئی تھیں اور ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت قائداعظمؒ کے ہاتھوں اس طرح ہوئی تھی کہ فاطمہ جناحؒ کو ایک لمحے کے لئے یتیمی کا احساس نہ ہوا چنانچہ اسی احسان کے بدلے وہ اپنے بھائی کا ساتھ نبھاتی رہیں لیکن یہ تصور کچھ جچتا نہیں۔ مادرِ ملتؒ کے مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ تصور خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ نے بھائی کے ہاتھوں میں پرورش پائی لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں سیاسی استعداد سے مالا مال نہ کیا ہوتا تو بھائی کے احسان کا بدلہ وہ امورِ خانہ داری کو انجام دیکر بھی چکا سکتی تھیں۔ ایسی حالت میں ان کی سرگرمیاں صرف گھر کی چار دیواری تک محدود رہتیں۔ لیکن قائداعظمؒ اپنی اس عظیم بہن کے سیاسی ذہن کا کھلے بندوں جس طرح اعتراف کرتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مادرِ ملتؒ کو خدا نے گھر کی چار دیواری تک محدود رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا تھا۔ یہی وہ ذہنی ہم آہنگی تھی جس نے زندگی بھر بھائی بہن کو ایک ہی مشن پر قائم رکھا۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ اگر محض گھریلو خاتون ہوتیں تو قائداعظمؒ انہیں اپنے سیاسی رفیق ہونے کا درجہ نہ دیتے۔

1940ء میں قرار دادِ پاکستان کی منظوری کے بعد قائداعظمؒ پر کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا تھا۔ شبانہ روز کی محنت شاقہ نے ان کی صحت کو متاثر کیا۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ ان کی صحت کی طرف سے پریشان رہنے لگیں۔ وہ رات دن سائے کی طرح

ان کے ساتھ لگی رہتیں اوران کے آرام کا خیال رکھتیں۔ اکثر اوقات وہ پریشان ہو کرانہیں مشورہ دیتیں کہ وہ کسی وقت آرام بھی کرلیا کریں لیکن قائداعظمؒ بڑے تحمل سے جواب دیتے ''فاطمہ کیا تم نے کوئی ایسا واقعہ سنا ہے۔ کہ فوج زندگی اور موت کی لڑائی میں مصروف ہواور جرنیل چھٹی پر چلا گیا ہو'' یہ جواب سن کراگرچہ محترمہ فاطمہ جناحؒ وقتی طور پر خاموش ہو جاتیں لیکن فوراً ہی وہ قائداعظمؒ پر زور دینے لگتیں کہ وہ ڈاکٹروں سے رجوع کریں۔ قائداعظمؒ پھر جواب دیتے ''دس کروڑ مسلمان میری طرف دیکھ رہے ہیں میں ایسی حالت میں ان کی طرف دیکھنے کی بجائے صرف اپنی صحت کے طرف کیسے دیکھ سکتا ہوں'' اور یہ جواب سن کر محترمہ فاطمہ جناحؒ کو پھر خاموشی اختیار کرنی پڑتی۔ کثرت کار کی وجہ سے قائداعظمؒ کی صحت اس قدر خراب ہو چکی تھی کہ 1941ء میں دہلی سے مدراس کے سفر کے دوران وہ ٹرین کے باتھ روم میں جاتے ہوئے نقاہت کے سبب گر پڑے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ ہمراہ تھیں۔ انہوں نے انہیں اٹھایا۔ قائداعظمؒ نے فرمایا کہ میں نقاہت محسوس کر رہا ہوں چنانچہ بہن نے بھائی کو سہارا دیکر برتھ پر لٹا دیا۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ ایک اور واقعہ یوں بیان کرتی ہیں کہ 1940ء میں ہم بمبئی سے دہلی روانہ ہوئے تا کہ اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہوسکیں ان دنوں قائداعظمؒ کو بخار کی شکایت تھی۔ وہ کھانا کھا کر لیٹ گئے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے کراہنا شروع کر دیا۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ فرماتی ہیں کہ میں فوراً ان کے پاس پہنچی تو قائداعظمؒ نے جسم پر ایک جگہ ہاتھ رکھ کر اشاروں سے بتایا کہ اس جگہ شدید درد محسوس ہو رہا ہے۔ جب اگلا اسٹیشن آیا تو میں نے گارڈ سے کہہ کر گرم پانی کی بوتل منگائی اور اسے درد کی جگہ پر لگایا جس سے کچھ افاقہ ہوا کسی سفر میں محترمہ فاطمہ جناحؒ ساتھ نہ ہوتیں تو وہ روزانہ قائداعظمؒ کو خط لکھ کر خیریت دریافت کرتیں۔ ایک مرتبہ قائداعظمؒ نے ڈاکٹر برنی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے کہا کہ فاطمہ نے طویل مدت تک میری بے لوث خدمت اور خواتین

میں سیاسی بیداری پیدا کر کے مجھ پر ایسا احسان کیا ہے جس کا بدلہ میں زندگی بھر نہیں چکا سکتا۔ مادرِ ملت ؒ نے بتایا کہ ہم مدراس میں تھے جہاں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ہونے والا تھا ڈیلی گیٹ جمع ہو چکے تھے۔ قائد اعظم ؒ بے حد کمزور تھے اس کے باوجود وہ اجلاس سے خطاب کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں روکا لیکن وہ نہ رکے۔ میں نے درخواست کی کہ اچھا خطاب مختصر کریں۔ یہ بات انہوں نے مان لی لیکن جب جلسہ عام میں پہنچے تو انہوں نے دو گھنٹے تقریر کی جس سے میری پریشانی بڑھ گئی اسی اجلاس میں انہیں قائد اعظم ؒ کا خطاب ملا۔

مادرِ ملت ؒ کو پسماندہ عوام سے شروع سے ہمدردی تھی۔ ان کی زندگی کا ایسا کوئی واقعہ ریکارڈ پر نہیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ مغرور، خود پسند، دولت پرست اور سنگدل تھیں۔ ان کی تمام زندگی سادگی، قناعت، انسانی رشتوں کی پاسداری اور اصول پسندی کا اعلیٰ نمونہ رہی۔ قائد اعظم ؒ نے بھی اپنی دوسری ہمشیرگان میں سے فاطمہ جناح ؒ کا اسی لئے انتخاب کیا تھا کیونکہ فاطمہ جناح ؒ قائد اعظم ؒ ہی کی بے نظیر و بے مثال شخصیت کا پرتو تھیں۔

لوگوں کے بھلائی کے کام کرنے کے علاوہ فاطمہ جناح ؒ بھائی کی گھریلو زندگی کا بھی بے حد خیال رکھتی تھیں۔ وہ قائد اعظم ؒ کی غذا کا خاص خیال رکھتیں۔ خانساموں سے اپنی نگرانی میں قائد اعظم ؒ کی پسند و ناپسند کے مطابق صاف ستھرا کھانا تیار کراتیں۔ کھانے پر بھائی کے ایک ایک نوالے کا دھیان رکھتیں۔ باورچی خانے میں صفائی نہ ہونے پر اکثر خانساموں کو ڈانٹ دیتیں۔ بھائی کے عمدہ اور صاف لباس کا خیال رکھنا بھی ان کا معمول تھا۔ یوں محترمہ فاطمہ جناح ؒ نے اوائل عمر میں ہی کھلونوں، گڑیوں سے کھیلنے اور ملبوسات اور زیورات کے پیچھے بھاگنے کے بجائے ایک باوقار راستہ اپنا لیا۔ ان کی قربانیوں کا تذکرہ قائد اعظم ؒ نے ان الفاظ میں کیا ”وہ نہ صرف خود پر اعتماد ہیں بلکہ انہوں نے مجھے بھی سنبھالے رکھا۔“

پھر جب مادرِ ملتؒ نے سیاسی زندگی کا آغاز کیا تو اپنی جاں نثاری اور خلوص کی ایک عظیم مثال قائم کردی۔ انہوں نے اپنی تمام جدوجہد میں کبھی بھی اپنی راہبری اور رہنمائی جتانے کی سعی نہ کی۔ بلکہ کاروانِ آزادی کے ایک عام رکن کی حیثیت سے کام کرتی رہیں۔ بقول ان کے:

''میں نے قائداعظمؒ کی قیادت میں پاکستان کے لئے ایک سپاہی کی مانند دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش کام کیا ہے۔ تحریک پاکستان کے دنوں میں قائداعظمؒ مجھے ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ انہوں نے مجھے کوئی سیاسی عہدہ نہیں دیا تھا۔ انہوں نے اپنے لئے یا اپنی بہن کے لئے پاکستان نہیں بنایا تھا بلکہ پوری قوم کے لئے بنایا تھا۔''

مادرِ ملتؒ نے قائداعظمؒ کے افکار کی روشنی میں اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا تو عمر بھر کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جس کے باعث ان کے عظیم بھائی کے نام پر حرف آتا ہو۔ وہ تادم آخر جمہوریت، غریب عوام کی بہبود اور ملکی وقار و استحکام کے لئے کوشاں رہیں۔ دیارِ سیاست میں قدم رکھ کر انہوں نے قائداعظمؒ کے پیغام اور مشن کو خواتین تک پہنچانے کی خاطر اپنے بھائی کے ہمراہ ہندوستان کے کونے کونے کا سفر اختیار کیا۔ اور تحریک نسواں کو فعال اور منظم کیا۔

وہ دور دور کے علاقوں اور شہروں میں خواتین کے اجلاسوں سے خطاب کرنے جاتی تھیں تا کہ مسلم لیگ مضبوط اور مقبول ہو۔ ان اجلاسوں میں وہ قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کے مقاصد پر روشنی ڈالتی تھیں۔ وہ جنس لطیف کو جہاں مسلم لیگ کے منشور سے آگاہ کرتی تھیں وہاں اسے یہ بھی تلقین کرتی تھیں کہ وہ مردوں کے ساتھ مل کر مسلم ہندوستان کی نشاۃ الثانیہ کے لئے اپنا فرض ادا کریں۔ سب سے زیادہ پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کو متعارف کراتی تھیں۔

عورتوں کے سیاست مین حصہ لینے پر بھی وہ بہت زور دیتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا

کہ جب تک ہندوستان کے مسلمانوں کی نصف آبادی یعنی خواتین بیدار ہو کر تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا نہیں کریں گی۔ اس وقت تک پاکستان مخالف جماعتیں شکست نہیں مانیں گی۔ اپنے ان افکار کا وہ بار بار اعادہ کرتی تھیں۔

اپنے صاف ستھرے کردار اور قائداعظمؒ کی بہن ہونے کے ناطے سے مادرِ ملتؒ نے ہندوستان کی مسلمان خواتین میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی۔ قائداعظمؒ کے بعد وہ دوسری قومی لیڈر تھیں جن کا خواتین دل سے احترام کرتی تھیں۔ وہ ان جلسوں میں جن سے مادرِ ملتؒ نے خطاب کرنا ہوتا تھا نہایت ذوق وشوق سے ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوتی تھیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مادرِ ملتؒ نے جہاں قیامِ پاکستان میں قابلِ قدر کردار ادا کیا وہاں ہندوستان کی مسلمان عورتوں کو بھی آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ انہوں نے طالبات کی بے شمار تنظیمیں تشکیل دیں اور ان کی سرپرستی کرتی رہیں۔

قائداعظمؒ چونکہ دوسرے سیاسی امور نمٹانے میں مصروف رہتے تھے اس لئے خواتین اور خصوصی طور پر تعلیم حاصل کرنے والی خواتین مادرِ ملتؒ سے رابطہ قائم کرتی تھیں اور ان سے آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے ہدایات حاصل کرتی تھیں۔ مسلم ویمن سٹوڈنٹس فیڈریشن مادرِ ملتؒ کی حوصلہ افزائی اور تجاویز کے باعث ہی وجود میں آئی تھی۔

مادرِ ملتؒ برصغیر کے مسلمانوں کی غلامی اور حالت زار سے اسی طرح دل گرفتہ تھیں جس طرح قائداعظمؒ۔ انہیں مسلم قوم کے تابناک ماضی کا احساس وادراک تھا اس لئے وہ خواتین کے جس اجلاس سے خطاب کرتیں اس میں اپنے کلام کو خواتین کی بیداری و بہبود تک ہی محدود نہ رکھتیں بلکہ خواتین کے سامنے ان خیالات کا بھی اظہار کرتیں جن کی اس وقت اشد ضرورت تھی۔ اور وہ کام ہوتے تھے مسلم امہ کو متحد اور بیدار کرنے والے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سیاسی طور پر نہایت زیرک، معاملہ فہم اور عاقل تھیں وہ جانتی تھیں کہ برصغیر کے باشندے ان کے بھائی کے افکار و کردار کے ساتھ ساتھ ان کے خیالات ونظریات کو بھی بغور سنتے اور ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔

وہ اگر چاہتیں تو دوسری بیگمات کی طرح طالب علم خواتین کی دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی نصیحتوں تک بھی اپنے خطاب کو محدود رکھ سکتی تھیں مگر وہ چونکہ اپنے عظیم بھائی کے مشن کو تقویت پہنچانے کے لئے میدان سیاست میں آئی تھیں لہذا خواتین کو سیاسی طور پر بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ملک کی مجموعی سیاست پر بھی ماہرانہ، مدبرانہ اور جچی تلی گفتگو کرتی تھیں۔ وہ مخاطب تو صنف لطیف کو کرتیں مگر ان کی تقریر ہمہ پہلو ہوتی تھی۔ اسی لئے قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کے دوسرے زعما مادرِ ملّت محترمہ فاطمہ جناحؒ کی دل سے عزت کرتے تھے۔ خواتین کو بھی ان سے بے پناہ عقیدت تھی۔ مادرِ ملّتؒ کا سیاسی سفر تو بہت پہلے شروع ہو گیا تھا۔ لیکن انہیں مسلم لیگ میں کوئی عہدہ نہیں دیا گیا تھا۔ 1938ء میں وہ مسلم لیگ بمبئی شاخ کی رکن بنیں۔

اس سال انہیں بمبئی مسلم لیگ کے عہدیداروں کی کمیٹی کا رکن بنایا گیا۔ پھر 1938ء میں جب بمبئی پراونشل مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں تین نمائندوں کا انتخاب کیا گیا تو ان میں مادرِ ملّتؒ کا نام سرفہرست تھا۔ اس کے بعد 1939ء میں وہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مستقل رکن بنادی گئیں۔

آج اس خطہ کی خواتین میں تعلیم کا جو رجحان بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا ہے اور خواتین انتہائی بالغ نظری سے ملکی معاملات میں حصہ لینے لگی ہیں تو بنظرِ انصاف یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شمع مادرِ ملّت محترمہ فاطمہ جناحؒ کی ہی روشن کردہ ہے۔

چھبیسواں باب

مادرِ ملّتؒ کی وفات

مادرِ ملتؒ کی پوری زندگی مسلمان قوم کی فلاح و بہبود میں بسر ہوئی۔ قائد اعظمؒ کی زندگی میں بھی وہ رفاہ عامہ کے کاموں میں غیر معمولی دلچسپی لیتی تھیں۔ اور قائد کی مفارقت کے بعد بھی انہوں نے عوام سے اپنا ناطہ منقطع نہیں کیا تھا۔ ان کے نظریات عین وہی تھے جو قائد اعظمؒ کے تھے۔ وہ سچی جمہوریت پسند تھیں۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ پاکستان میں صحیح قسم کا جمہوری نظام رائج ہو۔ مادرِ ملتؒ کے خیال میں جمہوریت کے پھلنے پھولنے کے لئے صحافت کو حق گو، بے باک اور تعمیری نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی سرکاری پابندیوں سے آزاد ہونا ضروری ہے۔ تب ہی وہ اپنا کردار بہتر طور پر ادا کرسکتی ہے اور رائے عامہ کو زندہ رکھنے کے علاوہ حکمرانوں کو غیر متوازن ہونے سے روک سکتی ہے۔ انہوں نے ساری عمر مساوات، آزادی اور جمہوریت کے استحکام کو اپنا مطمحِ نظر بنائے رکھا۔

قائد اعظمؒ کی رحلت کے بعد ایسے مرحلے بھی آئے کہ ان کے ان نظریات کا وجود خطرے میں پڑ گیا مگر قومی زندگی کے ان کٹھن مواقع پر مادرِ ملتؒ نے مشکلات اور خطرات کے باوجود ایک خاتون ہوتے ہوئے بھی بے حد حوصلہ مندی اور استقلال سے ملت کی رہبری کا فریضہ سرانجام دیا۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ پاکستان کی بقا اور ترقی اس میں مضمر ہے کہ جمہوری اقدار کی نشوونما ہو۔ آپ نے قائد اعظمؒ کے اس عزم کو بارہا دوہرایا کہ پاکستان جمہوری طریقوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ اسلئے یہاں جمہوریت ہونی چاہیے آپ نے جمہوری اصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے عوام اب خود اپنے حاکم ہیں اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے باخبر ہیں۔ جمہوریت کی جب بھی پامالی ہوئی تو انہوں نے بڑے بڑے جابر حکمرانوں کو متنبہ کیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ انہوں نے محسوس کیا کہ جمہوریت کو

شدید خطرہ لاحق ہے تو اس کی بقا کے لئے بڑھاپے کے باوجود میدان عمل میں نکل آئیں اور کہا کہ میں ایک بوڑھی عورت ہوں میرے کندھے کمزور ہیں مگر میرے اصل کندھے عوام ہیں ۔ یہ زندہ قوم ہے ۔اس کا ضمیر زندہ ہے ۔اس کے سینے میں آزادی کی شمع روشن ہے ۔عوام جمہوریت چاہتے ہیں وہ کسی دباؤ میں نہیں آئیں گے ۔جمہوریت کی بحالی کے لئے میں اپنا سب کچھ قربان کر دونگی ۔

مادرِ ملتؒ اپنے عظیم بھائی قائداعظم محمد علی جناحؒ جیسی فطرت بھی رکھتی تھیں ۔ وہی جھنجھوڑنے اور جگانے والے تیز تیز فقرے وہی عزم و حوصلہ وہی تڑپ وہی صداقت و دیانت ، وہی استقلال و اخلاص اور وہی صاف ستھرا ذہن جو ان کے قائد بھائی کا تھا۔انہوں نے تحریک آزادیٔ نسواں کی قیادت کی تھی ۔وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ ہر پلیٹ فارم پر انہوں نے حقوق نسواں کے لئے فراست و ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا لہذا حلقہ نسواں میں ان کی ذات ایک قابل تقلید نشان سمجھی جاتی تھی ۔ جب آل پاکستان وومن ایسوسی ایشن ''اپوا'' کا قیام عمل میں آیا تو مادرِ ملتؒ ہی کو اس کا سرپرست بنایا گیا۔گو قائداعظمؒ کے انتقال کے بعد بعض اصحاب نے ان کے وقار اور عزت کو کم کرنے کی کوشش کی جیسا کہ بیگم رعنا لیاقت علی خان نے خاتون پاکستان بننے کو کوشش کی تھی اس کے باوجود مادرِ ملتؒ کا وقار و احترام پاکستانی عوام کے دلوں سے محو نہ ہوا۔مادرِ ملتؒ کو اپنے بھائی سے بہت محبت تھی ۔انہوں نے ساری زندگی قائداعظم کی معاونت میں گزار دی ایسی محبت اور خدمت کرنے والی بہنیں دنیا میں کم ہی ہوں گی ۔قائداعظمؒ کی وفات کے بعد وہ ہر جمعرات کو قائداعظمؒ کے مزار پر حاضری دیتی تھیں ۔اور اس عہد کی تجدید کرتیں کہ افکار قائداعظمؒ کو عملی جامہ پہنانے کی تحریک جاری رہے گی ۔فاطمہ جناحؒ اپنے بھائی قائداعظمؒ کی طرح دنیاوی فرقوں اور جھگڑوں سے بالاتر تھیں وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھیں انہیں مذہب سے دلی لگاؤ تھا۔ان کے دل میں رسول پاک ﷺ کی محبت کوٹ کوٹ کر

بھری ہوئی تھی۔ وہ خالصتاً ایک اسلامی تہذیب کی دلدادہ خاتون تھیں۔

مادرِ ملتؒ نے نہ صرف اپنے قول و گفتار سے مذہب اسلام کی خدمت کی بلکہ اپنے کردار و عمل سے بھی دین اسلام کے فروغ کے لئے اپنی خدمات جاری رکھیں۔ وہ نہ صرف عیدین کے موقعوں پر اسلامی تعلیمات کو پاکستانی عوام کے ذہنوں اور دلوں میں نقش کرتیں بلکہ عید میلاد النبیؐ کے جلسوں میں شرکت کر کے ثواب دارین بھی حاصل کرتیں۔ اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لئے چلنے والے کئی دینی اداروں کی وہ خاصی مالی امداد بھی کرتی تھیں۔

مادرِ ملتؒ نے نہ صرف کشمیر کے مسلمانوں کی جدوجہد کی حمایت کی بلکہ مسلمانوں کی تحریکوں کی بھی حوصلہ افزائی کی جو اپنی آزادی کے لئے مصروف عمل تھیں۔ موتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں انہوں نے فلسطین کی مقدس سرزمین پر یہودیوں کی ظالمانہ کارروائیوں کی شدید مذمت کی اور کہا کہ فلسطین کی مقدس سرزمین پر جہاں صدیوں تک امن و امان کا دور دورہ رہا وہ اب ایک میدان کارزار بنا دی گئی ہے۔ فلسطین کے ہزاروں عرب باشندوں کو بے گھر کر کے پناہ گزینوں کی طرح دربدر پھرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ ان کی حالت نہایت خراب ہے لیکن وہ راہ حق پر ہیں۔ اپنی حد تک خود مسلمانانِ عالم کا بھی فرض ہے کہ وہ فلسطین کی گتھی کو سلجھانے میں اپنا حصہ ادا کریں۔

مادرِ ملتؒ پاکستان کو ایک خوشحال ملک دیکھنا چاہتی تھیں۔ وہ اس نظریئے کی حامی تھیں کہ جب تک ایک عام آدمی کو اس کی بنیادی ضروریات مہیا نہیں کی جاتیں پاکستان کے قیام کا مقصد پورا نہیں ہو گا۔ انہوں نے ہمیشہ سرمایہ دار اور جاگیردار طبقے کو یہ احساس دلایا کہ وہ عوام کی حالت بہتر بنانے کی ضرورت سے غافل نہ ہوں۔ مادرِ ملتؒ ان سیاسی رہنماؤں کے بھی خلاف تھیں جو سیاسی آزادی پر زیادہ زور دے رہے تھے اور معاشرتی و اقتصادی انصاف کی اہمیت کو نظر انداز کر رہے

تھے۔ مادرِ ملّت ؒ کو وطن پاک کی خاک سے بے پناہ پیار تھا۔ ان کی وطن سے محبت کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے جب انہوں نے انگریز سوانح نگار ہیکٹر بولیتھو کو قائداعظم ؒ کے سوانح حیات لکھنے کے لئے متعلقہ مواد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ایک بدیسی شخص کو یہ متاع گراں نہیں سونپی جا سکتی بلکہ کوئی پاکستانی ہی قائداعظم ؒ کی عظیم جدوجہد پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس عظیم منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری فرزند اقبال ؒ ڈاکٹر جاوید اقبال کو سونپی تھی مگر مادرِ ملّت ؒ کو زندگی نے مہلت نہ دی اور یہ منصوبہ ادھورا رہ گیا۔

مادرِ ملّت ؒ کو جب کبھی وطن دشمن عناصر کی سرگرمیوں کا علم ہوتا تو اپنے وطن کے بہادر عوام کو ان کی نشاندہی کراتی تھیں۔ ستمبر 1965ء میں جب بھارتی فوج نے پاکستانی علاقوں پر حملہ کر دیا تو مادرِ ملّت ؒ نے ملک کے بہادر اور غیور عوام سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے امید ہے کہ پاکستانی عوام پوری قوت کے ساتھ بھارتی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیں گے۔ مادرِ ملّت ؒ محب وطن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند کردار خاتون تھیں۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جنرل ایوب خان کے مقابل صدارتی انتخاب لڑنے کے دوران انہوں نے ایوب خان کی پالیسیوں کو تو تنقید کا نشانہ بنایا مگر ان کے شخصی کردار پر کیچڑ نہ اچھالا۔ پھر اسی انتخابی مہم کے دوران جب مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خان نے جب ان کے ایوب خان کے ساتھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے مادرِ ملّت ؒ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کی تائید و نصرت کے لئے تیار ہوں اور انتخاب کے دوران کسی قسم کی دھاندلی نہیں ہونے دی جائے گی بشرطیکہ آپ انتخاب کے بعد میرے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کریں تو جواب میں مادرِ ملّت ؒ نے اصول پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میری حکومت میں ہر ظالم و جابر کا احتساب ہوگا۔

مادرِ ملّت ؒ نے تاعمر حق و صداقت کی آواز بلند رکھی۔ جس کے باعث بلک

کے حکمرانوں سے ان کے تعلقات کشیدہ رہے اور ان پر طرح طرح کی پابندیاں لگائی گئیں۔ اور ان کی آواز کو دبانے کے لئے ہر طرح کے حربے استعمال کئے گئے۔ ریڈیو سے ان کی تقریر کا ایک حصہ حذف کر دیا گیا ان کی ذاتی ڈاک کو سنسر اور ٹیلیفون کو ٹیپ کیا گیا اور فلیگ سٹاف ہاؤس کے باہر خفیہ پولیس والے تعینات کئے گئے۔

قیام پاکستان کے بعد جب قائداعظمؒ وفات پا گئے تو محترمہ فاطمہ جناحؒ کو مشکل حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ وزیراعظم لیاقت علی خان اور بیگم لیاقت علی خان سے ان کے تعلقات کافی عرصہ پہلے کشیدہ تھے۔ مگر جب لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا تو مادرِ ملتؒ کو بہت افسوس ہوا اور وہ وزیراعظم ہاؤس میں فوراً ان کی میت کے پاس پہنچ گئیں۔

غرض کہ عہد اقتدار لیاقت علی خان کا ہو یا خواجہ ناظم الدین کا۔ محمد علی بوگرہ کا زمانہ حکومت ہو یا سکندر مرزا کا دور آمریت، ملک غلام محمد کا قانون و انصاف سے بالاتر اقتدار ہو یا جنرل ایوب خان کا مارشل لا مادرِ ملتؒ نے ہر دور اور ہر عہد میں عوام کی رہنمائی پوری صاف گوئی اور اخلاقی جرأت سے کی۔ جس نظام حکومت میں انہیں کوئی خامی نظر آتی اسے عوام کے سامنے واضح طور پر بیان کر دیتیں۔ مادرِ ملتؒ کنجوس نہیں تھیں بلکہ کفایت شعار تھیں۔ ان کی کفایت شعاری صرف اپنے لئے تھی۔ اپنی ذات کے لئے فضول خرچی بالکل نہ کرتی تھیں۔ وہ کوئی غریب خاتون نہ تھیں۔ خدا نے انہیں بہت دولت دی تھی جو وہ اکیلی جتنا بھی زیادہ خرچ کرنا چاہتیں ختم ہونے میں نہ آ سکتی تھی۔ اس کے برعکس محترمہ فاطمہ جناحؒ اپنی دولت کو کھلے دل سے وطن کے پسماندہ اور غریب عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرتی تھیں۔

آخر وہ ساعتِ غم ناک آ پہنچی جب بانی پاکستان کی ہمشیرہ اور قوم کی ماں محترمہ فاطمہ جناحؒ 9 جولائی 1967ء کو کراچی میں دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ اس طرح جہاں قائداعظمؒ کی وفات سے سیاست کے ایک درخشاں دور کا خاتمہ ہو گیا تھا

وہاں مادرِ ملتؒ کی وفات حسرت آیات سے فلاح و بہبود کا ایک دور ختم ہو گیا۔
مادرِ ملتؒ کی وفات کی خبر لوگوں کو اچانک ملی اس سے قبل ان کی بیماری کی کوئی خبر شائع نہیں ہوئی تھی چنانچہ ابتدا میں لوگوں نے اسے افواہ قرار دیکر مسترد کر دیا لیکن حقائق کو کون ٹال سکتا تھا۔ عوام کے یقین نہ کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ مادرِ ملتؒ نے ایک روز قبل میر لائق علی کی بیٹی کی شادی میں شرکت کی تھی۔ اگرچہ ان پر بڑھاپا طاری ہو چکا تھا پھر بھی وہ صحت مند دکھائی دے رہی تھیں۔ اسی لئے عوام کا ذہن اس خبر کو قبول نہ کرتا تھا۔ بالآخر جب ریڈیو پاکستان نے پروگرام روک کر مادرِ ملتؒ کی وفات کی خبر سنائی تو عوام کو اس پر یقین کرنا پڑا۔ خبر کی تصدیق ہوتے ہی پورا ملک رنج و غم میں ڈوب گیا، ہزاروں لوگ قصر فاطمہ کے قریب جمع ہو گئے۔ ہر آنکھ اشکبار تھی لوگ سوچ رہے تھے کہ آج پاکستان کی سیاست سے جناح خاندان کا نام ختم ہو گیا کیونکہ مادرِ ملتؒ اور قائداعظمؒ کے سوا خاندان کے کسی اور فرد کو سیاست یا فلاحی کاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حکومت پاکستان نے اعلان کیا کہ اگلے دن (سوموار) ملک میں مادرِ ملتؒ کے سوگ میں عام تعطیل ہوگی۔ سرکاری عمارتوں پر قومی پرچم سرنگوں کر دیا گیا۔ کراچی کے ہفت روزہ اخبار خواتین کے مطابق 8 جولائی 1967ء کی شام کو میر لائق علی کی بیٹی کی شادی تھی۔ میر لائق علی ریاست حیدر آباد دکن کے وزیر اعظم رہ چکے تھے مادرِ ملتؒ قریباً پون گھنٹہ وہاں ٹھہریں انہوں نے اس تقریب میں کھایا کچھ نہیں صرف ایک گلاس پانی پیا۔ ساڑھے سات بجے شب وہ اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئیں۔ انہوں نے اپنے ڈرائیور کو ہدایت کی کہ اگلی صبح (اتوار) کو انہیں کہیں جانا ہے اس لئے وہ چھٹی نہ کرے۔ بعد ازاں گھریلو ملازم سے فروٹ منگا کر کھایا اس کے بعد وہ آرام کرنے کے لئے قصر فاطمہ کی پہلی منزل پر چلی گئیں۔ مادرِ ملتؒ کا یہ معمول تھا کہ وہ تمام بیرونی دروازے سرِ شام بند کر دیا کرتی تھیں۔ رہائش گاہ کے کمروں کی چابیاں باورچی خانے میں پھینک دیتیں جہاں

باورچی ان کا منتظر ہوتا۔ چابیاں حاصل کر کے باورچی مادرِ ملّتؒ کے لئے چائے تیار کرتا اور ساتھ ہی اخبارات بھی ان کے پاس پہنچاتا۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ قریباً دس بجے ناشتہ کرتی تھیں۔ خان عبدالرؤف کو چند روز پہلے ہی ملازم رکھا گیا تھا اس کا بیان ہے کہ اتوار کی صبح کو اس نے کچھ دیر انتظار کیا کہ مادرِ ملّتؒ چابیاں پھینکیں اور وہ روزمرہ کے کام میں مصروف ہو جائے جب مادرِ ملّتؒ کے کمرے کی وہ کھڑکی نہ کھلی جس سے چابیاں پھینکی جایا کرتی تھیں تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ دھوبی مادرِ ملّتؒ کے کپڑے لے کر آیا وہ بھی نصف گھنٹہ تک منتظر رہا اس کے بعد اس نے لیڈی ہدایت اللہ کو اطلاع دی جن کی قیام گاہ مادرِ ملّتؒ کے نزدیک ہی تھی۔ لیڈی ہدایت اے نے جب یہ سنا کہ مادرِ ملّتؒ ابھی تک کمرے سے باہر نہیں نکلیں تو انہیں تشویش ہوئی کیونکہ مادرِ ملّتؒ اپنے معاملات میں کبھی فرق نہیں آنے دیتی تھیں۔ انہوں نے بھی قصر فاطمہ پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ مادرِ ملّتؒ کے نوکر علیم نے دوسری چابی سے دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ محترمہ فاطمہ جناحؒ بستر پر موت کی پرسکون نیند سو رہی ہیں۔ لیڈی ہدایت اللہ نے کمرے کو فوراً بند کر دیا۔ اپنے گھر جا کر انہوں نے کمشنر کراچی دربار علی شاہ فون کیا پھر انہوں نے کے ایچ خورشید اور ان کی بھانجی شہر بانو کو اس حادثے کی اطلاع دی۔ جب وہ دوبارہ قصر فاطمہ پہنچیں تو کمشنر کراچی اور ڈی آئی جی پولیس اے کے ترین پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ دریں اثنا محترمہ فاطمہ جناحؒ کی بھانجی اور کے ایچ خورشید بھی آ گئے جب یہ سب لوگ کمرے میں داخل ہوئے تو مادرِ ملّتؒ ابدی نیند سو رہی تھیں۔ کمرے کی سمندر کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور ایئر کنڈیشنر بند تھا۔ کے ایچ خورشید نے سیاسی رہنماؤں اور مادرِ ملّتؒ کے لواحقین کو ان کی وفات کی اطلاع دی۔ کرنل ایم ایچ شاہ اور کرنل جعفر نے بھی موقع پر پہنچ کر مادرِ ملّتؒ کی موت کی تصدیق کر دی اور بتایا کہ موت حرکتِ

قلب بند ہو جانے سے ہوئی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے قصر فاطمہ کے گرد سیاسی لیڈروں اور عام لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ سب کو احساس تھا کہ آج ان کی وہ روحانی ماں ان سے جدا ہو گئی ہے جو ہر مشکل وقت میں ان کی رہنمائی فرمایا کرتی تھیں۔ قائداعظمؒ کی وفات جن حالات میں ہوئی تھی لوگوں کو اس بارے میں سب کچھ یاد تھا۔ اب مادرِ ملتؒ کی وفات پر بھی وشکوک وشبہات کا اظہار کرنے لگے اگرچہ ڈاکٹروں نے اتفاق رائے سے یہ فیصلہ دیا تھا کہ ان کی موت حرکت قلب بند ہو جانے سے ہوئی ہے لیکن عوام کو ان کی اس رائے سے اطمینان حاصل نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مادرِ ملتؒ کو زندگی بھر دل کا عارضہ لاحق نہ ہوا تھا۔ عوام کے شکوک وشبہات کو سیاسی رہنماؤں کے متضاد بیانات سے بھی تقویت ملی۔ ایک گروہ جس میں ایم اے اچ اصفہانی جیسے سیاستدان اور کرنل جعفر اور کرنل شاہ جیسے ڈاکٹر شامل تھے یہ سمجھتے تھے کہ مادرِ ملتؒ کی وفات واقعی حرکت قلب بند ہونے سے ہوئی ہے۔ دوسرے حضرات جو مادرِ ملتؒ کی موت کو قدرتی نہیں سمجھتے تھے ان میں میر لائق علی، بیگم نور الصباح، لیڈی ہدایت اللہ اور صدارتی انتخاب میں مادرِ ملتؒ کے الیکشن ایجنٹ حسن اے شیخ شامل تھے ان کا کہنا تھا کہ جب مادرِ ملتؒ کی میت کو غسل دیا گیا تو ان کی گردن پر نشانات دیکھے گئے تھے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں گلا گھونٹ کر مارا گیا تھا۔ حسن اے شیخ نے تو 1969ء میں اپنی انتخابی مہم کے دوران اس واقعہ کا بار بار ذکر کیا۔ بیگم نور الصباح لیڈی ہدایت اللہ کے حوالے سے کہتی ہیں کہ لیڈی ہدایت اللہ جب مادرِ ملتؒ کی بھانجی کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئیں تو ان کے ڈریسنگ روم کا دروازہ کھلا تھا جبکہ وہ ہمیشہ اسے بند کر کے سوتی تھیں۔ روزنامہ نوائے وقت نے اپنی 16 اگست 1971ء کی اشاعت میں حسن اے شیخ کا بیان شائع کیا ہے جس میں انہوں نے حکومت سے اس واقعہ کی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ بیان میں کہا گیا تھا کہ ابھی بعض اہم شخصیات موجود ہیں جو اس مسئلہ پر روشنی ڈال سکتی ہیں۔ اس طرح

شہادتیں بھی مہیا ہو سکتی ہیں بشرطیکہ حکومت انہیں تحفظ دے اور یقین دلائے کہ انکشافات پر ان کو ہراساں یا غیر ضروری طور پر پریشان نہیں کیا جائے گا۔ 1971ء میں مادرِ ملتؒ کی وفات سے متعلق بعض باتیں منظر عام پر آئیں۔ یہ انکشافات اس ٹیم نے کیے جس نے مادرِ ملتؒ کی تکفین میں حصہ لیا تھا اس ٹیم کے سربراہ ہدایت علی عرف حاجی کلو تھے۔ بقول نوائے وقت قائداعظمؒ کی میت کو بھی حاجی کلو نے ہی غسل دیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے مادرِ ملتؒ کے انتقال کی خبر شیعہ اثناعشری جماعت کے ایک شخص نے دی تھی جس پر میں نے محمد علی حبیب سیٹھ کی بیگم سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا۔ وہ یہ خبر سن کر پریشان ہو گئیں اس کے بعد جماعت کے دفتر میں گیا جہاں مسلم چانڈیو نے مجھے ہدایت کی کہ میں مادرِ ملتؒ کی تجہیز و تکفین کا اہتمام کروں۔ اس وقت رات تھی میں تین غسالوں فاطمہ سید، فاطمہ نسیم اور فاطمہ بائی کے ہمراہ قصر فاطمہ پہنچا۔ پہلے میں نے تینوں خواتین کو اس کمرے میں بھیجا جہاں مادرِ ملتؒ کی میت رکھی ہوئی تھی اس کے بعد میں اندر گیا اور کفن تیار کرنے لگا غسل کے دوران غسالوں نے مجھے بتایا کہ مادرِ ملتؒ کے جسم پر گہرے زخم ہیں اور جگہ جگہ چوٹ کے نشانات ہیں۔ میں خاموش رہا لیکن غسالوں نے زبان کھول دی۔ لوگوں نے کہا کہ اس معاملے میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور مجریہ 16 اگست 1971ء کے مطابق غسالہ سیدہ فاطمہ زوجہ سید ایم ظفر نے بتایا کہ جب میں مادرِ ملتؒ کی خواب گاہ میں داخل ہوئی تو میت سے کچھ فاصلے پر ایک خاتون کرسی پر بیٹھی تھی وہ رشتے میں مادرِ ملتؒ کی بھانجی لگتی تھی۔ وہ نہایت اداس اور غمگین تھی قریب ہی ابوالحسن اصفہانی کھڑے تھے۔ مادرِ ملتؒ کی گردن پر چار انچ لمبا زخم تھا جس پر ٹانکے لگے ہوئے تھے ان کے گھٹنے پر بھی زخم تھا۔ دایاں رخسار سوجا ہوا تھا اور جسم نیلا ہو کر اکڑ گیا تھا۔ ان کی چادر اور لباس خون سے لت پت تھا اور خون کے خشک دھبوں سے کپڑا سخت ہو گیا تھا میں نے ان زخموں کے بارے میں منہ کھولنا چاہا

لیکن مجھے منع کر دیا گیا۔ میں تو خوف کی وجہ سے خاموش ہوگئی لیکن ان باتوں کی خبر بہت سے دیگر لوگوں کو بھی ہوگئی تھی، مادرِ ملتؒ کے خون آلود کپڑے میں اجازت سے اپنے ساتھ لے آئی تھی یہ ایک سال تک میرے گھر رہے جب ان سے بدبو اٹھنے لگی تو میں نے انہیں تھیلی میں ڈال کر دفن کر دیا۔ میں یہ کپڑے نشانی کے طور پر رکھنا چاہتی تھی لیکن میری جماعت کے لوگوں نے مجھے ڈرایا کہ میں اس کا تذکرہ کسی سے نہ کروں۔ مادرِ ملتؒ کے انتقال کے تین دن بعد میں نے انہیں خواب میں دیکھا وہ مجھے کہہ رہی تھیں "فاطمہ تم نے ابھی تک نہیں بتایا" دوسری غسالہ فاطمہ بائی نے بھی مادرِ ملتؒ کی میت پر زخموں کی نشاندہی کی تھی۔ اس کا بیان تھا کہ مادرِ ملتؒ کے پیٹ میں سوراخ تھا جس سے متعفن پانی بہہ رہا تھا جسم پر جگہ جگہ چوٹوں کے نیل پڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے انہیں زدوکوب کیا ہو۔ غسالہ فاطمہ نسیم نے بھی ان زخموں کی تصدیق کی۔ اس طرح باتیں سننے میں آتی رہیں بعض لوگوں نے خیال ظاہر کیا کہ یہ ڈاکے کی واردات ہوسکتی ہے۔ بعض نے خیال ظاہر کیا کہ مادرِ ملتؒ چونکہ جلد غصہ میں آ جاتی تھیں اور غلطی کرنے والے ملازم کو فی الفور نکال دیتی تھیں تو ہوسکتا ہے کہ یہ کسی نوکر کی کارروائی ہو اور اس نے انتقام لینے کی خاطر محترمہ فاطمہ جناحؒ پر حملہ کیا ہو۔ بیگم نورالصباح نے اپنے ایک انٹرویو میں مادرِ ملتؒ کے ایک سابق نوکر کا ذکر کیا ہے کہ اس نوکر کو نکال دیا گیا تھا لیکن لیڈی ہدایت اللہ دھوبی کے ہمراہ جو مادرِ ملتؒ کے کپڑے لیکر آیا تھا قصر فاطمہ پہنچیں تو یہ نوکر وہاں موجود تھا جب یہ پتہ چلا کہ دروازہ مقفل ہے تو اسی نوکر نے اپنے پاس سے ایک چابی دی اور کہا کہ اسے لگا کر دیکھیں شاید لگ جائے اور اس چابی سے دروازہ کھل گیا بعد ازاں لیڈی ہدایت اللہ نے مادرِ ملتؒ کی میت کو دیکھ کر دروازہ بند کرا دیا تھا اور چابی اسی نوکر کو دیدی تھی۔ لیکن کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ نوکر کبھی نظر نہ آیا۔ بہر حال مادرِ ملتؒ کی وفات سے عوام کے ذہنوں میں جو سوالات ابھرے وہ آج

تک حل طلب ہیں اور مادرِ ملتؒ کی حیات کا یہ باب کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے تک کھلا ہی رہے گا۔ جس طرح قائداعظمؒ کی وفات سے سیاست کے ایک درخشاں باب کا خاتمہ ہو گیا تھا اسی طرح مادرِ ملتؒ کی وفات حسرت آیات سے جمہوریت کے فروغ اور فلاح و بہبود کی سرگرمیوں کا ایک دور ختم ہو گیا۔

ستائیسواں باب

مادرِ ملّت کا آخری سفر

مادرِ ملّت نے یہ وصیت کر دی تھی کہ وفات کے بعد انہیں قائداعظم کے قریب دفن کیا جائے لیکن وفات کے بعد بقول اصفہانی حکومت ان کی میت کو میوہ شاہ قبرستان میں دفنانا چاہتی تھی اس تجویز کی سخت مخالفت ہوئی اور کمشنر کراچی کو خبردار کیا گیا کہ اگر مادرِ ملّت کی وصیت پر عمل نہ ہوا تو ہنگامہ ہو جائے گا۔ کمشنر کراچی نے سیاستدانوں اور مادرِ ملّت کے لواحقین سے مشورہ کیا بالآخر وصیت پر عمل کرنے کا فیصلہ ہوا جس کی اطلاع کمشنر نے مسٹر اصفہانی کو دیدی۔ مادرِ ملّت کی قبر مزارِ قائداعظم سے ایک سو بیس فٹ دور بائیں جانب کھودی گئی۔ قبر ساڑھے چھ فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی تھی۔ اس پتھریلی زمین میں قبر کھودنے میں گورکنوں کو بارہ گھنٹے لگ گئے۔ بعض اوقات کھدائی کے لئے بجلی سے چلنے والے اوزار استعمال کرنے پڑے۔ گورکنوں کی تعداد بیس تھی اس ٹیم کی قیادت عبدالغنی کر رہے تھے۔ جنہوں نے قائداعظم کے علاوہ لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر کی قبریں تیار کی تھیں۔ مرحومہ کی پہلی نماز جنازہ قصر فاطمہ میں مولانا ابن حسن جارچوی نے پڑھائی۔ جنازہ پونے نو بجے اٹھا تو دور دور تک انسانوں کا سمندر نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔ جذبات سے مغلوب لوگ مادرِ ملّت زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ صدر ایوب کے نمائندے وزیر خوراک شمس الضحیٰ، بحریہ کے سربراہ ایڈمرل ایم حسن، گورنروں کے ملٹری سیکرٹری کراچی کے اعلیٰ حکام اسمبلیوں کے ارکان اور سیاسی رہنما اشک بہاتے ہوئے جنازے کے پیچھے چل رہے تھے۔ سورۃ یٰسین کی تلاوت ہو رہی تھی۔ پولیس کی وائرلیس گاڑی بھی ہمراہ تھی۔ جلوس ایک فرلانگ تک جا چکا تھا کہ مسلم لیگ نیشنل گارڈز نے ایک قومی پرچم مرحومہ کے جسد خاکی پر ڈال دیا۔ جلوس جوں جوں آگے بڑھتا لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ خواتین چھتوں سے جنازے پر

پھولوں کی پتیاں نچھاور کر رہی تھیں۔نماز جنازہ کا انتظام میونسپل کارپوریشن نے پولو گراؤنڈ میں کر رکھا تھا۔ جنازہ پہنچنے سے قبل ہی سارا گراؤنڈ لوگوں سے بھر چکا تھا۔ نماز جنازہ مولانا مفتی محمد شفیع اوکاڑوی نے پڑھائی۔ جب میت دوبارہ گاڑی میں رکھی گئی تو سوگواروں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔بیگم نورالصباح ایک انٹرویو میں کہتی ہیں کہ میں نے قائداعظمؒ اورنوابزادہ لیاقت علی خان کے جنازے بھی دیکھے تھے لیکن مادرِملتؒ کے جنازے میں شریک ہونے والوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی اس کی ایک وجہ تو یہ تھی اس وقت کراچی کی آبادی میں بہت اضافہ ہو چکا تھا۔ دوسرے صدارتی انتخاب میں ایوب خان کا مقابلہ کرکے مادرِملتؒ نے پورے ملک کو زبان بخشی تھی۔قبر تک پہنچتے پہنچتے شرکا کی تعداد ایک اندازے کے مطابق چار لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی۔جدھر نظر ڈالو مردوں اور خواتین کا سمندر دکھائی دیتا تھا۔ جنازے کا جلوس مزارِقائد کے احاطے میں داخل ہوا تو سب سے پہلے شریف الدین پیرزادہ نے کاندھا دیا وہ اس وقت وزیر خارجہ تھے اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے بعد کراچی کے ہوائی اڈے سے سیدھے یہاں پہنچے تھے۔ دوپہر کے بارہ بجے تک جنازے میں شرکا کی تعداد پانچ لاکھ سے بڑھ چکی تھی۔ چونکہ عام تعطیل کا اعلان ہو چکا تھا اس لئے ہر شخص کی خواہش تھی کہ وہ مادرِملتؒ کے جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل کرے۔ہجوم بے قابو ہو رہا تھا۔ ہر شخص کی خواہش تھی کہ میت تک پہنچے چنانچہ پولیس کے ساتھ تصادم بھی ہوا آنسو گیس چلی اور ایک شخص جاں بحق ہوا بہت سے زخمی ہوئے ایک بس کو آگ لگا دی گئی۔ مادرِملتؒ کے جنازے کے جلوس میں یہ تصادم حد درجہ افسوسناک تھا۔ مادرِملتؒ ساری زندگی ضبط و نظم کی خود بھی پابند رہیں اور قوم کو بھی اس کی تلقین کرتی رہیں لیکن ان کے جنازے کے جلوس میں بدنظمی قابلِ افسوس تھی۔ممتاز دولتانہ، نورالامین، چوہدری محمد علی اور خواجہ ناظم الدین نے حکومت سے اس واقعہ کی تحقیقات کا مطالبہ کیا اس کے

جواب میں وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ نے کہا کہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو حکومت اس واقعہ کی عدالتی تحقیقات کرائے گی۔ حسن اے شیخ کے مطابق جنازے میں شرکاء کی تعداد کسی طرح بھی دس لاکھ سے کم نہ تھی۔ جب جنازہ قبر کے قریب پہنچا تو دن کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ بالآخر کے ایچ خورشید اور ایم اے ایچ اصفہانی نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ مادرِ ملتؒ کے جسدِ خاکی کو لحد میں اتارا۔ اس موقع پر لاکھوں لوگ رو رہے تھے۔ 12 بج کر 55 منٹ پر قبر ہموار کردی گئی جن دوسرے ملکوں کے نمائندے تدفین میں شریک ہوئے ان میں اسٹریلیا، افغانستان، عراق، انڈونیشیا، سوڈان، مراکش، فرانس، برطانیہ، امریکہ، ایران، بھارت بھی شامل تھے۔ اسی روز قومی اخبارات نے مادرِ ملتؒ کے حوالے سے خصوصی شمارے شائع کئے۔

مادرِ ملتؒ کا سوگ پورے ملک میں منایا گیا۔ قریباً تمام بڑے شہروں میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ قومی رہنماؤں نے مادرِ ملتؒ کی وفات کو ناقابل تلافی قومی نقصان قرار دیا۔ ایوب خان نے بھی جنہوں نے صدارتی انتخاب میں مادرِ ملتؒ کا مقابلہ کیا تھا اس موقع پر اظہار تعزیت کیا اور جب وہ کراچی آئے تو قبر پر جا کر فاتحہ پڑھی۔

مادرِ ملتؒ کی ابدی جدائی کو ہر شخص نے ملت کے لئے عظیم نقصان قرار دیا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مسٹر نورالامین، چوہدری محمد علی، مولانا عبدالحمید بھاشانی، محمود علی، ممتاز محمد خان دولتانہ، سردار شوکت حیات، میاں بشیر احمد، مسٹر محمد ایوب کھوڑو، سردار محمد ابراہیم خان، مولانا احتشام الحق تھانوی، مسٹر کے ایچ خورشید، اصفہانی، بیگم شاہنواز اور بیگم رعنا لیاقت علی خان اور دیگر زعمائے ملت نے اپنے بیانات میں مادرِ ملتؒ کی وفات پر رنج والم کا اظہار کیا اور ان کی وفات کو جمہوریت، دیانت، صداقت اور شرافت کی شمع بجھ جانے کے مترادف قرار دیا۔ اور ان کی قومی

خدمات کی دل کھول کر تعریف کی۔ قوم کو پہلا دھچکا قائداعظمؒ کی وفات سے لگا تھا اور دوسری مرتبہ مادرِ ملتؒ کی وفات نے پوری قوم کو سوگوار کر دیا۔

The End --------- ختم شد --------- ---------